

BNPS101DCT

سیاسیات کا تعارف

(Introduction to Political Science)

بی۔اے۔(آنرس)

چار سالہ پروگرام

پہلا سمسٹر (سیاسیات)

مرکز برائے فاصلاتی و آن لائن تعلیم

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی

حیدرآباد-32، تلنگانہ، بھارت

Copyright © 2025, Maulana Azad National Urdu University, Hyderabad

All right reserved. No part of this publication may be reproduced or transmitted in any form or by any means, electronically or mechanically, including photocopying, recording or any information storage or retrieval system, without prior permission in writing from the publisher (registrar@manuu.edu.in)

ISBN : 978-81-992392-9-6
Course : Introduction to Political Science
First Edition : September 2025
Copies : 1300
Price : ₹180/- only (Included in the admission fee of distance mode students)

Course Coordinator

Dr. Ishtiyag Ahmad, Asso. Prof. (Political Science), CDOE, MANUU

Editorial Board/Editors

Prof. Mohd Umar

Former Head, Dept. of Pol. Sci., DBAMU,
Chhatrapati Sambhajnagar, MH

Prof. Mirza Asmer Beg

Former Chairperson, Dept. of Pol. Sci.,
AMU, Aligarh, UP

Prof. Mehtab Manzar

Professor (Retd.), Dept. of Political Science,
Jamia Millia Islamia, New Delhi

Prof. Afroz Alam

Former Head, Dept. of Political Science,
MANUU, Hyderabad

Dr. Abdul Qayyum

Asso. Prof. (Retd.), Dept. of Public
Administration, MANUU, Hyd., TG

Dr. Dastagirbasha Chabnur

Assistant Professor, Political Science, CDOE,
MANUU, Hyd., TG

Dr. Mohammed Ghouse

Head, Dept. of Pol.Sc., Govt. Degree College
for Women, Hussainialam, Hyd., TG

Dr. Ishtiyag Ahmad (Course Coordinator)

Asso. Prof., Public Administration, CDOE,
MANUU, Hyd. TG

Dr. Md. Shahid Alam

Assistant Professor (Cont.)/Guest Faculty,
Pol. Science, CDOE, MANUU, Hyd. TS

Dr. Mohd Akmal Khan (Language Editor)

Assistant Professor (Cont.)/Guest Faculty,
CDOE, MANUU, Hyd. TG

Production

Prof. Nikhath Jahan,
Professor (Urdu),
CDOE, MANUU

Mr. P Habibulla, Assistant
Registrar, Purchase &
Stores Section, MANUU

Dr. Mohd Akmal Khan,
Asst. Prof. (Cont.) /Guest Faculty,
CDOE MANUU

Mohd Abdul Naseer, Section
Officer, CDOE MANUU

Shaik Ismail, UDC,
CDOE, MANUU

Syed Faheemuddin, LDC, Purchase
& Stores Section, MANUU

On behalf of the Registrar, published by:

Centre for Distance and Online Education

Maulana Azad National Urdu University

Gachibowli, Hyderabad-500032 (TG), India

Director: dir.dde@manuu.edu.in Publication: ddepublication@manuu.edu.in

Phone number: 040-23008314 Website: manuu.edu.in

CRC prepared by **Dr. Naved Ashrafi**, CDOE, MANUU, Hyderabad, Telangana

Printed at: **Print Time & Business Enterprises**, Gachibowli, Hyderabad, Telangana

فہرست

پیغام	وائس چانسلر، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی	6
پیغام	ڈائریکٹر، مرکز برائے فاصلاتی و آن لائن تعلیم	7
کورس کا تعارف	کورس کوآرڈینیٹر (سیاسیات)	8
اکائی	اکائی کا نام	مصنف
صفحہ		
1-	سیاسیات: معنی اور تعریفات	جناب محمد قمر سلیم
2-	سیاسیات: نوعیت، وسعت اور اہمیت	ڈاکٹر محمد امین میر
3-	دیگر سماجی علوم کے ساتھ تعلقات	ڈاکٹر اکبر القادری اور جناب اختر رضا
4-	مملکت: معنی، عناصر اور نظریات	ڈاکٹر اکبر القادری، ڈاکٹر مصعب احمد اور ڈاکٹر نعمان حیدر
5-	روایتی تناظر، جدید لبرل تناظر	جناب محمد قمر سلیم اور ڈاکٹر محمد شاہد عالم
6-	مارکسسٹ تناظر	ڈاکٹر طارق انور
7-	شہریت: نظریہ اور تصورات	ڈاکٹر محمد شاہد عالم
8-	اقتدار اعلی: معنی، خصوصیات اور اقسام	ڈاکٹر اشتیاق احمد
9-	وحدانیت اور تکثیریت کا نظریہ	ڈاکٹر شکیل احمد
10-	حقوق: معنی اور اقسام	ڈاکٹر عبدالقیوم
11-	سیاسی ذمہ داری	ڈاکٹر محمد فہیم الدین
12-	آزادی انصاف اور مساوات	ڈاکٹر واحدہ شیخ
	تجویز کردہ اکتسابی مواد	
	نمونہ امتحانی پرچہ	

مصنفین کی تفصیلات (Writers' Details)

جناب محمد قمر سلیم، اسوسیٹ پروفیسر، انجمن اسلام، اکبر پیر بھائی کالج آف ایجوکیشن، نوی ممبئی، مہاراشٹر

ڈاکٹر محمد امین میر، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ سیاسیات، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، اتر پردیش

ڈاکٹر اکبر القادری، الحسن ٹیچرس ٹریننگ کالج، سستی پور، بہار

جناب اختر رضا، جونیئر کالج، مانو، فلک نما، حیدر آباد، تلنگانہ

ڈاکٹر مصعب احمد، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ سیاسیات، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، اتر پردیش

ڈاکٹر نعمان حیدر، اسسٹنٹ پروفیسر، اریہ کالج، اریہ، بہار

ڈاکٹر محمد شاہد عالم، اسسٹنٹ پروفیسر (کانٹریکچول)، اسوسیٹ پروفیسر (سیاسیات)، سی۔ ڈی۔ او۔ ای۔، مانو

ڈاکٹر طارق انور، صدر، شعبہ سیاسیات، اس ڈی اس کالج، مرزا پور کلاں، ضلع شاہ جہاں پور، اتر پردیش

ڈاکٹر اشتیاق احمد، اسوشیٹ پروفیسر، مرکز برائے فاصلاتی اور آن لائن تعلیم، مانو، حیدر آباد، تلنگانہ

ڈاکٹر شکیل احمد، اسسٹنٹ پروفیسر (سیاسیات)، شعبہ قانون، اے ایم یو سینٹر، مرشد آباد، بنگال

ڈاکٹر عبدالقیوم، اسوشیٹ پروفیسر (رٹائرڈ)، شعبہ نظم و نقش عامہ، مانو، حیدر آباد، تلنگانہ

ڈاکٹر محمد فہیم الدین، اسسٹنٹ پروفیسر (سیاسیات)، شعبہ قانون، اے ایم یو سینٹر، مرشد آباد، بنگال

ڈاکٹر واحدہ شیخ، صدر، شعبہ سیاسیات، عابدہ انعام دار سنٹر کالج، اعظم کیپس، پونا، مہاراشٹر

پروف ریڈرز:

اول : ڈاکٹر محمد شاہد عالم

دوم : ڈاکٹر محمد نہال افروز

فائنل : ڈاکٹر اشتیاق احمد

ٹائٹل پیج : ابراہیم اکرم صدیقی

پیغام

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی (MANUU) 1998 میں پارلیمنٹ کے ایک ایکٹ کے ذریعے قائم کی گئی۔ یہ ایک مرکزی جامعہ ہے جس نے این اے اے سی کی جانب سے گریڈ A+ حاصل کیا ہے۔ اس جامعہ کے قیام کے مقاصد ہیں: (1) اردو زبان کا فروغ، (2) پیشہ ورانہ اور تکنیکی تعلیم کو اردو میڈیم میں قابل رسائی اور دستیاب بنانا، (3) روایتی اور فاصلاتی طریقہ تعلیم کے ذریعے تعلیم فراہم کرنا، اور (4) خواتین کی تعلیم پر خصوصی توجہ دینا۔ یہ وہ نکات ہیں جو اس مرکزی جامعہ کو دیگر تمام مرکزی جامعات سے ممتاز کرتے ہیں اور اسے ایک انفرادیت بخشنے ہیں۔ قومی تعلیمی پالیسی 2020 میں بھی مادری زبانوں اور علاقائی زبانوں میں تعلیم حاصل کرنے پر زور دیا گیا ہے۔

اردو کے ذریعے علم کے فروغ کا مقصد یہی ہے کہ اردو جاننے والے طبقے کے لیے عصری علوم اور مضامین تک رسائی آسان بنائی جائے۔ ایک طویل عرصے تک اردو میں درسی مواد کی کمی رہی ہے۔ اردو یونیورسٹی کے پاس اب اردو میں 350 سے زیادہ کتابوں کا ذخیرہ موجود ہے اور ہر سمسٹر کے ساتھ اس تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اردو یونیورسٹی این ای پی 2020 کے وژن کے مطابق مادری/گھریلو زبان میں تعلیمی مواد فراہم کرنے کے قومی مشن کا حصہ بننے کو اپنے لیے ایک اعزاز سمجھتی ہے۔ مزید یہ کہ اردو بولنے والا طبقہ اردو میں مطالعہ کے مواد کی عدم دستیابی کے سبب نئے اُبھرتے شعبوں اور جدید تر معلومات کے موجودہ میدانوں میں تازہ ترین معلومات و اطلاعات کے حصول سے محروم نہیں رہے گا۔ مذکورہ بالا میدانوں میں مواد کی دستیابی کی بدولت حصول معلومات کا نیا شعور بیدار ہوا ہے جو یقیناً اردو داں طبقہ کی دانشورانہ ترقی پر اثر انداز ہوگا۔

فاصلاتی اور آن لائن طلبہ کے لیے تعلیم و تدریس کے عمل کو سہل بنانے کے لیے یونیورسٹی کا سینٹر فار ڈسٹنس اینڈ آن لائن ایجوکیشن (CDOE) اردو اور متعلقہ مضامین میں خود اکتسابی مواد (SLM) کی تیاری کو یقینی بناتا ہے۔

MANUU فاصلاتی اور آن لائن لرننگ کے طلبہ کے لیے SLM بلا معاوضہ فراہم کرتا ہے۔ یہ مواد اردو کے ذریعے علم حاصل کرنے میں دلچسپی رکھنے والے ہر شخص کے لیے برائے نام قیمت پر دستیاب ہے۔ تعلیم تک رسائی کے دائرے کو مزید پھیلانے کے مقصد سے، اردو/ہندی/انگریزی/عربی میں eSLM یونیورسٹی کی ویب سائٹ پر مفت ڈاؤن لوڈ کے لیے دستیاب رکھا گیا ہے۔

مجھے بے حد خوشی ہے کہ متعلقہ فیکلٹی کی محنت اور مصنفین کے مکمل تعاون کی بدولت FYUG بی۔اے، بی۔ایس سی اور بی۔کام کی کتابوں کی اشاعت کا عمل بڑے پیمانے پر شروع ہو گیا ہے۔ فاصلاتی اور آن لائن لرننگ کے طلبہ کی سہولت کے لیے خود اکتسابی مواد (SLM) کی تیاری اور اشاعت کا عمل یونیورسٹی کے لیے اہمیت رکھتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ہم اپنے خود تعلیمی مواد کے ذریعے اردو جاننے والے ایک بڑے طبقے کی ضروریات کو پورا کرنے کے قابل ہوں گے اور اس یونیورسٹی کے مقصد قیام کو پورا کریں گے اور اپنے ملک میں اپنی موجودگی کو جائز ٹھہرا سکیں گے۔

نیک تمناؤں کے ساتھ!

پروفیسر سید عین الحسن
وائس چانسلر، مانو

پیغام

موجودہ دور میں فاصلاتی تعلیم کو دنیا بھر میں ایک نہایت مؤثر اور مفید طریقہ تعلیم کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے اور بڑی تعداد میں لوگ اس طریقہ تعلیم سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی نے بھی اردو زبان بولنے والے عوام کی تعلیمی ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنے قیام کے وقت سے ہی فاصلاتی تعلیم کا طریقہ متعارف کرایا۔ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی نے 1998 میں ڈائریکٹوریٹ آف ڈسٹنس ایجوکیشن (نظامت فاصلاتی تعلیم) کے ساتھ کام کا آغاز کیا اور 2004 سے باقاعدہ پروگرام شروع ہوئے، اس کے بعد مختلف شعبہ جات قائم کیے گئے۔

یو جی سی نے ملک میں نظام تعلیم کو مؤثر طور پر منظم کرنے میں ایک اہم کردار ادا کیا ہے۔ اوپن اینڈ ڈسٹنس لرننگ (ODL) موڈ کے تحت چلنے والے مختلف پروگرام، جو سینٹر فار ڈسٹنس اینڈ آن لائن ایجوکیشن (CDOE) میں چل رہے ہیں، یو جی سی-ڈی ای بی کے منظور شدہ ہیں۔ یو جی سی-ڈی ای بی نے فاصلاتی اور باقاعدہ تعلیم کے نصاب کو ہم آہنگ کرنے پر زور دیا ہے تاکہ فاصلاتی تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کے معیار کو بہتر بنایا جاسکے۔ چونکہ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی ایک ڈھیرے طرز (ڈسٹریکٹ موڈ) کی یونیورسٹی ہے جو فاصلاتی اور روایتی دونوں طریقہ تعلیم کی خدمات فراہم کرتی ہے، اس لیے اپنے مقاصد کو یو جی سی-ڈی ای بی کے رہنما خطوط کے مطابق حاصل کرنے کے لیے اس نے چوائس میڈ کریڈٹ سسٹم (CBCS) متعارف کرایا گیا جس کا خود اکتسابی مواد (Self Learning Materials) یو جی سی کے قوانین اور کریڈٹ فریم کے مطابق نئے سرے سے تیار کیے جا چکا ہے۔

سینٹر فار ڈسٹنس اینڈ آن لائن ایجوکیشن (CDOE) کل انیس (19) پروگرام پیش کرتا ہے جن میں یو جی، پی جی، بی ایڈ، ڈپلومہ اور سرٹیفکیٹ پروگرام شامل ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ تکنیکی مہارتوں پر مبنی پروگرام بھی شروع کیے جا رہے ہیں۔ سی ڈی او ای نے جولائی 2025 سے این ای پی-2020 کے مطابق چار سالہ یو جی پروگرام کا آغاز کیا ہے۔ بی اے، بی ایس سی اور بی کام کے آئز پر و گراموں کو این سی ایف کے مطابق ڈیزائن کیا گیا ہے جس سے طلبہ کو آئز ڈگری حاصل کرنے میں مدد ملے گی۔ سال 2025-2026 سے ایم بی اے پروگرام اوڈی ایل موڈ میں متعارف کرایا گیا ہے۔

مانو نے طلبہ کی سہولت کے لیے نورینجیل سنٹر (بگھور، بھوپال، در بھنگہ، دہلی، کولکاتا، ممبئی، پٹنہ، رانچی اور سری نگر) اور چھ سب ریجنل سنٹر (حیدر آباد، لکھنؤ، جموں، نوح، وارانسی اور امر اوتی) کا ایک وسیع نیٹ ورک قائم کیا ہے۔ اس کے علاوہ بے واڑا میں ایک ایکسٹینشن سنٹر بھی قائم کیا گیا ہے۔ ان ریجنل اور سب ریجنل سنٹروں کے تحت ایک سو پچاس سے زیادہ لرنر سپورٹ سنٹر (LSCs) اور بیس پروگرام سنٹر بیک وقت چلائے جا رہے ہیں تاکہ طلبہ کو تعلیمی اور انتظامی سہولیات فراہم کی جاسکیں۔ سینٹر فار ڈسٹنس اینڈ آن لائن ایجوکیشن اپنی تعلیمی اور انتظامی سرگرمیوں میں آئی سی ٹی کا بھرپور استعمال کرتا ہے اور اپنے تمام پروگراموں میں صرف آن لائن موڈ کے ذریعے ہی داخلے فراہم کرتا ہے۔

طلبہ کے لیے سیلف لرننگ میٹریل (SLM) کی سو فٹ کاپی سینٹر فار ڈسٹنس اینڈ آن لائن ایجوکیشن کی ویب سائٹ پر دستیاب کرائی جاتی ہیں اور آڈیو ویڈیو ریکارڈنگ کے لنک بھی ویب سائٹ پر فراہم کیے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ طلبہ کو ای۔ میل اور واٹس ایپ گروپ کی سہولت بھی فراہم کی جا رہی ہے جن کے ذریعے انہیں پروگرام کے مختلف پہلوؤں جیسے کورس رجسٹریشن، اسائنمنٹ، کاؤنسلنگ، امتحانات وغیرہ کے بارے میں مطلع کیا جاتا ہے۔ باقاعدہ کاؤنسلنگ کے علاوہ گزشتہ دو برسوں سے طلبہ کے تعلیمی معیار کو بہتر بنانے کے لیے زائد تدارکی (Remedial) آن لائن کاؤنسلنگ بھی فراہم کی جا رہی ہے۔

امید کی جاتی ہے کہ سینٹر فار ڈسٹنس اینڈ آن لائن ایجوکیشن تعلیمی اور معاشی طور پر پسماندہ آبادی کو عصری تعلیم کے دھارے میں شامل کرنے میں ایک اہم کردار ادا کرے گا۔ تعلیمی ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے نئی تعلیمی پالیسی (NEP-2020) کے مطابق مختلف پروگرامز میں تبدیلیاں کی گئی ہیں اور توقع ہے کہ اس سے اوپن اینڈ ڈسٹنس لرننگ کے نظام کو مزید مؤثر اور کارآمد بنانے میں مدد ملے گی۔

پروفیسر محمد رضا اللہ خان

ڈائریکٹر، سی ڈی او ای، مانو

کورس کا تعارف

عزیز طلباء،

علم سیاسیات سماجی علوم کا ایک اہم مضمون ہے۔ ارسطو نے علم سیاسیات کو عظیم علم کہا ہے۔ سیاسیات کا مطالعہ کرنے سے ہمیں مملکتوں کے بارے میں معلومات حاصل ہوتی ہے۔ اس کے مطالعے سے حکومت سے متعلق بھی معلومات حاصل ہوتی ہے۔ سیاسی طور سے بیدار ہونے کے لیے بھی ہمیں سیاسیات کا مطالعہ کرنا بہت ضروری ہے۔

علم سیاسیات پڑھنے سے ہمیں یہ معلومات حاصل ہوتی ہے کہ ہمارے حقوق کیا ہیں؟ ہمارے فرائض کیا ہیں؟ اس لیے علم سیاسیات کا مطالعہ ناگزیر ہے۔ سیاسیات کے اندر ہم بہت سے اصولوں کا مطالعہ کرتے ہیں۔ اس لیے علم سیاسیات کا مطالعہ کرنا ہمارے لیے اہم، مفید اور شاذ و نادر ہے۔ اس کا مطالعہ کرنے سے ہمیں حقوق، مساوات، آزادی اور انصاف کی معلومات ہوتی ہے۔ علم سیاسیات کے مطالعے کی افادیت یہ ہے کہ یہ انسان کو سیاسی نظر سے بیدار بناتا ہے۔ انسان ایک سیاسی مخلوق ہے، یعنی انسان کی کچھ ضرورتیں ایسی ہیں جن کے لیے مملکت کی معلومات حاصل کرنا ضروری ہے۔ اس کے مطالعے سے ہمیں ماضی، حال کا تعارف اور کامیاب مستقبل کی تشکیل کرنے میں آسانی ہوتی ہے۔

’سیاسیات کا تعارف‘ سیاسیات کا ایک بنیادی مضمون ہے۔ یہ کتاب خاص طور پر ہندوستانی سیاست کے فلسفیانہ، نظریاتی اور فعال پہلوؤں کے بارے میں طلبہ کی سمجھ کو بڑھانے کے لیے ڈیزائن کی گئی ہے اور سیاسی عمل اور سیاسی نظام کے اصل کام پر تفصیل سے توجہ مرکوز کرتی ہے۔ نئی تعلیمی پالیسی 2020 کے تحت تیار کی گئی یہ کتاب چار بلاک پر مشتمل ہے اور ہر بلاک میں تین اکائیاں موجود ہیں۔ اس طرح اس کورس میں 12 اکائیاں ہیں۔

پہلے بلاک میں علم سیاسیات کے بنیادی تصورات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ یہ بلاک سیاسیات کے معنی و مفہوم، نوعیت، وسعت اور اہمیت، اور دیگر سماجی علوم سے سیاسیات کے تعلقات کا احاطہ کرتا ہے۔ دوسرے بلاک میں مملکت کا تصور بیان کیا گیا ہے جس میں مملکت کے معنی، عناصر اور مختلف نظریات پر بحث کی گئی ہے۔ تیسرے اور چوتھے بلاک میں آپ سیاسیات کے دیگر نظریات اور تصورات کا مطالعہ کریں گے جس میں شہریت، اقتدار اعلیٰ، حقوق، سیاسی ذمہ داری، آزادی، انصاف اور مساوات شامل ہے۔

امید ہے کہ یہ کتاب اپنے موضوع پر سماجی علوم خاص طور سے علم سیاسیات کا مطالعہ کرنے والے طلباء و طلبات کی رہنمائی کرے گی اور ان کے لیے مفید ثابت ہوگی۔ اور ان کی لیاقت و صلاحیت میں اضافہ کرے گی۔

ڈاکٹر اشتیاق احمد

کورس کوآرڈینیٹر

اکائی 1- علم سیاسیات: معنی اور تعریفیں

(Political Science: Meaning and Definitions)

اکائی کے اجزاء:

تمہید	1.0
مقاصد	1.1
علم سیاسیات: معنی اور تعریفیں	1.2
علم سیاسیات کی اہمیت	1.2.1
علم سیاسیات کیوں پڑھیں؟	1.2.2
آج کے تناظر میں علم سیاسیات پڑھنے کی وجوہات	1.2.3
علم سیاسیات کی تاریخ	1.2.4
علم سیاسیات کے معنی	1.2.5
علم سیاسیات کی تعریفیں	1.2.6
علم سیاسیات کی نوعیت	1.3
کیا یہ سائنس ہے؟	1.3.1
کیا یہ فن ہے؟	1.3.2
سیاست یا علم سیاسیات	1.3.3
علم سیاسیات کا دائرہ کار	1.4
دائرہ کار کا مفہوم	1.4.1
علم سیاسیات کے شعبہ جات	1.4.2
اکتسابی نتائج	1.5
کلیدی الفاظ	1.6
نمونہ امتحانی سوالات	1.7

1.7.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1.7.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1.7.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1.0 تمہید (Introduction)

عزیز طلباء، اس اکائی میں آپ علم سیاسیات کا گہرائی سے مطالعہ کریں گے۔ سیاسیات علم کی وہ شاخ ہے جو سیاسی تجزیہ کے ذریعہ مملکت اور سیاسی اداروں کی ساخت اور طرز عمل کا منظم مطالعہ کرتی ہے۔ یہ ایک تعلیمی مضمون ہے جس کا تعلق انسان کے ہر کام، اداروں، سرگرمیوں جیسے مملکت، حکومت، شہریت اور عوامی امور وغیرہ سے ہے۔

1.1 مقاصد (Objectives)

عزیز طلباء، اس اکائی میں آپ:

- علم سیاسیات کی اہمیت اور تاریخ کو سمجھیں گے۔
- علم سیاسیات کے مفہوم، معنی اور مختلف تعریفوں کا کو سمجھیں گے
- علم سیاسیات کی نوعیت اور دائرہ کار کو سمجھیں گے۔
- علم سیاسیات کے دائرہ کار کو جانیں گے۔

1.2 علم سیاسیات: معنی اور تعریفیں (Political Science: Meaning and Definitions)

1.2.1 - علم سیاسیات کی اہمیت (Importance of Political Science)

علم سیاسیات کی اہمیت جاننے کے لیے ہمیں مندرجہ نکات کا مطالعہ کرنا ہوگا۔

1.2.2 - علم سیاسیات کیوں پڑھیں؟ (Why we study Political Science)

کیا علم سیاسیات کا مضمون کا انتخاب کرتے وقت آپ کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوا تھا کہ میں علم سیاسیات کیوں پڑھوں؟ اس سوال کے ذہن میں آتے ہی دوسرے مختلف سوالات بھی ابھرنے لگتے ہیں جیسے کیا آپ کو سیاست میں دلچسپی ہے؟ کیا آپ سیاست میں قدم رکھنے والے ہیں؟ کیا آپ سیاسی مبصر بننے والے ہیں؟ کیا آپ ملک اور دنیا کے حالات سے پریشان ہیں؟ کیا آپ ایک اچھی حکومت چاہتے ہیں؟ کیا آپ علم سیاسیات اس

لیے پڑھنا چاہتے ہیں کہ اسے آپ اپنا ذریعہ روزگار بنائیں گے؟ علم سیاسیات کا مطالعہ کرنے والے طلباء کے ذہن میں عام طور سے یہ سوالات آتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ علم سیاسیات شروع سے ہی ایک مقبول مضمون رہا ہے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ وہی لوگ سیاسیات کا علم حاصل کرتے ہیں جنہیں یا تو اس میں دلچسپی ہوتی ہے یا وہ کے ذریعہ معاش بنانا چاہتے ہیں بلکہ حکومت کرنے والے منتخب نمائندے، مختلف سیاسی جماعتوں کے سربراہان، کارکنان یا عام سیاسی آدمی بھی سیاسیات کا علم حاصل کرتے ہیں۔ جہاں تک ذریعہ معاش کا تعلق ہے علم سیاسیات کا دامن بہت وسیع ہے۔ علم سیاسیات کی ہی نہیں بلکہ کسی مضمون کا انتخاب کرتے وقت یہ سوال کرنا چاہیے کہ اس مضمون کو ہم کیوں پڑھیں یا اس مضمون کے پڑھنے سے آپ کو کیا حاصل ہوگا۔ اگر آپ کو ان سوالوں کے صحیح جواب مل جاتے ہیں تو آپ کو اپنا مضمون اور اپنا ذریعہ معاش کا انتخاب کرنے میں پریشانی نہیں ہوگی۔

- علم سیاسیات کیوں پڑھیں؟
- کیا آپ کو سیاسی امور میں دلچسپی ہے؟
- کیا آپ کو اپنے مقام اور اطراف کے مسائل اور ان کے حل سے دلچسپی ہے؟
- کیا آپ ایک اچھی حکومت چاہتے ہیں؟
- کیا آپ کو صحت عامہ، ماحولیات اور انسانی حقوق کی فکر ستاتی ہے؟
- کیا آپ دنیا کے حالات سے واقفیت رکھنا چاہتے ہیں؟

1.2.3- آج کے تناظر میں علم سیاسیات پڑھنے کی وجوہات

(Reasons for Studying Political Science in Today's Context)

اگر آپ 25 سے 30 سال پیچھے مڑ کر دیکھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ دنیا اور ہمارے ملک نے اتنی ترقی نہیں کی تھی جتنا کہ اب کی ہے۔ نہ ہی ہمارے مواصلاتی نظام نے اتنی ترقی کی تھی۔ آج ڈیجیٹل ٹیکنالوجی کے دور میں دنیا سکر کر ہماری ہتھیلی میں آگئی ہے۔ گھر بیٹھے ہم پوری دنیا کا حال چند سیکنڈوں میں معلوم کر سکتے ہیں۔ آج زیادہ تر لوگ اسمارٹ فون، کمپیوٹر، لیپ ٹاپ، انٹرنیٹ کا استعمال کر رہے ہیں اور دنیا میں ہونے والی کسی بھی بل چل کی خبر فوراً مل جاتی ہے۔ دنیا اور ہمارے ملک کی ترقی کے ساتھ ساتھ علم سیاسیات کی اہمیت بھی بڑھ گئی ہے کیوں کہ دنیا میں، قومی سطح یا مقامی سطح پر کچھ بھی واقعہ یا حادثہ رونما ہوتا ہے وہ ٹوئٹر، واٹس ایپ، انسٹا گرام، ٹی وی چینلوں پر آگ کی طرح پھیل جاتا ہے ایسے موقعوں پر سیاسی پارٹیاں، پریشر گروپس، کاروباری لوگ اپنے مفاد کے لیے سیاست شروع کر دیتے ہیں۔ عام لوگوں تک نہ جانے کتنی سچی اور جھوٹی خبریں پھیلنے لگتی ہیں، جس سے سماج کے ماحول میں خرابی پیدا ہوتی ہے۔ علم سیاسیات کے ایک اچھے طالب علم کے لیے ضروری ہے کہ وہ ماحول کو خراب ہونے سے بچائے اور مثبت رول ادا کرے۔

1.2.4- علم سیاسیات کی تاریخ (History of Political Science)

علم سیاسیات کی تاریخ کو تین ادوار میں بانٹا جاسکتا ہے۔

(a) قدیم (Ancient)

یوں تو انسان کی پیدائش اور اس کی ضروریات کے ساتھ ہی سیاست کی تاریخ شروع ہو گئی تھی۔ دراصل سیاست کی تاریخ ہزاروں سال پرانی ہے لیکن اس کی باقاعدہ تاریخ ہمیں آج سے تقریباً ڈھائی ہزار سال پہلے آیتھینس سے ملتی ہے۔ اسٹینفورڈ انسائیکلو پیڈیا آف فلاسفی انکشاف کرتا ہے کہ علم سیاسیات کا شعبہ ایک معاشرتی علم ہے جو 2500 سال قبل افلاطون اور ارسطو کی تحریروں سے شروع ہوا۔ جنہوں نے اسے ریاست کا مطالعے کے طور پر بیان کیا اور وہ اپنے شہریوں کی زیادہ سے زیادہ بھلائی میں دلچسپی رکھتے تھے۔ مغرب کے مشہور مفکر افلاطون (Plato) کے استعارات سے شروع ہوئی حالانکہ زیادہ تر مفکرین ارسطو (Aristotle) سے ہی سیاست کی تاریخ کو جوڑتے ہیں کیوں کہ اس نے باقاعدہ سیاست کا مطالعہ کیا تھا۔ ارسطو کے شاگردوں نے ۵۱۰ سے زائد یونانی شہری ریاستوں کا ذکر کیا ہے۔ ارسطو نے اپنے سیاسی نظام کو سمجھانے کے لیے چھ سطحی قسموں کو بیان کیا ہے۔ اس میں حکومت کرنے والا ایک شخص ہو سکتا ہے، کچھ لوگ ہو سکتے ہیں یا بہت سے لوگ ہو سکتے ہیں۔ اگر یہ لوگ عوام کی بھلائی کے لیے کام کرتے ہیں تو اس نے اسے جائز قرار دیا ہے اور اگر وہ لوگ اپنے مفاد کے لیے کام کرتے ہیں تو وہ بدعنوان ہیں۔ جائز طریقوں سے حکومت کرنے والوں میں بادشاہت (Monarchy) یعنی ایک شخص کے ذریعے حکومت، امرا کی حکومت (Aristocracy) یعنی کچھ لوگوں کی حکومت، اور (Polity) بہت سے لوگوں کی حکومت۔ اس کے برعکس بدعنوان شکلیں (Tyranny) یعنی جابرانہ حکومت، (Oligarchy) یعنی مطلق العنان طبقہ امرا کی حکومت اور (Democracy) یعنی جمہوریت۔ ارسطو نے جمہوریت کو سب سے خراب حکومت بتایا تھا۔ اس نے اسے بھیڑ سے مترادف کیا۔ اس نے پولیٹی کو سب سے اچھی حکومت قرار دیا ہے۔ اس کا ماننا تھا کہ اگر حکومت میں متوسط طبقے کی کی شمولیت زیادہ ہوگی تو وہ اچھی حکومت دے سکتے ہیں۔

افلاطون اور ارسطو نے شہری ریاستوں پر زیادہ زور دیا تھا۔ ان کے مطابق اس میں سماج اور سیاسی نظام دونوں شامل ہوتے ہیں۔ ارسطو کے شاگرد سکندر اعظم (323-356 BC) کے زمانے میں اور اس کی موت کے بعد اس کی حکومت مختلف جزلوں میں تقسیم ہو گئی تھی اور اس وقت سماج اور سیاسی نظام الگ الگ ہو گئے۔

اسٹینفورڈ انسائیکلو پیڈیا آف فلاسفی (Stanford Encyclopedia of Philosophy) انکشاف کرتا ہے کہ علم سیاسیات کا شعبہ ایک معاشرتی علم ہے جو 2500 سال قبل افلاطون اور ارسطو کی فکر اور تحریروں سے شروع ہوا۔ جنہوں نے اسے ریاست کا مطالعے کے طور پر بیان کیا اور وہ اپنے شہریوں کی زیادہ سے زیادہ بھلائی میں دلچسپی رکھتے تھے۔

قدیم زمانے میں چین میں کنفیوشس (Confucius 551-479 BC)، ہندوستان میں کوٹلیہ (Kautilya 300 BC) وغیرہ نے بھی سیاست کا تجزیہ کیا۔ سیرو (Cicero 106-43 BC) کا ماننا تھا کہ سب لوگ تہذیبی نقطہ نظر سے برابر ہیں۔ عیسائیت کے شروع کے دور

میں آگسٹین (Augustine 354-430AD) نے دنیا سے زیادہ آخرت کو اہمیت دی۔ بعد میں ارسطو کے فلسفے کو یورپ نے ایک طرح سے بھلا دیا تھا لیکن عرب کے فلسفیوں ابو نصر محمد بن محمد فارابی (al-Farabi 870-950) ابن رشد (Averroes 1126-1198) نے اسے زندہ رکھا۔ ابن خلدون (1332-1406) نے شمالی افریقہ میں عرب سیاست کو متاثر کیا۔

بارہ سو سال کے بعد اسپین نے یورپ میں ارسطو کے خیالات کو پھر اجاگر کیا۔ سینٹ تھامس اکیونس (St. Thomas Aquinas 1224-1274) نے ارسطو کے فلسفے کو اخلاقیات کے لیے استعمال کیا۔ اس نے بادشاہت کی وکالت کی۔ دانٹے (Dante Alighieri 1265-1321) نے ایک بین الاقوامی دنیا حکومت کی بات کی جبکہ مارسیلیس (Marsilius 1280-1343) نے سیکولر قدروں کی وکالت کی اور چرچ کی جگہ ریاست کو قانون بنانے کے اختیارات کی بات کی۔

(b) وسطی: (Middle)

میکاولی (Machiavelli 1469-1527) جدید علم سیاست کا بانی کہلاتا ہے۔ اپنی کتاب پرنس میں اسے فلورینس کے حکمرانوں سے خطاب کیا ہے۔ میکاولی کا فلسفہ وجوہات پر مبنی تھا۔ اس نے شہزادوں کو سیاسی اقتدار حاصل کرنے کے لیے حقیقت پسندانہ مشورے دیے۔ اس نے مارسیلیس کے ذریعے سیاست میں شروع کیے گئے سیکولر ایزیشن کے نظریے کو آگے بڑھایا۔ میکاولی کے مطابق بادشاہ کو لومڑی کی طرح چالاک اور شیر کی طرح طاقت ور ہونا چاہیے۔ تھامس ہابز (Thomas Hobbs 1588-1679) نے بھی طاقت کو اپنے سیاسی تجزیے کا مرکز بنایا۔ اس کے نظریات کے مطابق اپنے تحفظ اور

موت کے خوف سے امن و امان کی زندگی گزارنے کے لیے لوگ متحد ہو کر طاقت کسی ایک خود مختار اتھارٹی یا بادشاہ کے سپرد کر کے ایک سوسائٹی تشکیل کرتے ہیں جس میں ہر ایک کے حقوق اور فرائض کی وضاحت ہوتی ہے۔ اسی طرح ایک اور مشہور فلسفی جان لاک (John Lock 1632-1704) نے انگریزی خانہ جنگی کو بہت قریب سے دیکھا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ لوگ اپنے قدرتی حقوق ”زندگی، آزادی اور جائیداد“ کے تحفظ کے لیے معاشرتی معاہدہ (Social Contract) کرتے ہیں اور اگر حکومت ان کے قدرتی حقوق کے تحفظ میں ناکام رہتی ہے تو اسے ختم کر دینا چاہیے۔ لاک کے خیالات کا امریکہ کی سیاست پر کافی اثر ہوا۔ امریکہ کی آزادی کا مسودہ لکھنے والوں میں سے تھامس جیفرسن (Thomas Jefferson 1743-1826) اس سے بہت متاثر تھے۔ ژان جیکس روسو (John Jacques Rousseau 1712-1778) کے مطابق سماجی معاہدہ ایک سول سوسائٹی کی تشکیل دیتا ہے جس میں افراد مشترکہ طور پر عوامی خواہش کے لیے انفرادی خواہشات کو ترک کر دیتے ہیں۔

مانٹیسکو (Montesquieu 1689-1755) نے جدید تقابلی سیاست کو بڑھاوا دیا۔ انگلینڈ میں آزادی وہاں کی پارلیمنٹ اور بادشاہت کے درمیان اقتدار کی علیحدگی اور توازن پر مبنی ہے۔ امریکہ میں بھی اسی اصول کو اپنایا گیا۔ مانٹیسکو نے حکمرانی کا جدید تجزیہ کیا جیسے جمہوریت خوبی پر مبنی ہے، بادشاہت عزت و احترام پر جبکہ آمریت خوف پر مبنی ہے۔ اس کے تجزیے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حکومتیں طاقت سے نہیں بلکہ

عوامی پالیسیوں سے چلتی ہیں۔ ایڈم اسمتھ (Adam Smith 1723-1790) نے معاشی آزاد خیالی کو بنیاد بنایا۔ اس کے خیال میں ریاستوں کو معاہدوں کے نفاذ تک ہی محدود رہنا چاہیے۔ جبکہ اس کے برخلاف ایڈمنڈ برک (Edmond Burke 1729-1797) نے قائم شدہ اقدار اور اداروں کو معاشرے کا لازمی عنصر قرار دیا۔ اس نے ایک اہم نفسیاتی اور ثقافتی بصیرت کا تعارف کرایا کہ سیاسی نظام زندہ حیاتیات ہیں جو صدیوں پر محیط ہیں۔ ژان بودین (Jean Bodin 1530-1596) نے خود مختاری کا نظریہ پیش کیا جس میں ریاست کو ایک مخصوص علاقے میں قانون کا آخری ذریعہ قرار دیا۔ بودین نے جدید ریاست کی بنیاد ڈالتے ہوئے قومی حکومت کا جواز پیش کیا۔

(c) (عصری: Modern)

اگر عصری علم سیاست کی بات کریں تو اس کی جڑیں ہمیں انیسویں صدی میں ملتی ہیں جب قدرتی علوم کی تیز رفتار نشوونما نے ایک نئی سماجی سائنس کی تخلیق کے لیے جوش و خروش پیدا کیا۔ ان میں کامٹے ڈیسٹ ڈی ٹریسی (Comte Destutt de Tracy 1754-1836) بھی تھے جنہوں نے اپنے سائنسی نظریات کے لیے اصطلاح 'نظریہ' (ideology) کو فروغ دیا۔ تجرباتی تحریک کے اہم رکن ہنری ڈی سینٹ سائمن (Henry de Saint Simon 1760-1825) جو عیسائی سوشلزم کے بانی تھے، کا کہنا تھا کہ اخلاقیات اور سیاست ایک مثبت علوم بن سکتے ہیں۔ فلسفی آگسٹ کامٹے (Auguste Comte 1798-1857) جنہیں سوشیولوجی کا بانی سمجھا جاتا ہے، نے دعویٰ کیا تھا کہ سیاست ایک سماجی طبیعیات بن جائے گی اور معاشی ترقی کے سائنسی قوانین تیار کرے گی۔

انیسویں صدی میں سیاست کے لیے سائنسی نقطہ نظر نے دو الگ الگ خطوط کشیدہ کیے ہیں۔ مورخ اور سائنس داں الیکس ڈی ٹوکیویل (Alexis de Tocqueville 1820-1895) نے امریکہ کی جمہوریت کا تجزیہ کرتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ امریکیوں نے انجمن کے فن کو فروغ دیا اور وہ مساوی گروپ بنانے والے تھے۔

فرانس: 1872 (Ecole Libre des Sciences Politiques) علم سیاسیات کا پہلا مکتب

انگلینڈ: 1895 (London School of Economics and Political Science) کی سنگ بنیاد

آسٹریا: 1912 (First Chair of Politics) آسٹریا ڈیونیورسٹی میں قائم

اشتراکی مفکر کارل مارکس (Karl Marx 1818-1883) اور فریڈرک اینجلز (Friedrich Engels 1820-1895) کے خیالات کے ساتھ ڈی ٹوکیویل کے خیالات کا تضاد ہے۔ انہوں نے ریاست کے مادیت پسندی اور معاشی نظریے کو تسلط کے آلہ کے طور پر فروغ دیا۔ ان کے مطابق رائج اقدار اور ثقافت صرف حکمران طبقے کی نمائندگی کرتی ہے اور بہت جلد یہ صنعتی مزدور طبقے کے ذریعے اقتدار سے ہٹا دیے جائیں گے اور وہ منصفانہ اور یکسانیت کی شکل میں سوشلزم کو قائم کریں گے۔

1872 میں علم سیاسیات کا پہلا مکتب (Ecole Libre des Sciences Politiques) فرانس میں قائم کیا گیا اور 1895 میں انگلینڈ میں لندن اسکول آف اکنامکس اور پولیٹیکل سائنس کی بنیاد رکھی گئی اور سیاست کی پہلی چیئر 1912 میں آکسفورڈ یونیورسٹی میں قائم کی گئی۔ سیاسی ماہر روڈولف کیجیلین (Rudolf Kjellen 1864-1922) نے ریاست کو جغرافیہ کے ذریعے طے شدہ عضوی اور ثقافتی امتزاج بتایا۔ کیجیلین کو جیوپولٹیک کی اصطلاح کا بانی کہا جاتا ہے۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد اس اصطلاح کو کافی اہمیت ملی۔ ماہر عمرانیات میکس ویبر (Max Weber 1864-1920) جس نے مارکس کے خیالات کو رد کر کے ڈی ٹوکیویل سے قربت حاصل کی اور انیسویں اور بیسویں صدی کا ایک اہم سیاسی مفکر بن کر ابھرا۔ مارکس نے پروٹیسٹنٹ ازم کے لیے سرمایہ دارانہ نظام کو مورد الزام ٹھہرایا تھا ویبر نے اس خیال کو مسترد کرتے ہوئے کہا کہ پروٹیسٹنٹ ازم نے سرمایہ دارانہ نظام کو متحرک کیا۔ یہ حقیقت ہے کہ مذہب اور تہذیب سماج کے معاشی ڈھانچے اور سیاسی نظام پر اثر ڈالتے ہیں۔ ویبر نے اختارات کی تین قسموں کو بیان کیا۔ روایتی یعنی بادشاہوں کی طرح، کرسٹائی یعنی رہنماؤں کی خصوصیات جس کی بنا پر وہ عوام کو اپنی طرف کھینچتے ہیں اور عقلی۔ قانونی جو جدید معاشرے کی خصوصیات ہیں۔ ویبر نے بیوروکریسی کا نوکر شاہکی اصطلاح تیار کی۔ اس کے نظریات جس میں ثقافت کو معاشی نمو اور جمہوریت کے ایک اہم وسیلے کے طور پر پیش کیا، آج بھی عصری سیاسی سائنس دانوں کے درمیان اہمیت کے حامل ہیں۔

اس کے علاوہ معاشی اور سیاسی تجزیہ کار والٹر بیگہٹ (Walter Bagehot 1826-1877)، جیمز برائس (James Bryce 1838-1922)، ایک اور سیاسی ماہر موسیٰ او سٹگر سکی (Moisey Ostrogorsky 1854-1919) جنہوں نے جمہوریت اور سیاسی جماعتوں کی تنظیم میں پارٹیوں، انتخابات اور رائے شماری کے مطالعے کا آغاز کیا، ہربرٹ ٹنگسٹن (Herbert Tingsten 1896-1973) نے سماجی گروپوں اور ان کے ووٹنگ کے رجحانات کے مابین روابط استوار کیے۔ یہاں مختصر آسایسی ثقافت کو اس طرح سمجھا جاسکتا ہے کہ کسی ملک یا قوم کی سیاسی نفسیات، اس میں ایک معاشرے سے گہرا لگاؤ اور اس کی دیرینہ اقدار ہیں جو کچھ خاص امور پر رویوں کو ترجیح دیتے ہیں۔

1.2.5۔ علم سیاسیات کے معنی (Meaning of Political Science)

اشتقاقی معنی:

پولیٹیکل سائنس یونانی لفظ پولس (Polis) جس کا مطلب شہری ریاست ہے، یعنی شہروں یا ریاست کے امور کے لیے اور لاطینی لفظ سکا ئیر (Scire) جس کے معنی سائنس یا علم ہے، سے ماخوذ ہے۔ اس لیے علم سیاسیات کا مطلب ہے شہر سے متعلق مطالعہ ہے۔ یونانی اصطلاح پولس کا ترجمہ ”سٹی اسٹیٹ“ کے طور پر کیا گیا ہے۔ اس کا ترجمہ شہر، ریاست یا پولس کے طور پر بھی کیا گیا ہے۔ دراصل آیتھینز اور اسپارٹا جیسی سٹی اسٹیٹس نسبتاً چھوٹی اور مربوط اکائیاں ہوتی تھیں جس میں مذہبی، سیاسی اور ثقافتی امور ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے تھے۔ جدید قومی ریاستوں کے ساتھ ان کی مماثلت کی حدیں متنازعہ ہیں۔

علم سیاسیات کیا ہے؟ (What is Political Science)

علم سیاسیات کا تعلق لوگوں کی عملی کارکردگی سے ہے اس لیے سیاست کو عملی سائنس میں شمار کیا جاتا ہے۔ سیاسی سائنس دان اس کی وضاحت ایک ایسے معاشرتی علم کے طور پر کرتے ہیں جو ریاست کی نوعیت، شکل، مظہر، تنظیم اور ترقی میں ریاست کے منظم مطالعہ سے متعلق ہے۔

ارسطو نے لفظ 'politics' کے لیے لفظ 'politike' کا استعمال کیا جو پولیٹیکل سائنس کے لیے محدود ہے یعنی اس سے علم سیاسیات کا مفہوم واضح نہیں ہوتا ہے۔ پولیٹیکل سائنس علم کی تین شاخوں میں سے ایک ہے۔ ایک غور و فکر کا علم جس میں طبیعیات اور مابعد طبیعیات آتی ہیں جو اپنی خاطر حق اور علم کو تلاش کرتی ہے، دوسرا عملی علم ہے جس کا تعلق اچھے کاموں سے ہے اور تیسرا علم ہے جس کا تعلق شر آوری یا نتیجہ خیز کارکردگی سے ہے۔ کیونکہ علم سیاسیات کا تعلق لوگوں کی عملی کارکردگی سے ہے اس لیے سیاست کو عملی سائنس میں شمار کیا جاتا ہے۔ سیاسی سائنس دان اس کی وضاحت ایک ایسے معاشرتی علم کے طور پر کرتے ہیں جو ریاست کی نوعیت، شکل، مظہر، تنظیم اور ترقی میں ریاست کے منظم مطالعہ سے متعلق ہے۔

سیاست عربی زبان کا لفظ ہے۔ فیروزالغات اور مرکزی اردو بورڈ کی لغت میں اس کے معنی ہیں: بادشاہت کرنے کا طریقہ، نگہبانی، تنبیہ کرنا، لوگوں کو قصور اور جرم کی سزا دینا، دبدبہ، رعب وغیرہ ہیں

ارتقائی، معنی و مفہوم:

ہم نے اوپر علم سیاسیات کی تاریخ بیان کرتے وقت بہت سے مفکرین اور فلسفیوں کے توسط سے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ کس دور میں علم سیاسیات کا مفہوم کیا تھا اور وہ عصر حاضر میں اس کی شکل کس طرح ہم تک منتقل ہوئی۔ یونان جہاں سے اس علم کی شروعات ہوئی وہاں کے عظیم فلسفیوں افلاطون اور ارسطو نے اس کی بنیاد ڈالی۔ اس وقت علم سیاسیات زیادہ تر فلسفے پر مبنی تھا۔ اس وقت علم سیاسیات میں شہروں یا پولس اسٹیٹ کی سیاست ہی شامل تھی۔ ارسطو نے کہا تھا کہ انسان سیاسی حیوان ہے۔ یہ ہم سب جانتے ہیں کہ انسان ضروریات کا پتلا ہے اور شروع سے ہی انسان اکیلا نہیں رہا بلکہ اس کی ضرورتوں نے اسے ایک دوسرے مل کر رہنا سکھایا۔ انسان ایک دوسرے مل کر اس وقت ہی رہ سکتا ہے جب وہ دوسروں کی ضروریات اور خواہشات کو بھی اہمیت دے۔ ظاہر سی بات ہے جب ہم ایک دوسرے کے ساتھ مل کر رہتے ہیں تو ہم اپنی من مانی نہیں کر سکتے ہیں اس لیے ہمیں کچھ ضوابط اور قواعد کا پابند ہونا پڑتا ہے۔ سوال یہ اٹھتا ہے کہ اگر کوئی شخص ان ضوابط و قواعد کی پاسداری نہیں رکھتا یا انھیں نہیں مانتا تو کون اس سے ان کی پابندی کروائے۔ ان ضوابط و قواعد کی پابندی کے لیے حکومتیں وجود میں آئیں۔ استتھیز اور اسپارٹا میں چھوٹے چھوٹے شہر اور ریاستیں تھیں اور ہر شہر ہر ریاست اپنا نظم و نسق دیکھتی تھی جو آج سے قدرے مختلف تھا۔

ہر دور میں علم سیاسیات کا مفہوم بدلتا گیا رومن بادشاہوں کے زمانے میں سیاست کو نئی جہات ملیں۔ اس وقت سیاست کا مطالعہ سلطنتوں اور دیگر حکومتوں کی تاریخ سمجھنے، حکومت کرنے کے طریقوں اور حکومتوں کے طرز عمل کو سمجھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ عام طور سے عہد وسطیٰ میں ریاست کا محور چرچ تھے اور پادریوں کو حکومتوں کو بنانے اور بگاڑنے میں بہت اہمیت حاصل تھی لیکن اس وقت تک علم سیاسیات کا مفہوم وسیع

ہو گیا ہے۔ آج ہم دیکھیں تو سیاسیات سے کوئی بھی پہلو اچھوتا نہیں ہے یعنی اس میں کسی بھی معاشرے، ملک، ریاست کے اندرونی معاملات شامل ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ایک ملک کے دوسرے ملک سے تعلقات، ملکوں ملکوں کے آپس میں تعلقات، جغرافیائی حالات، معاشی حالات، سفارتی تعلقات، فوج، جنگ، ماحولیات، آباد کاری وغیرہ تقریباً ہر بات شامل ہے یعنی آج کے دور میں علم سیاسیات زندگی کے ہر شعبے سے منسلک ہو گیا ہے۔

یہاں ہمیں یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ علم سیاسیات کیا ہے؟ علم سیاسیات مقامی، ریاستی، قومی اور بین الاقوامی سطح پر حکومت اور سیاست کے نظریے اور عمل پر مرکوز ہے۔ آج یہ گھریلو، قومی، بین الاقوامی اور تقابلی نقطہ نظر سے سیاست اور طاقت کا مطالعہ ہے۔ اس میں نظریے، سیاسی نظریات، اداروں، منصوبوں، عمل اور طرز عمل کے ساتھ ساتھ گروہ، طبقات، حکومتوں، ماحولیات، سفارت کاری، قانون، حکمت عملی، تصادم اور دیگر معاملات کو سمجھنا شامل ہے۔ اس میں دیگر علوم کو بھی شامل کیا گیا ہے جیسے سیاسی فلسفہ، سیاسی نفسیات، سیاسی اخلاقیات، سیاسی معاشیات، سیاسی جغرافیہ وغیرہ۔

علم سیاسیات کا بنیادی موضوع مملکت ہے اور یہ علم اس کا احاطہ کرتا ہے۔ مملکت کے بارے جب بھی ہم کچھ معلومات حاصل کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ ریاست کا کوئی ایسا پہلو نہیں ہے جس کا تعلق سیاست سے نہ ہو۔ یہ ہم جانتے ہیں کہ لوگ جس جگہ رہتے ہیں وہاں کچھ نہ کچھ ضروریات اور مسائل ہوتے ہیں۔ یہ ضروریات اور مسائل جگہ جگہ اور لوگوں کے مطابق بدلتے رہتے ہیں۔ ان ضروریات کو پورا کرنے اور مسائل کو حل کرنے کے لیے ہمیں حکومت کی ضرورت ہوتی ہے اور حکومت اسی وقت ان ضروریات کو پورا کرتی ہے اور مسائل کا حل کرتی ہے جب اس کے پاس طاقت ہوتی ہے۔ اگر ہم علم سیاسیات کا تجزیہ کریں تو ہم اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ علم سیاسیات کا مطالعہ مندرجہ ذیل نکات کی بنا پر کیا جاسکتا ہے:-

- ریاست کے مطالعے کے لیے علم سیاسیات: روایتی طور پر علم سیاسیات ریاست کے علم کا مطالعہ ہے۔ بہت سے مفکرین جیسے بلنٹشلی، آر۔ جے۔ گیٹل، جے۔ ڈبلیو گارنر وغیرہ نے علم سیاسیات کو ریاست کے مطالعے کا علم بتایا۔ گارنر کا ماننا تھا کہ علم سیاسیات کی شروعات اور خاتمہ ریاست کے ساتھ ہوتا ہے۔ اگر ہم اپنے ہی ملک کی بات کریں تو ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے ملک کی سرحدوں کے لیے دوسرے ملکوں سے تنازعہ اور اپنے ہی ملک میں مختلف امور کو لیکر اندرونی ریاستوں میں تنازعہ جیسے مختلف ریاستوں میں رہنے والے لوگ اپنے خطے کی الگ ریاست بنانے کے لیے آوازیں اٹھاتے ہیں اور اس طرح کی بہت سی ریاستیں قائم بھی ہوئی ہیں جیسے جھارکھنڈ، چھس گڑھ، اتر کھنڈ، تلنگانہ۔
- حکومت کے مطالعے کے طور پر علم سیاسیات:- پال جینٹ، جارج کیٹلن، ہنس ایلن وغیرہ کا ماننا تھا کہ علم سیاسیات کا تعلق ریاست کے ساتھ حکومت سے بھی ہے۔ پال جینٹ کہتا ہے کہ علم سیاسیات ریاست کی بنیادوں اور حکومت کے اصولوں سے تعلق رکھتی ہے۔ ہمارے ہی ملک میں مرکزی حکومت اور ریاستی حکومتوں میں کسی نہ کسی بات کو لیکر تنازعہ رہتا ہے۔

- طاقت کے مطالعے کے طور پر علم سیاسیات :- بہت سارے مفکرین اس بات کو مانتے ہیں کہ علم سیاسیات طاقت کا مطالعہ ہے۔ ڈیوڈ ایسٹن کہتا ہے کہ طاقت ایک ایسا رشتہ ہے جس میں افراد کا ایک گروہ اپنے اپنے انجام کی سمت میں دوسروں کے اعمال کا تعین کرنے کا اہل ہوتا ہے۔ ہم نے یہ دیکھا ہے کہ جب کسی بھی سیاسی پارٹی کو مکمل اکثریت مل جاتی ہے تو وہ طاقت کا بے پناہ استعمال کرتی ہیں اور عام طور سے طاقت کا استعمال حکمران جماعتیں کرتی ہیں۔
- تنازعات کے حل کے مطالعے کے طور پر علم سیاسیات :- ملر کہتا ہے کہ سیاسی سرگرمی کا مقصد یا تو تبدیلی لانا ہوتا ہے یا تبدیلی کی مزاحمت کرنا ہوتا ہے۔ لوگ اپنی ضرورتوں کے لیے ایک دوسرے کے ساتھ مقابلہ کرتے ہیں۔ جب وسائل محدود ہوتے ہیں اور زیادہ لوگ ان کو استعمال کرنا چاہتے ہیں تو آپس میں تنازعات پیدا ہوتے ہیں اور سیاست ان کو حل کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ سیاسی مفکرین کسی بھی مسئلے یا تنازعے پر اپنی اپنی رائے اور نظریے پیش کرتے ہیں اور وہ حکومتوں کو مشورے دیتے ہیں۔ حکومتیں ان کے مشوروں پر عمل کر کے تنازعات کے حل نکالتی ہیں۔

علم سیاسیات کا استعمال

ریاست کے مطالعے کے لیے

حکومت کے مطالعے کے طور پر

طاقت کے مطالعے کے طور پر

تنازعات کے حل کے مطالعے کے طور پر

1.2.6- علم سیاسیات کی تعریفیں (Definitions of Political Science)

علم سیاسیات کی مندرجہ ذیل تعریفیں بیان کی گئی ہیں۔

- میریم۔ ویبسٹر ڈکشنری کے مطابق: یہ ایک سماجی علم ہے جو خاص طور پر سیاسی، اس میں بھی خاص کر سرکاری اداروں، اور طریقہ کار کے بیان اور تجزیے سے تعلق رکھتی ہے۔

A social science concerned chiefly with the description and analysis of political and especially governmental institutions and processes. (Merriam Webster Dictionary)

- بلمنشیلی کے مطابق علم سیاسیات ایک سائنس ہے جس کا تعلق ریاست سے ہے۔ ریاست کو اس کے لیے لازمی نوعیت، مختلف اشکال، مظاہروں اور ترقی میں سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

Political Science is a science which is concerned with the state, endeavors to understand and comprehend the state in its essential nature, various forms, manifestations, and development. (Bluntschli)

- کارل مارکس کہتا ہے کہ معاشرے میں طاقت کی ایک محدود مقدار ہے، جو ایک وقت میں صرف ایک شخص یا گروہ کے پاس ہو سکتی ہے۔

There is a limited amount of power in society, which can only be held by one person or group at a time. (Karl Marx)

- ارسطو کے مطابق انسان فطری طور پر ایک سیاسی جانور ہے اور وہ، جو محض حادثاتی طور پر نہیں بلکہ فطری طور پر ریاست کے بغیر رہتا ہے تو وہ یا تو انسانیت سے بالاتر ہوتا ہے یا اس سے نیچے ہوتا ہے۔

Man is by nature a political animal and he, who by nature and not by mere accident is without state is either above humanity or below it. (Aristotle)

- ڈیوڈ ایسٹن کے مطابق 'علم سیاسیات معاشرے کے قدروں کے لیے تمکناہ طور پر مختص کیا جاتا ہے'۔
- It is about the authoritative allocation of values for a society. (David Easton)*
- برنارڈ کرک نے دلیل دی ہے، 'سیاست حکمرانی کی ایک الگ شکل ہے جس کے تحت مشترکہ مقاصد کے حصول کے لیے ادارہ جاتی طریقہ کار کی مدد سے اختلافات حل کرنے، متنوع مفادات اور اقدار کی رضا جوئی اور عوامی پالیسیاں بنانے کے لیے لوگ آپس میں ایک ساتھ مل کر کام کرتے ہیں'۔

Politics is a distinctive form of rule whereby people act together through institutionalized procedures to resolve differences, to conciliate diverse interests and values and to make public policies in pursuit of common purposes. (Bernard Crick)

- 'ایڈرین لیفٹ وچ کے مطابق سیاست معاشروں کے اندر اور اس کے مابین باہمی تعاون، گفت و شنید اور تنازعات کی تمام سرگرمیوں پر مشتمل ہے'۔
- 'جس کے تحت لوگ اپنی حیاتیاتی اور معاشرتی زندگی کی تخلیق اور دوبارہ تخلیق کے سلسلے میں انسانی، قدرتی اور دیگر وسائل اور ان کے استعمال کو منظم کرتے ہیں'۔

Politics comprises all the activities of co-operation, negotiation and conflict within and between societies, whereby people go about organizing the use, production or distribution of human, natural and other resources in the course of the production and reproduction of their biological and social life. (Adrian Leftwich)

1.3 علم سیاسیات کی نوعیت (Nature of Political Science)

علم سیاسیات کی نوعیت طے کرتے وقت غور کرنا ہوتا ہے کہ اس علم کا کن کن باتوں اور کن امور سے تعلق ہے۔ سیاست صرف حکومت کرنے کا ایک ادارہ نہیں ہے بلکہ سماج کے مقاصد کو حاصل کرنے کا میکانیکی طریقہ ہے۔ علم سیاسیات ایک سماجی علم ہے جو سیاست کے نظریے اور مشق سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کا تعلق فیصلے لینے کی طاقت کے تعین اور منتقلی سے ہے۔ اس میں حکومت کا نظام اور اس کے مختلف کام شامل ہیں جیسے بین الاقوامی تنظیمیں، سیاسی رویوں، عوامی منصوبے۔ یہ ہم جانتے ہیں کہ علم سیاسیات ایک منظم مطالعے کا نام ہے اور اس میں ہم سیاسی نظریوں، سیاسی اداروں، سیاسی طاقتوں اور سیاسی عمل کو شامل کرتے ہیں۔ یہ بحث شروع سے ہی جاری ہے کہ علم سیاسیات کو کس زمرے میں رکھا جائے۔ اس کے لیے ہم مندرجہ نکات کا مطالعہ کریں گے۔

1.3.1 کیا یہ سائنس ہے (Is it a Science)

اکثر و بیشتر ہر کوئی یہ سوال کرتا ہے کہ علم سیاسیات کیا ایک سائنس ہے۔ اگر ہم اس کے نام پر غور کریں تو اس کو ہم ایک منظم علم کے طور پر استعمال کرتے ہیں حالانکہ تمام مفکرین میں اسے سائنس کہنے کے لیے اتفاق رائے نہیں ہے۔ اس بات کو جاننے کے لیے پہلے ہمیں سائنس کو سمجھنا ہو گا۔

انسان کو پیڈیا برٹیکا کے مطابق سائنس، علم کا کوئی بھی ایسا نظام ہے جس کا تعلق جسمانی دنیا اور اس کے مظاہر سے ہے اور اس میں غیر جانبدار مشاہدات اور منظم تجربہ ہوتا ہے۔ عام طور پر، سائنس میں عام سچائیوں یا بنیادی قوانین کے عمل کو جاننے والے علم کا حصول شامل ہوتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ علم سیاسیات خالص سائنس نہیں ہے لیکن سماجی سائنس ہے۔ جب کسی بھی مضمون کی نوعیت سچائی جاننے اور واقعات، سانحات، امور کی جانچ منظم طرح سے کی جائے تو وہ سائنس کے زمرے میں آجاتا ہے۔ سیاست علم کی منظم شکل ہے۔ کسی بھی معاملے کی سچائی جاننے کے لیے اس کا منظم طور پر جائزہ لیا جاتا ہے، معاملات کی سچائی اور حقیقت جاننے کی کوشش کی جاتی ہے۔ سیاسی معاملات میں بہت سی ایسی باتیں آتی ہیں جن کی غیر جانبدارانہ طور پر جانچ کر کے سچائی جاننے کی کوشش کرنا پڑتی ہے۔ اس طرح علم سیاسیات ایک سائنس ہے۔

1.3.2 کیا یہ فن ہے؟ (Is it an art?)

علم سیاسیات کو فن بتانے یا کہنے سے پہلے یہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ فن ہے؟ فن کی تعریف صدیوں سے فلسفیوں کے مابین بحث کا موضوع رہا ہے۔ فلسفہ جمالیات کا سب سے بنیادی سوال ہے کہ فن کیا ہے۔ اس میں فن کی لازمی طور پر نوعیت اور اس کی معاشرتی اہمیت کو دیکھا جاتا ہے۔ فن میں نمائندگی، اظہار اور قسم شامل ہے۔ ایچ ڈبلیو جانسن نے فن کی تعریف اس طرح کی ہے کہ ہم وقت اور حالات کے تناظر میں فن کا نظارہ دیکھنے سے نہیں بچ سکتے، چاہے ماضی ہو یا حال۔ واقعی یہ دوسری صورت میں کیسے ہو سکتا ہے جب تک کہ ہمارے ارد گرد فن اب بھی تخلیق کیا جا رہا ہے، روزانہ ہماری آنکھیں نئے تجربات کی طرف کھلتی ہے اور یہ ہمیں اپنی نگاہیں اس کے موافق بنانے پر مجبور کرتا ہے۔ فن علم

کے عملی اطلاق کا نام ہے۔ علم سیاسیات سیاست میں علم کا اطلاق ہی نہیں کرتی ہے بلکہ وہ علم کا انسان کے سماجی اور سیاسی معاملات میں بھی اطلاق کرتی ہے۔

1.3.3- سیاست یا علم سیاسیات (Politics or Political Science)

یہ بھی ایک اہم سوال ہے کہ ہم اس علم کو صرف سیاست کا نام دیں یا علم سیاست کہیں۔ افلاطون اور ارسطو نے خاص طور سے اسے سیاست کہا لیکن اس وقت اس کے معنی بہت محدود تھے۔ اس وقت اس علم کا اطلاق یونان کی چھوٹے شہروں اور چھوٹی ریاستوں پر ہوتا تھا۔ عصر حاضر میں اس علم کا مفہوم بہت بدل گیا ہے۔ اس وقت سیاست زندگی کے ہر شعبے شامل ہو گئی ہے اور یہ علم ایک علیحدہ علم کی شکل میں ابھرا ہے۔ آج ہم اس میں ہر اس بات کا مطالعہ کرتے ہیں جس کا تعلق لوگوں کی زندگی، سماج کے ڈھانچے، جنگ اور آباد کاری، بین الاقوامی تعلقات، ماحول کا کردار ارض پر پڑنے والے اثرات اور اس پر سیاست۔ ان تمام باتوں کو مد نظر، علم سیاسیات ہر ایک بات کا گہرائی سے تجزیہ کرتا ہے اور ہر عام و خاص کو سوچنے پر مجبور کرتی ہے۔ اس لیے زیادہ مفکرین کا ماننا ہے کہ آج اس علم کو صرف سیاست نہیں کہہ سکتے بلکہ یہ علم سیاسیات ہے۔

1.4 علم سیاسیات کا دائرہ کار (Scope of Political Science)

1.4.1- دائرہ کار کا مفہوم (Scope and Meaning)

دائرے سے مراد موضوعات یا علم کی حدود ہیں۔ علم سیاسیات کا دائرہ وسیع ہے۔ اس کے دائرے کو لیکر ماہرین میں اختلاف ضرور ہے لیکن کچھ موضوعات ایسے ہیں جن پر سب کا اتفاق ہے۔ کچھ ماہرین نے علم سیاسیات کے میدان کو چار یا پانچ ذیلی مضامین میں تقسیم کیا ہے۔ اس میں سیاسی نظریہ، عوامی انتظامیہ، تقابلی سیاست، بین الاقوامی تعلقات اور عوامی قانون شامل ہیں جبکہ ۸۴۹۱ میں پیرس کانفرنس میں بین الاقوامی پولیٹیکل سائنس ایسوسی ایشن نے سیاسیات کے دائرہ کار کے موضوع پر تبادلہ خیال کیا۔ اس میں سیاسی نظریہ، سیاسی ادارے، سیاسی حرکیات اور بین الاقوامی تعلقات کو سیاسیات کے دائرے میں شامل کیا گیا۔ یہی نہیں بلکہ اب سیاسی معیشت کو بھی اس میں شامل کیا جاتا ہے۔ ان ذیلی میدانوں کے ساتھ ساتھ اقتدار کی منتقلی سے متعلق امور کا مطالعہ سیاسی سائنس دانوں کی اہم غرض ہے۔ پوری دنیا میں سیاسی نظاموں میں ہونے والی تبدیلیوں کے ساتھ ہی علم سیاسیات کے دائرہ کار میں کافی حد تک اضافہ ہوا ہے۔ علم سیاست کا تعلق افراد، افراد کے گروپوں، ایجنسیوں، اداروں، تنظیم اور دیگر سیاسی طرز عمل سے ہے۔ ان تمام میں تبدیلی لازم ہے اسی وجہ سے اس میں ان میں تبدیلی بھی علم سیاسیات کا موضوع ہے۔ علم سیاسیات کے دائرہ کار کی درجہ بندی کو حتمی نہیں سمجھا جاسکتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ کیوں کہ نئے مظاہر اور صورت حال کے ظہور سے حکومت، حکومت اور حکومت کے تعلقات کے فیصلہ سازی کے عمل، سیاست اور حکومت کی طرف لوگوں کا رویہ اور ریاست کے افعال کے بارے میں لوگوں کے نظریات پر اثر پڑے گا۔

علم سیاسیات کا دائرہ کار (Scope of Political Science)

سیاسی نظریہ	سیاسی ادارے	سیاسی حرکیات	بین الاقوامی تعلقات
۱۔ ریاست	۱۔ مجلس قانون ساز	۱۔ سیاسی جماعتیں	۱۔ جغرافیائی حدود
۲۔ حکومت	۲۔ مجلس عاملہ	۲۔ پریشر گروپس	۲۔ جنگ اور امن
۳۔ انصاف	۳۔ عدلیہ	۳۔ انٹریسٹ گروپس	۳۔ ماحولیات
۴۔ آزادی	۴۔ رائے دہندگان	۴۔ رائے شماری	۴۔ کاروبار
۵۔ مساوات	۵۔ عوام انتظامیہ	۵۔ لابیگز	۵۔ معیشت
۶۔ قانون	۶۔ تقابلی سیاسی ادارے	۶۔ سیاسی جماعتیں	۶۔ سفارت کار
۷۔ خود مختاری	۷۔ نشر و اشاعت	۷۔ آپسی تعلقات	۸۔ تقسیم اختیارات
۹۔ حکومت کی قسمیں	۱۰۔ سیاسی ذمے داریاں		

سیاسی نظریے میں علم سیاسیات کے بنیادی نظریات جیسے ریاست، حکومت، انصاف، آزادی، برابری، قانون، مطلق العنانی، قوت کا بٹوارہ، حکومت کی قسمیں، سیاسی پابندیاں وغیرہ کا مطالعہ کرتے ہیں۔ سیاسی اداروں کا تعلق ان اداروں یعنی ریاست اور حکومت، مجلس قانون ساز، مجلس عاملہ، عدلیہ، رائے دہندگان اور انتظامیہ کا مطالعہ شامل ہے۔ سیاسی حرکیات میں وہ طاقتیں اور عمل شامل ہیں جو حکومت اور سیاست جیسے سیاسی جماعتیں، پریشر گروپس، انٹریسٹ گروپس، لابیگز، رائے شماری، نشر و اشاعت وغیرہ۔ جبکہ بین الاقوامی تعلقات میں دنیا کے ممالک کے بیچ تعلقات جس میں کاروبار، ماحولیات، جغرافیائی حدود، جنگ اور امن جیسے میدان شامل ہیں۔

اگر ہم موٹے طور دیکھیں تو علم سیاسیات کے دائرہ کار کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

1۔ ریاست سے متعلق علم سیاسیات کا دائرہ کار:- اس علم سیاسیات میں ہم خاص طور سے ریاست کا مطالعہ کرتے ہیں۔ اس میں ہم ریاست کی موجودہ حیثیت اور شکل کے بارے میں معلومات حاصل کرتے ہیں۔ یہ جاننے کی کوشش کی جاتی ہے کہ ریاست کا نصب العین اور اس کے مقاصد کیا ہیں۔ ریاست نے کن ذرائع کا استعمال کیا ہے۔ مشہور سیاسی مفکر گیل نے اسے ریاست کا تجزیاتی مطالعہ قرار دیا ہے۔ ریاست کی موجودہ صورت حال اور شکل کا انحصار اس کی تاریخ اور ترقی کے مراحل کا نتیجہ پر ہوتا ہے۔ علم سیاسیات ریاست کی ابتدا، ارتقاء اور نظریات کا تاریخی تجزیہ کرتی ہے۔ یہی نہیں اس کا مطالعہ کرتے وقت علم سیاسیات پیش گوئی بھی کرتی ہے کہ ریاست کا مستقبل کیسا ہوگا؟ گیل کا ماننا تھا کہ علم سیاسیات، ریاست کیسی تھی، کی تاریخی تفتیش ہے اور ریاست کیا ہے، کا تجزیاتی مطالعہ اور کیسی ہونی چاہیے، پر سیاسی اور اخلاقی گفتگو ہے۔

2- حقوق انسانی کے حوالے سے علم سیاسیات کا دائرہ کار:- علم سیاسیات کے مطالعے کا یہ ایک اہم پہلو ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ کوئی بھی ریاست یا سماج لوگوں کی عام ضروریات اور خواہشات کی وجہ سے تشکیل پاتا ہے۔ ایک سماج میں رہنے والے تمام افراد اپنی حفاظت، ضروریات اور سماج میں امن کی خاطر اپنے ذاتی مفادات کو سماج کے مفاد پر ترجیح دیتے ہیں اور اس کے بدلے میں سماج، ریاست اور حکومت ان کی حفاظت کی ذمہ داری لینے کے ساتھ ساتھ ان کو کچھ حقوق عطا کرتی ہے جو زندگی گزارنے کے لیے ضروری ہوتے ہیں۔ اس طرح ریاست کے شہریوں کو ان کے شہری، سیاسی اور معاشی حقوق دیے جاتے ہیں۔ یہ تمام حقوق انسانی، حقوق کے دائرے میں آتے ہیں اور ریاست کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ ان کو شہریوں کی فلاح و بہبود کے لیے محفوظ کرے اور ان کی حفاظت کرے۔

3- حکومت کے سلسلے میں علم سیاسیات کا دائرہ کار:- یہ تو آپ جان گئے ہوں گے کہ حکومت کے بنائے ہوئے کسی بھی ریاست کا وجود ناگزیر ہو گیا ہے۔ حکومت ریاست کے کام کرنے کا ایک اہم ادارہ ہے۔ حکومت کے تعلق سے علم سیاسیات کے دائرہ کار میں حکومت کے مختلف اعضاء، سیاسی جماعتیں، مقامی خود مختار حکومتیں، عدلیہ اور بین الاقوامیت شامل ہے۔

1.4.2- علم سیاسیات کے شعبہ جات (Department of Political Science)

یہ بھی ایک اہم سوال ہے کہ ہم سیاسیات میں کن شعبوں کا مطالعہ کریں۔ علم سیاسیات کا دائرہ کار جاننے کے بعد ہم یہ سمجھ سکتے ہیں کہ موٹے طور پر اس کے متن میں کیا شامل کیا جاتا ہے۔ درج ذیل میں اس کا ذکر کیا گیا ہے:-

1- سیاسی نظریہ:- ریاست اور حکومت کی ابتدائی، شکل، طرز عمل اور مقاصد کے نظریات کا مطالعہ سیاسی نظریے میں کیا جاتا ہے۔ اس کو سیاسی فلسفہ بھی کہا جاتا ہے۔

2- حکومت:- اس میں ایک ہی ریاست کے تناظر میں قومی اور مقامی حکومتوں کے ڈھانچے اور افعال کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔

3- عوامی قانون:- ریاستوں، حکومتوں اور افراد کے ایک دوسرے کے تعلقات کی بنیاد پر قانون اور اصولوں کی ضرورت پیش آتی ہے۔ علم سیاسیات اچھے باہمی تعلقات پیدا کرنے کے لیے ان کو اپنے مطالعے کا موضوع بناتا ہے۔

4- تقابلی حکومت:- ریاستوں کی مجلس قانون ساز، مجلس عاملہ، عدلیہ کی مختلف شاخوں کے ساتھ ساتھ ان کے بنیادی قوانین، افعال، سیاسی ثقافتوں اور روایات سے متعلق مماثلتوں اور اختلافات کا تجزیہ علم سیاسیات کے مطالعے کے دائرہ کار میں آتا ہے۔

علم سیاسیات کے شعبے

سیاسی نظریہ-----حکومت

عوامی قانون-----تقابلی حکومت

بین الاقوامی تعلقات-----عوامی انتظامیہ

عوامی منصوبے-----سیاسی حرکیات

سیاسی معیشت-----جغرافیائی سیاست

5- بین الاقوامی تعلقات :- اس کے تحت علم سیاسیات مختلف ملکوں، بین الاقوامی تنظیموں اور بین الاقوامی قوانین کی خارجہ پالیسیوں کا مطالعہ کرتی ہے۔

6- عوامی انتظامیہ :- اس کا حکومت کے اصل انتظامیہ سے تعلق ہے۔ اس میں علم سیاسیات انتظامیہ کے انتظامی امور، حکومت کے اہل کاروں اور انسانی وسائل کے انتظامات، مالیاتی انتظامات، تعلقات عامہ کے انتظامات وغیرہ کا مطالعہ کرتی ہے۔

7- عوامی پالیسی :- اس کا تعلق حکومت کی ان مختلف منصوبوں سے ہے جن کا براہ راست تعلق عوام سے ہے۔ اس میں تعلیم، صحت، روزگار، تحفظ، ماحولیات جیسے اور دیگر شعبہ جات شامل ہیں۔ علم سیاسیات ان منصوبوں کا جائزہ لیتی ہے۔

8- سیاسی حرکیات :- اس میں علم سیاسیات مختلف سماجی قوتوں، سیاسی فیصلوں اور عمل پر اثر انداز ہونے والے عوامل کا مطالعہ کرتی ہے۔

9- سیاسی معیشت :- حکومت اور کاروبار کے تعلقات شامل ہیں۔ اس میں حکومت کے کاروباری دنیا سے ایسے تعلقات کا مطالعہ ہے جس میں ریاست کے معیشت کو متاثر کرنے والے کاموں کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

10- جغرافیائی سیاسیات :- اس میں مقامی اور بین الاقوامی سیاست پر کسی ملک کی آبادی، وسائل، سرحدوں اور جسمانی ماحول کے اثرات کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

1.5 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اس اکائی کے مطالعے کے بعد طلباء اس لائق ہو جائیں گے کہ :

- علم سیاسیات کے معنی اور تعریفیں بیان کر سکیں۔
- علم سیاسیات کے مقاصد بیان کر سکیں۔
- علم سیاسیات کی اہمیت کو واضح کر سکیں۔
- علم سیاسیات کی تاریخ کو واضح کر سکیں۔
- علم سیاسیات کی ارتقائی منازل کو بتا سکیں۔
- علم سیاسیات کے اشتقاقی معنی بتا سکیں۔
- علم سیاسیات کے مفہوم سے بحث کر سکیں۔
- علم سیاسیات کی نوعیت کو سمجھ سکیں۔

- علم سیاسیات کے دائرہ کار کو بیان کر سکیں۔

1.6 کلیدی الفاظ (Keywords)

علم سیاسیات، قدیمی، وسطیٰ اور عصر حاضر کی تاریخ، ارتقائی، معنی و مفہوم، اشتقاقی معنی، تعریف، نوعیت، دائرہ کار، سیاسیات کا متن۔

1.7 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

1.7.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1- علم سیاسیات کی اہمیت کس بات سے ظاہر ہوتی ہے:-

- (a) سچی اور جھوٹی خبریں پھیلانا
(b) سماج میں مثبت رول ادا کرنا
(c) سماج کا ماحول خراب کرنے میں
(d) جنہیں سیاست میں دلچسپی ہوتی ہے۔
- 2- مندرجہ ذیل جملوں کو درست کیجیے:-

- (a) ویبر نے نار تھ افریقہ میں عرب سیاست کو متاثر کیا
(b) ابن خلدون نے جدید تقابلی سیاست کو بڑھاوا دیا
(c) مائیکسکو کو پولیٹک کی اصطلاح کا بانی کہا جاتا ہے
(d) کیجیلین کو جیونے بیورو کریسیکر شاہ کی اصطلاح تیار کی۔

3- سیاسیات کس کی تحریروں سے شروع ہوا۔

- (a) افلاطون
(b) کنفوشیسیس
(c) آگستائن
(d) تھامس اکوئیس

4- سیاسیات کا بانی کون ہے؟

- (a) ارسطو
(b) سقراط
(c) سکندر
(d) ان میں سے کوئی نہیں

5- ہندوستان میں سیاسیات کو شروع کرنے کا سحر کس کو دیا جاتا ہے؟

- (a) منو
(b) کوٹلیہ
(c) چندر گپت موریہ
(d) ان میں سے کوئی نہیں

6- رومن بادشاہوں کے زمانے میں سیاست کا مفہوم کیا تھا؟

- (a) اس وقت علم سیاسیات زیادہ تر فلسفے پر مبنی تھا۔ اس وقت علم سیاسیات میں شہروں یا پولس اسٹیٹ کی سیاست ہی شامل تھی۔
- (b) اس وقت ریاست کا محور چرچ تھے اور پادریوں کو حکومتوں کو بنانے اور بگاڑنے میں بہت اہمیت حاصل تھی۔
- (c) مقامی، ریاستی، قومی اور بین الاقوامی سطح پر حکومت اور سیاست کے نظریے اور عمل پر مرکوز ہے۔
- (d) اس وقت سیاست کا مطالعہ سلطنتوں اور دیگر حکومتوں کی تاریخ سمجھنے، حکومت کرنے کے طریقوں اور حکومتوں کے طرز عمل کو سمجھنے سے تعلق رکھتا تھا۔

7- کس مفکر نے جدید تقابلی سیاست کو بڑھاوا دیا؟

- (a) جان لاک (b) کارل مارکس
- (c) مائیکسکو (d) میکاوی

8- علم سیاسیات ایک فن ہے کیوں کہ :-

- (a) علم سیاسیات ایک سماجی علم ہے (b) سیاست علم کی منظم باڈی ہے
- (c) سیاست علم کا اطلاق کرتی ہے (d) سیاست زندگی کے ہر شعبے میں شامل ہو گئی ہے

9- جدید علم سیاسیات کا بانی کس کو کہا جاتا ہے؟

- (a) میکاوی (b) جان لاک
- (c) تھامس ہابز (d) جان جیکس روسو

10- مندرجہ ذیل کون سا مفکر علم سیاسیات کو طاقت کا مطالعہ تصور کرتا ہے؟

- (a) پال جنٹ (b) جارج کیٹلن
- (c) ہنس ایلن (d) ڈیوڈ ایسٹن

1.7.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. علم سیاسیات کا مطالعہ کیوں ضروری ہے؟
2. عصر حاضر کے تناظر میں علم سیاسیات کی اہمیت کو واضح کیجیے۔

3. عہد وسطیٰ میں علم سیاسیات پر کس طرح کا تصادم تھا؟
4. علم سیاسیات کا دائرہ کار بیان کیجیے۔
5. علم سیاسیات کے شعبہ جات میں سے کنہیں دو کے بارے میں لکھیے۔

1.7.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. علم سیاسیات کے معنی و مفہوم واضح کیجیے۔ علم سیاسیات کے اشتقاقی معنی اور اس کا پس منظر لکھیے۔
2. علم سیاسیات کی معنویت پر ایک تفصیلی نوٹ لکھیے۔
3. کیوں کہا جاتا ہے کہ یونان کے سماجی، سیاسی زندگی پر افلاطون اور ارسطو کے گہرے اثرات ہیں؟

معروضی سوالات کے جوابات:

(b)	-5	(a)	-4	(a)	-3	(a)	-2	(b)	-1
(d)	-10	(a)	-9	(a)	-8	(c)	-7	(b)	-6

اکائی 2- علم سیاسیات: نوعیت، وسعت اور اہمیت

(Political Science: Nature, Scope and Importance)

اکائی کے اجزاء:

تمہید	2.0
مقاصد	2.1
علم سیاسیات کی تعریف	2.2
علم سیاسیات کی نوعیت	2.3
علم سیاسیات کی وسعت	2.4
علم سیاست کی اہمیت اور افادیت	2.5
اکتسابی نتائج	2.6
کلیدی الفاظ	2.7
نمونہ امتحانی سوالات	2.8
معروضی جوابات کے حامل سوالات	2.8.1
مختصر جوابات کے حامل سوالات	2.8.2
طویل جوابات کے حامل سوالات	2.8.3

2.0 تمہید (Introduction)

علم سیاسیات ایک قدیم سماجی علم ہے جس کا آغاز منظم طور سے قدیم یونان میں ہوا اور اس کی بنیاد یونان کے ماہر و مشہور فلسفی ارسطو (Aristotle) نے ڈالی۔ یونان کے ارسطو کے نزدیک انسان ایک سماجی جانور (Social Animal) ہے کیونکہ انسان کی فطرت کچھ اس طرح سے ہے کہ وہ اپنی زندگی تنہا بسر نہیں کر سکتا بلکہ سماج کے بغیر وہ زندہ ہی نہیں رہ سکتا ہے۔ اس لئے کہ انسان اپنی زندگی کی مختلف ضرورتوں و حاجات کو پورا کرنے کے لئے دوسروں کی مدد کا محتاج ہے۔ پیدائش سے لے کر موت تک برابر یہی صورت انسان کے لئے رہتی ہے۔ وہ انسان جو تنہا زندگی بسر کر سکتا ہے ارسطو کے نزدیک یا تو وہ حیوان ہے یا تو خدا۔

اگرچہ سماج (Society) انسان کے لئے ناگزیر اور مجبوری ہے مگر ساتھ ہی یہ بات بھی سچ ہے کہ انسانی فطرت میں شر و فساد بھی ہوتا ہے۔ اس لئے بہت سے ماہرین و مفکرین انسان کی خراب فطرت (Bad Nature) میں یقین رکھتے ہیں جیسے (Hobbes) (and Machiavelli) کے نزدیک انسان فطری طور پر جھگڑالو اور لالچی ہے۔ اس انسانی فطرت سے پتہ چلتا ہے کہ انسان کی بہتر زندگی گزارنے کی جگہ سماج ہے یعنی انسان کے لئے سماج ناگزیر ہے مگر دوسری طرف سے انسان کی خراب فطرت سماج کو ناممکن بناتی ہے۔

اس تضاد کو جو انسانی فطرت میں ہے کیسے روکا جائے اور انسان کی سماجی زندگی کو کیسے ممکن اور بہتر بنایا جائے۔ اس سوال کے جواب میں بہت سارے ماہرین سیاسیات اس نتیجہ پر پہنچے کہ انسان کی سماجی زندگی کے لئے کچھ اصولوں و قواعد کو بنانے اور ان کو نفاذ کرنے کے لئے ایک (Authority) کی ضرورت ہے۔ یہی (Authority) انسان کی سماجی زندگی کو ممکن بناتی ہے کیونکہ جب کوئی منظم اور قاعدگی سے کرنے والی قوت موجود ہو تبھی انسان مل جل کر رہ سکتے ہیں۔ اگر اس قسم کی تنظیم نہ ہو تو ہر طرف گڑبڑ پھیل جائے گی، طاقتور لوگ کمزوروں کو دبا کر رکھیں گے اور سماج میں انسان کو زندگی بسر کرنا دشوار ہوگا۔ اسی لئے ضروری ہوا کہ کوئی ایسی تنظیم قائم کی جائے جو سماج میں نظم و قانون (Law and Order) قائم کرنے اور سب کو اپنی ماتحتی میں رکھے۔ سب پر اپنا حکم چلائے اور اس تنظیم کو کبھی مملکت (State) اور کبھی حکومت (Government) کہتے ہیں۔

2.1 مقاصد (Objectives)

عزیز طلباء، اس اکائی میں آپ:

- علم سیاسیات کی تعریف کو جانیں گے۔
- علم سیاسیات کی نوعیت کو سمجھیں گے۔
- علم سیاسیات کی وسعت کا مطالعہ کریں گے۔
- علم سیاسیات کی اہمیت اور افادیت سے روشناس ہوں گے۔

2.2 علم سیاسیات کی تعریف (Definition of Political Science)

علم سیاسیات ایک ایسا سماجی علم ہے جو اس وقت سے موجود ہے جب سے انسان زمین پر آیا اور ایک سماجی زندگی گزارنا شروع کیا۔ اس علم کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کی نوعیت Dynamic ہے یعنی وقت کے ساتھ ساتھ یہ علم بھی بدلتا اور پروان چڑھتا ہے۔ لہذا ماہرین سیاسیات میں اس بات کا اتفاق نہیں ہے کہ علم سیاسیات کیا ہے؟ لہذا بہت سے ماہرین نے اس علم کی تعریف اپنے وقت اور حالات کے حساب سے کی۔ طلباء کی آسانی کے لئے ہم علم سیاسیات کی تعریفوں کو مختلف ادوار میں تقسیم کر کے سمجھنے کی کوشش کریں گے۔

2.2.1۔ یونان میں علم سیاسیات کا تصور (The Concept of Political Science in Greece)

علم سیاسیات کا آغاز منظم اور سائنٹیفک طور پر یونان میں ہوا جس کی بنیاد ارسطو نے ڈالی۔ قدیم یونان میں ”شہری مملکتیں“ (City-States) ہوا کرتی تھیں۔ جن کو 'Polis' جو ایک یونانی لفظ ہے بھی کہا جاتا تھا۔ آج کے دور کے الفاظ Political, Polity, Politics اسی یونانی لفظ 'Polis' سے ہی ماخوذ ہیں۔ سمندر، پہاڑ، ندیاں اور دوسری قدرتی رکاوٹوں نے ان شہری مملکتوں کو ایک دوسرے سے الگ کر رکھا تھا۔ جس کی وجہ سے یہ شہری مملکتیں سماجی، ثقافتی اور تہذیبی لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف تھیں اور ان شہری مملکتوں میں سب سے ممتاز Athens اور Sparta تھیں خاص کر (Athens) جو علم کا مرکز بنا ہوا تھا۔ ہر ایک (City-State) کی اپنی خاص سماجی زندگی اور تہذیب تھی جس میں سب ادارے ایک دوسرے سے منسلک تھے اور ان اداروں اور ان کے کام کا مقصد صرف انسان کو ایک اچھی اور بہتر زندگی فراہم کرنا تھا۔ چنانچہ قدیم یونان میں علم سیاسیات کا تصور وسیع تھا۔ کیونکہ علم سیاسیات کے دائرے میں نہ صرف عوامی ادارے اور ان کے کام آتے تھے بلکہ انسان کے ذاتی کام اور کوششیں جن کا مقصد ایک ایسا سماج بنانا تھا جس میں انسان ایک اچھی اور بہتر زندگی بسر کر سکتا۔ لہذا قدیم یونان میں علم سیاسیات کے مطالعہ میں نہ صرف سماجی بلکہ انفرادی و ذاتی معاملات بھی آتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ارسطو کی کتاب 'Politics' میں نہ صرف علم سیاسیات سے بحث کی گئی ہے بلکہ معاشی، اخلاقی اور دیگر سماجی علوم کا بھی ذکر ملتا ہے اور اسی لئے (Aristotle) نے علم سیاسیات کو Master Science کہا ہے۔

بدلتے وقت کے ساتھ ساتھ جب (Concept of Specialization) وجود میں آیا تو سماجی اور دیگر علوم میں بھی تبدیلی آئی اور یہ علوم Specialized ہو گئے جیسے قدیم زمانے میں ایک طبیب انسان کے ہر اجزائی اور بیماری کا علاج کرتا تھا۔ مگر آہستہ آہستہ جب میڈیکل سائنس نے ترقی کی تو اس کے نتیجہ میں یہ ہوا کہ آج کے دور میں انسان کے ہر جز اور ہر خاص بیماری کے لئے ایک خاص ماہر طبیب ہے جو اس خاص بیماری کا علاج کرتا ہے، یہی تبدیلی سماجی علوم میں وقوع پذیر ہوئی اور ہر سماجی علم نے ایک خاص دائرہ احاطہ کا تعین کیا جیسے علم معاشیات نے دولت (Wealth) پر زور دیا، Sociology نے سماج کو اپنا مطالعہ بنایا ایسے ہی علم سیاسیات نے مملکت کو اپنا بنیادی مضمون بنایا۔

2.2.2۔ قدیم روایتی تعریفات (Ancient and traditional definitions)

قدیم یونان میں علم سیاسیات کا دائرہ وسیع تھا اور اس میں ہر کام (Activity) آتا تھا مگر قدیم روایتی تعریفات میں یہ دائرہ مطالعہ تنگ ہو گیا جس کی عکاسی مندرجہ ذیل کچھ ماہرین سیاسیات کی تعریفات سے ہوتی ہے۔

گارنر (Garner) کے مطابق ”علم سیاسیات وہ علم ہے جو مملکت (State) سے شروع ہوتا ہے اور اسی پر ختم ہوتا ہے۔“

R.S. Gettel کے نزدیک ”علم سیاسیات مملکت کا علم ہے۔“

گارِس (Garris) کے مطابق علم سیاسیات کا تعلق مملکت کی ابتدائی، ترقی، مقصد اور اس کے سیاسی مسائل سے ہے۔“

Stephon Leacock کے مطابق علم سیاسیات وہ علم ہے جس کا تعلق حکومت سے ہے۔

اوپر دی گئی تعریفات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قدیم دور میں ماہرین سیاسیات علم سیاسیات کو مملکت اور اس کے مختلف اداروں جیسے حکومت، قانون ساز وغیرہ کے مطالعہ کا علم مانتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اس میں مملکت کی ابتدائی وارتقائی کا ذکر ہوتا ہے۔ مملکت کی دوسری مملکتوں سے تعلقات، اس کے مقاصد و اغراض اور فرائض کے بارے میں بحث ہوتی ہے۔ مملکت میں رہنے والے شہریوں کے باہمی تعلقات اور ان کے مملکت کے ساتھ تعلقات کا ذکر ہوتا ہے۔

ان قدیم روایتی تعریفات میں کچھ کمزوریاں اور کمیاں ہیں جیسے انسان کا کہیں ان میں ذکر نہیں ہے بلکہ پورہ زور مملکت کے مطالعہ پر دیا گیا اور ایسا لگتا ہے کہ سماج میں مملکت کے علاوہ اور کوئی تنظیم اور ادارہ نہیں ہے جبکہ سماج میں بہت سی تنظیمیں ایسی ہیں جیسے *Family, Civil Society etc* اور دیگر عوامل جو مملکت پر اثر انداز ہوتی ہیں ان کے مطالعہ کو ان قدیم روایتی تعریفات میں نظر انداز کر دیا گیا۔ لہذا ان خامیوں کو دور کرنے کے لئے علم سیاسیات کو ایک نئے طریقے سے بیان کیا گیا ہے۔

2.2.3- جدید تعریفات (Modern Definitions)

امریکی ماہر سیاسیات Prof. Catlin کے مطابق ”علم سیاسیات انسانی اور سماجی کنٹرول کی سرگرمی کا مطالعہ ہے۔“

H. Lasswell and A. Kaplan کے مطابق ”علم سیاسیات“ طاقت میں حصہ داری اور اس کی بناوٹ“ کا مطالعہ ہے۔“

David Easton کے مطابق ”علم سیاسیات کا تعلق سماج میں اقتدار کے ذریعہ قدروں کی تقسیم کا مطالعہ ہے۔“

Robert Dahl نے بھی علم سیاسیات کو طاقت کا مطالعہ کہا ہے۔

Andrew Heywood کے مطابق ’ ’علم سیاسیات وہ Activity ہے جس کے ذریعہ لوگ قانون بناتے، اس کو محفوظ کرتے ہیں اور کبھی کبھی اس میں ترمیم لاتے ہیں تاکہ ان کی زندگی بہتر ہو۔“

اوپر دی گئی جدید تعریفات یونانی اور قدیمی تعریفات سے مختلف ہیں۔ جو علم سیاسیات کو محض مملکت اور اس کے اداروں کے مطالعہ تک محدود نہیں رکھنا چاہتی ہیں بلکہ سیاست کے عملی پہلوؤں اور سیاسی عمل کے عوامل پر چاہے وہ سماجی، معاشی یا ثقافتی ہو جن کا اثر مملکت اور اس کے اداروں پر پڑتا ہے کو علم سیاسیات کے مطالعہ میں داخل کیا ہے۔ علم سیاسیات کی قدیم تعریفات مملکت اور اس کی سرگرمیوں کے اطراف گھومتی ہیں اور دیگر سیاسی محرکات کو نظر انداز کرتے ہوئے علم سیاسیات کو محض مملکت اس کے مقاصد اور اس کی شکلوں اور ارتقائی کا مطالعہ قرار دیتا تھا۔ لیکن علم سیاسیات کو محض مملکت کے مطالعہ سے جوڑنا زیادہ مناسب نہیں ہے۔ اگرچہ مملکت کا مطالعہ علم سیاسیات کا بنیادی جزو ہے۔ لیکن صرف مملکت کا مطالعہ علم سیاسیات کو ایک جامد مضمون بنا دیتا ہے، جبکہ آج کے دور میں مملکت کی سرگرمیاں نہ صرف بڑھ گئی ہیں بلکہ ان سرگرمیوں کے پیچھے کار فرما عوامل کا مطالعہ بھی اہمیت اختیار کر گیا ہے۔ چنانچہ گذشتہ صدی کی ابتدائی میں امریکہ میں علم سیاسیات کے

مطالعہ کے نئے طریقوں و تعریفات پر زور دیا گیا اور علم سیاسیات کو صحیح معنوں میں سائنس (Science) بنانے کے لئے ایک تحریک شروع کی گئی جس کا نام Behavioral Movement رکھا گیا۔

اس نئی تحریک کے اہم شخصیتوں میں، Charles E. Merriam, Catlin, David Easton, Robert Dahl وغیرہ اہم ہیں۔ اس تحریک کا مقصد علم سیاسیات کے مطالعہ کو نئے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنا اور مطالعہ کے نئے طریقوں کو اپناتے ہوئے علم سیاسیات کو حقیقی معنی میں ایک علم (Science) بنانا تھا۔ چنانچہ اس تحریک نے کسی سیاسی عمل، واقعہ یا رویہ کے مطالعہ میں محرکات و عوامل کے مطالعہ کو اہمیت دی جبکہ قدیمی روایت نے ان چیزوں کو نظر انداز کیا تھا۔

2.3 علم سیاسیات کی نوعیت (Nature of Political Science)

جس طرح ماہرین سیاسیات میں علم سیاسیات کی تعریف پر یکسانیت نہیں پائی جاتی ہے اسی طرح علم سیاسیات کی نوعیت کے متعلق ماہرین سیاسیات اتفاق رائے نہیں پائی جاتی ہیں۔ بعض ماہرین سیاسیات کے نزدیک یہ سائنس (Science) ہے اور بعض کے نزدیک یہ ایک فن (Art) ہے۔ ارسطو (Aristotle) بودان (Bodin) مان تس کیو (Montesquieu) لارڈ براس (Lord Brace) ایسے نامور سیاسی مفکر ہیں جو علم سیاسیات کو سائنس مانتے ہیں ارسطو کے نزدیک پولیٹیکل سائنس (Political Science) ایک مکمل سائنس ہے اور اس کو سب سے بڑی سائنس (Master Science) کا نام دیا اور وہ پہلا شخص ہے جس نے اس کے مطالعہ کے لئے سائنسی طریقوں (Scientific Methods) کا استعمال کیا ہے یہی وجہ ہے کہ وہ بائی پولیٹیکل سائنس قرار پایا کہ اس کا استاذ افلاطون (Plato) سائنس اس علم کو کہتے ہیں جو ہم مشاہدوں اور تجربوں سے حاصل کرتے ہیں پھر اس کی بنا پر کچھ اصول بناتے ہیں اور ان کی روشنی میں پیش گوئی کرتے ہیں۔ لارڈ برانس (Lord Bryce) کے نزدیک پولیٹیکل سائنس ان معنوں میں سائنس ہے کہ انسانی رجحانوں کے جھکاؤ میں یکسانیت اور تسلسل پایا جاتا ہے۔ قوموں کی درجہ بندی کی جاسکتی ہے اور انہیں ایک دوسرے کے ساتھ مربوط کیا جاسکتا ہے۔ پولیٹیکل سائنس میں ایک تحریک چلی جس کا مقصد اس علم سیاسیات کو سائنس بنانا تھا اور اس تحریک کو Behavioral Movement کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس نے مطالعہ کے نئے طریقوں کو اپناتا کہ علم سیاسیات کو حقیقی معنوں میں سائنس بنایا جائے۔ بعض مفکرین اس بات سے اتفاق نہیں رکھتے ہیں کہ پولیٹیکل سائنس سائنس ہے بلکہ ان کے نزدیک پولیٹیکل سائنس ایک فن (Art) ہے اور فن کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ صحیح راہ عمل پیش کرتا ہے اور عملی پہلو پر زیادہ زور دیتا ہے۔ اس میں محض اصولوں کا جاننا کافی نہیں ہے بلکہ ان پر عمل کرنا زیادہ ضروری ہے۔ لہذا ان ماہرین کے نزدیک پولیٹیکل سائنس ایک آرٹ ہے کیونکہ اس میں قطعی اصول نہیں پائے جاتے ہیں جن کی بنائی پر کوئی پیش گوئی کی جاسکتی۔ مثال کے طور پر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا ہے کہ فلاں ملک میں کس وقت سیاسی انقلاب برعکس طبعی سائنسوں (Physical Sciences) یعنی فزکس، کیمسٹری وغیرہ جو اصول ہوتے ہیں وہ بالکل قطعی ہوتے ہیں ان اصولوں کو تجربوں کے ذریعہ بنایا جاتا ہے اور ان ہی کے ذریعہ انہیں غلط ٹھہرایا جاسکتا ہے۔ ان تمام وجوہات کی بنائی پر علم سیاسیات کو سائنس سے زیادہ ایک فن سمجھا جاتا ہے۔ افطون (Plato) کے مطابق یہ علم سیاسیات ایک فن ہی ہے

جس طرح ایک بہتر ہنرمند ہی کسی چیز میں جان ڈال سکتا ہے۔ اسی طرح ایک فلسفی حکمران (Philosopher-King) ہی بہتر حکمرانی کر سکتا ہے۔ لیکن ان باتوں کے باوجود علم سیاسیات کو سائنس کہا جاسکتا ہے کیونکہ ماہر سیاسیات سیاسی زندگی سے متعلق پہلے سب واقعات کا مطالعہ کرتا ہے پھر اس مطالعہ سے جو نتیجے نکلتے ہیں ان کو اصول کے طور پر مرتب کرتا ہے اور یہی طریقہ سائنس کا بھی ہے۔ مثال کے طور پر ارسطو نے اپنے زمانے میں 158 مختلف دستور (Constitutions) کا مطالعہ کیا تھا اور اس کی بنائی پر اس نے دنیا کو یہ بتایا کہ انقلاب کن وجہوں سے وقوع پذیر ہوتا ہے اور کن طریقوں سے اس کو روکا جاسکتا ہے۔

اوپر کی بحث سے یہ بات ظاہر ہے کہ ماہرین سیاسیات علم سیاسیات کی نوعیت میں اتفاق رائے نہیں رکھتے ہیں۔ بعض کے نزدیک یہ ایک سائنس ہے اور بعض کے نزدیک یہ ایک فن ہے۔ لیکن جائزہ لینے کے بعد یہ بات صاف ہوتی ہے کہ یہ دونوں نظریے مکمل نہیں ہیں اور دونوں میں کچھ خامیاں ہیں۔ لہذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ علم سیاسیات کو سونی صدی سائنس نہیں مانا جاسکتا ہے۔ کیونکہ اس کا تعلق براہ راست انسانوں سے ہے۔ جن کی فطرت پیچیدہ ہے جس کی وجہ سے لوگوں کے جذبات اور احساسات میں بہت اختلاف ہوتا ہے۔ ان باتوں کی وجہ سے لوگوں کی سیاسی زندگی کے بارے میں پیش گوئی کرنا ایسے اصول بنانا جو ہمیشہ صحیح ہوں ناممکن ہے۔ اس کے برعکس Physical Sciences کا تعلق بے جان چیزوں سے ہوتا ہے اور ان کی نوعیت (Nature) میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہوتی اسی لئے ان میں دائمی قانون بنائے جاسکتے ہیں۔ دوسری طرف سے کچھ ماہرین اس کو فن مانتے ہیں۔ حکومت چلانا یقیناً ایک فن ہے لیکن اس فن کو سیکھنا ایک اصولی سائنس سے کم نہیں ہے اور یہ فن انسان اس وقت سیکھ سکتا ہے جب وہ سماجی زندگی کو ایک تجربہ گاہ سمجھے۔ ہر نیا قانون، ہر نئی سیاسی پارٹی، ہر نئی سیاسی تحریک انسان کو تجربہ فراہم کرتی ہے جس سے اس کو پتہ چلتا ہے کہ ان کا سماج پر کیا اثر پڑا۔ پھر ان کی چھان بین کر سکتا ہے اور اصول سیاسیات مرتب کر سکتا ہے۔ دوسری طرف سے گذشتہ ایک صدی کے دوران علم سیاسیات کے مطالعہ کے طریقوں (Methods of Political Science) میں کچھ تبدیلی آئی ہے جس کے نتیجے میں اب ماہرین سیاسیات اس کو اصولی طور پر ایک سائنس تسلیم کرتے ہیں۔ علم سیاسیات کی کئی ذیل شاخیں (Sub-disciplines) وجود میں آئی ہیں جیسے Public Administration, International Relations جنہیں اب باضابطہ ایک علم سمجھا جاتا ہے۔

2.4 علم سیاسیات کی وسعت (Scope of Political Science)

کسی بھی علم کو اس کے دائرہ احاطہ (وسعت) سے جانا جاتا ہے جیسا کہ ہمیں پتہ ہے کہ علم سیاسیات ایک Dynamic علم ہے اس لئے وقت کے ساتھ ساتھ اس کے دائرہ مطالعہ میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ قدیم یونان میں یونانی فلسفیوں جیسے افلاطون و ارسطو نے مملکت اور اس کے تمام اداروں اور ان کے کام اور اس کے ساتھ ساتھ ہر فرد کا کام جو سماجی زندگی کو بہتر و اچھا بنانے میں مددگار ہو۔ علم سیاسیات کے دائرہ مطالعہ میں لایا۔ یعنی علم سیاسیات نے دونوں انفرادی اور سماجی زندگیوں کو اپنے احاطہ میں لایا۔ اس سے یہ بات بھی پتہ چلتی ہے کہ قدیم یونان میں علم سیاسیات کا دائرہ مطالعہ بہت وسیع تھا جس میں ہر کوئی ایسا کام آتا تھا جس کا مقصد انسان کو ایک اچھی اور بہتر زندگی فراہم کرنا تھا۔ لیکن بعد میں

ماہرین سیاسیات نے علم سیاسیات میں اداروں پر زور دیا جیسے مملکت، حکومت، پارلیمنٹ کا مطالعہ۔ اس سے علم سیاسیات کی وسعت میں کمی آئی۔ لیکن بعد میں جدید ماہرین سیاسیات نے علم سیاسیات کی وسعت میں اضافہ کیا ان کے نزدیک علم سیاسیات صرف حکومت کے اداروں کا مطالعہ نہیں ہے بلکہ ان سارے عوامل (Factors) کا مطالعہ ہے جو حکومت کے فیصلوں اور اداروں پر اثر انداز ہوتے ہیں اس لئے انہوں نے انسان کے Behavior پر زور دیا اور دوسرے نئے مضامین جیسے (Gender) نسل (race)، ذات (Class)، ماحولیاتی (Environmental)، انسانی حقوق (Human rights) اور دوسرے عوامل کو علم سیاسیات کے احاطہ میں لانے پر زور دیا۔ 1948 میں اقوام متحدہ (United Nations) کے ادارہ یونیسکو (UNESCO) نے ایک کمیٹی (Committee) تشکیل دی جس کا کام علم سیاسیات کی وسعت کو متعین کرنا تھا۔ اس کمیٹی کی رپورٹ کے مطابق علم سیاسیات کی وسعت سیاسی نظریہ (Political Theory) حکومت (Government) جماعتیں اور گروہ (Parties and Groups) بین الاقوامی تعلقات (International Relations) بین الاقوامی قانون (International Law) بین الاقوامی جماعتیں (International Organisations) اور رائے عامہ (Public Opinion) پر مشتمل ہے۔

علم سیاسیات کی وسعت کا جائزہ لیتے وقت اس بات کو بھی ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ اکثر قدیم مفکرین نے سیاست (Politics) اور علم سیاسیات (Political Science) میں فرق نہیں کیا تھا۔ چنانچہ اس سطور کی مشہور تصنیف کا نام بھی 'Politics' ہی ہے۔ Harold Laski کی مشہور کتاب کا نام 'A Grammar of Politics' ہے۔ ایسے ہی کچھ یونیورسٹیوں میں شعبہ سیاسیات کے لئے Politics کا لفظ استعمال کیا گیا جیسے ممبئی یونیورسٹی میں Department of Civics and Politics لفظ استعمال کیا گیا ایسے ہی کچھ یونیورسٹیوں میں شعبہ سیاسیات کے لئے Political Science کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جیسے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں Department of Political Science ہے ایسے ہی London School of Economics and Political Science ہے۔ لہذا اس سے یہ بات واضح ہوئی کہ ماہرین سیاسیات میں علم سیاسیات کے نام پر بھی اتفاق نہیں ہے۔

جدید ماہرین سیاسیات نے دونوں الفاظ میں فرق کیا۔ ان کے نزدیک پالیٹکس (Politics) کا لفظ عملی سیاسیات ہے۔ اس کو مملکت کے روزمرہ کے مسئلوں کے بارے میں استعمال کیا جاتا ہے۔ مثلاً حکومت کی کسی پالیسی کی مخالفت میں مظاہرے ہونا۔ سیاسی پارٹیوں کی طرف سے مختلف ہتھکنڈوں کا استعمال کرنا تاکہ وہ الیکشن جیت جائے۔ یہ سب پالیٹکس کے دائرے میں آتا ہے۔ اسی عملی سیاسیات کی وجہ سے لوگ سیاست سے بدظن ہوئے کیونکہ لوگوں کا خیال ہے کہ سیاست مفادات و خواہشات کو پورا کرنے کا ذریعہ ہے۔ اس خود غرضی کی روش سے لوگ سیاست سے اکتانگے اور یہ عام سی بات ہو گئی کہ مجھے سیاست میں کوئی دلچسپی نہیں ہے کیونکہ لوگوں کا ماننا ہے کہ سیاست سے لوگوں کو کوئی فائدہ نہیں ہے بلکہ صرف سیاسی جماعتوں اور ان کو چندہ دینے والے بڑے بڑے تجارت کار ہی فائدہ ہے۔

پولیکل سائنس اور پالیٹکس میں وہی فرق ہے جو ماہر سیاسیات اور سیاست داں میں ہے۔ سیاست داں وہ شخص ہے جو اپنا سیاسی اقتدار حاصل کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش کرتا ہے اور اپنی پارٹی کو اقتدار لانے میں ہر طرح کی جدوجہد کرتا ہے۔ اس سے اس کو کوئی غرض نہیں ہے کہ

مملکت کیسے وجود میں آیا اس کے کیا اغراض و مقاصد ہیں۔ حکومت کو کن اصولوں کے تحت کام کرنا چاہیئے۔ سماج میں کیسے انصاف و مساوات کو قائم کیا جائے۔ ان سب چیزوں کی واقفیت رکھنا ماہر سیاسیات کا کام ہے۔

ذیل میں ہم علم سیاسیات کی وسعت کا جائزہ لیں گے۔

2.4.1۔ مملکت اور حکومت کا مطالعہ (Study of State and Government)

یونانی اور قدیم تعریفات میں علم سیاسیات کو بنیادی طور پر مملکت اور حکومت کا مطالعہ سمجھا جاتا تھا۔ اس میں مملکت کا ارتقائی، اغراض و مقاصد، اس کو بہتر بنانا اور دیگر پہلوؤں پر بحث کی جاتی ہے۔ افلاطون سے بہتر مملکت کی تلاش میں مثالی مملکت (Ideal State) کا خاکہ پیش کیا تھا جبکہ ارسطو نے حکمرانوں کی تعداد اور ان کے مقاصد کی بنیاد پر حکومتوں کی درجہ بندی (Classification of Governments) کی تھی۔ گارز نے بھی کہا کہ علم سیاسیات مملکت سے شروع ہوتا ہے اور اسی پر ختم ہوتا ہے۔ تب سے لے کر آج تک مملکت کی مختلف شکلیں (Forms of State)، اس کے دائرہ عمل، اس کے مقاصد کے ساتھ ساتھ حکومت کی قسموں اور حکومت کو کیسے بہتر بنایا جائے وغیرہ امور پر بحث کی جاتی ہے۔

2.4.2۔ انجمنوں اور اداروں کا مطالعہ (Study of Associations and Institutions)

انسان ایک سماجی جانور ہے۔ لہذا اس کی سماجی زندگی مختلف انجمنوں اور اداروں کا تقاضہ کرتی ہے۔ انسان اپنی زندگی کا آغاز خاندان سے کرتا ہے جو اس کی پہلی انجمن ہے جب کہ وہ بڑا ہوتا ہے تو اسکول جانا ہے جو کہ اس کا دوسرا ادارہ ہے ایسے ہی جب وہ بڑا ہوتا جاتا ہے تو اپنی ضروریات و حاجات کو پورا کرنے کے لئے وہ دوسری انجمنوں و اداروں سے منسلک ہو جاتا ہے اور ان انجمنوں میں سب سے بڑی انجمن مملکت ہے۔ مملکت کے ارتقائی میں ان اداروں و انجمنوں کا بڑا رول رہا ہے جو کہ ارسطو کی کتاب Politics کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ یہ سب انجمنیں و ادارے جیسے طلبہ کی یونین، ٹریڈ یونین، کسانوں کے گروہ وغیرہ وغیرہ سیاسی اہمیت رکھتی ہیں کیونکہ یہ مملکت پر اثر انداز ہوتے ہیں اور دوسرے عوامل جیسے ذات، مذہب، خونی رشتہ وغیرہ کا مطالعہ بھی آج کل علم سیاسیات میں اہمیت رکھتا ہے۔ کیونکہ یہ سب مملکت پر اثر انداز ہوتے ہیں لہذا علم سیاسیات ان تمام اداروں و انجمنوں کا مطالعہ کرتی ہے۔

2.4.3۔ خارجہ پالیسی اور بین الاقوامی تعلقات کا مطالعہ

(Study of Foreign Policy and International Relations)

خارجہ پالیسی اور بین الاقوامی تعلقات کا مطالعہ گزشتہ ایک صدی کے دوران علم سیاسیات کا ایک لازمی جزو بن گیا ہے۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد بہت سے نئے ممالک وجود میں آئے اور دنیا میں امن قائم کرنے کے لئے عالمی تنظیموں جیسے اقوام متحدہ اور علاقائی تنظیموں جیسے یورپین یونین کو تشکیل دیا گیا ہے۔ ان عالمی اداروں اور تنظیموں کا مطالعہ اہمیت اختیار کر گیا کیونکہ انہوں نے کچھ قوانین بنائے جس کی روح میں دنیا کے ممالک کو ایک دوسرے سے پیش آنا چاہیے اسی طرح مختلف ممالک کی خارجہ پالیسیاں بھی علم سیاسیات کے مطالعہ کا جزو بن گئی کیونکہ عالمی

اداروں اور ممالک کی خارجہ پالیسیوں کا تعلق براہِ راست عالمی امن سے ہے۔ اس عالمی امن کے لئے جو بھی خطرات دنیا میں وقوع پذیر ہوتے ہیں علم سیاسیات ان کا بھی مطالعہ کرتی ہے۔

2.4.4۔ عوامی پالیسی کا مطالعہ (Study of Public Policy)

دورِ جدید میں عوامی پالیسی کے مطالعہ نے علم سیاسیات میں اہمیت حاصل کی۔ حکومت جو کچھ کرتی ہے یا نہیں کرتی ہے اس کو عوامی پالیسی کہتے ہیں۔ عوامی پالیسی کی تشکیل، نفاذ اور اس کا جائزہ وغیرہ سیاسیات کے مطالعہ میں شامل کیا گیا۔ آج یورپ و امریکہ میں علم سیاسیات کا دوسرا نام عوامی پالیسی (Public Policy) ہے۔ Charles Lindblame, David Easton وغیرہ نے علم سیاسیات کو پالیسی سائنس (Policy Science) قرار دیا ہے۔

حکومت کی کئی اسکیمات اور پالیسیاں سے غذا برائے کام (Food for work) وغیرہ پالیسیوں کا مطالعہ عوامی پالیسی کا مطالعہ کہلاتا ہے۔

2.4.5۔ طاقت، اقتدار اور اثر و رسوخ کا مطالعہ

(Study of the Concepts of Power, authority, and influence)

دورِ جدید میں ماہرین سیاسیات خاص کر امریکی ماہرین سیاسیات نے علم سیاسیات کو طاقت کا مطالعہ قرار دیا ہے جیسے Laswell, Robert Dahl سیاسیات کو طاقت کا مطالعہ کہتے ہیں۔ یعنی علم سیاسیات طاقت و اقتدار کی حصول کا مطالعہ ہے۔ Hans. J Morgenthau جو بین الاقوامی سیاسیات کا ماہر ہے نے بھی سیاست کو طاقت قرار دیا ہے۔ دوسرے لفظوں میں علم سیاسیات ہمیں یہ بتاتا ہے کہ طاقت کیا ہے اور اس کو کیسے حاصل کیا جائے کیسے برقرار رکھا جائے اور اس کو کیسے استعمال کیا جائے۔ علم سیاسیات کے اس نئے تصور نے اس کی وسعت میں اضافہ کیا اور نئے نئے تصورات علم سیاسیات میں شامل ہو گئے۔ جیسے سیاسی سماجیانہ (Political Socialisation) سیاسی تمدن (Political Culture) سیاسی شرکت (Political Participation) اور نئے نئے جماعتیں اور گروہ جیسے مفاد اور پریشر گروپ (Interest and Pressive Groups)

2.5 علم سیاسیات کی اہمیت (Importance of Political Science)

علم سیاسیات اجتماعی فیصلوں اور ثقافتوں اور اداروں میں سرایت رکھنے والے لوگوں کے گروپوں کے ذریعہ کیے گئے اجتماعی فیصلوں اور ان کے افعال کا مطالعہ ہے جو اقتدار اور اختیار کو تشکیل دیتے ہیں۔

- قدیم یونانیوں سے لے کر آج تک اور اُس آگے
- شہروں کے چھوٹے گروہ سے ممالک تک اجتماعی فیصلوں اور عالمی طرزِ حکمرانی کا تمام راستہ
- انتہائی مایوس کن حکومتوں سے جدید اجتماعی جمہوریت تک سیاسی تنظیموں کی بہتر شکلوں کے نظریات

- ذاتی اور خود غرض فیصلوں سے لیکر اجتماعی اور فلاحی سوچ تک
- سیاسی استحکام سے لے کر انتہا پسندانہ کی طرف فدا ر ی تک

سیاسی سائنس دان واقعات، نمونوں اور سیاست اور حکومت کے ڈھانچے کو سمجھنے، اس کی ترجمانی، وضاحت اور تنقیدی اندازہ لگاتے ہیں اور پالیسی سازوں، ان کے ساتھی شہریوں اور عالمی برادری سے مطابقت کے مشاہدے پیدا کرتے ہیں۔

علم سیاسیات کا دائرہ وسیع ہے، اور اس کی بڑی اہمیت ہے۔ حالیہ برسوں میں، اس کی اہمیت کئی گنا بڑھ گئی ہے۔ انسان ایک سیاسی مخلوق ہے، اور اپنی زندگی کے تمام شعبوں میں وہ بالواسطہ یا بلاواسطہ سیاست سے متاثر ہے۔ متعدد وجوہات کی بناء پر، پولیٹیکل سائنس کا مطالعہ معاشرتی بہبود اور ترقی کے لئے ناگزیر ہو گیا ہے۔ پولیٹیکل سائنس کی اہمیت اس حقیقت میں مضمر ہے کہ ہم سب سیاسی نظاموں کے اندر رہتے ہیں اور ہم عالمی سیاسی معیشت میں ہونے والی تبدیلیوں سے متاثر ہیں۔ عالمگیریت کی آمد کے ساتھ ہی، دوسرے ممالک کے سیاسی نظام کو سمجھنے میں دنیا کے لوگوں کی دلچسپی میں یکساں اضافہ ہوا ہے۔ لہذا، سیاسی سائنس دان قابل قدر اور اہم بن جاتے ہیں کیونکہ وہ عینک مہیا کرتے ہیں جس کے ذریعے ہم داخلی سیاست اور معیشت کے ساتھ عالمی سیاسی معیشت کو بھی سمجھ سکتے ہیں۔ علم سیاسیات کی اہمیت اور افادیت کو ہم مندرجہ ذیل نکات میں پیش کر سکتے ہیں:

1- مہذب وجود کے لئے ضروری

علم سیاسیات کا مطالعہ ایک فرد کو مہذب اور مہذب معاشرے کی ضروریات سے واقف کرتا ہے۔ یہ ہمیں انسانی سیاسی ارتقاء کی جانکاری فراہم کرتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ اُسکے عروج و زوال کی بھی داستان بیان کرتا ہے۔ اُسکے مطالعے سے ہم ایک مہذب سماج کی تشکیل میں اپنی کردار بخوبی نبھاتے ہیں۔

2- حقوق اور فرائض کے بارے میں معلومات فراہم کرنا

ہر شہری، خاص کر جمہوریت میں حقوق اور فرائض کے بارے میں جاننا چاہتا ہے۔ پولیٹیکل سائنس میں ہی ان حقوق اور فرائض کے سارے پہلو کی جانکاری ملتی ہے۔ اس فن کے مطالعے ہمیں علم ہوتا ہے کہ فرد، سماج اور ریاست کے تئیں ہمارا کیا فرض ہے۔ یہ ہمیں یہ بھی بتاتا ہے کہ ہمیں سماج اور ریاست سے کیا کیا حقوق حاصل ہیں۔

3- سیاسی تعلیم مہیا کرتی ہے

علم سیاسیات کا مطالعہ شہری کو سیاسی تعلیم مہیا کرتا ہے تاکہ وہ ایک نئے تناظر میں قومی مسائل کو سمجھ سکے۔ یہ ہمیں ایک ایسے شہری کے طور پر تیار کرتا ہے جو ملک و سماج کے منفرد مسائل کی سیاسی سمجھ کے ساتھ ساتھ اسکے حل کا بھی مادہ رکھتا ہو۔ ہمیں اس بات کی بھی تعلیم دیتا ہے کہ ملک اور اُس کے مختلف ادارے کو کیسے چلایا جائے تاکہ ہمارے ملک اور سماج کی ہمہ گیری ترقی ہو۔

4۔ نظریات کا علم فراہم کرتا ہے

سیاسیات کا مطالعہ جمہوریت، سوشلزم، کمیونزم، نازم، فاشزم، وغیرہ جیسے مختلف مابعد نظریات کا وسیع علم مہیا کرتا ہے۔ اس علم کے ذریعہ ہم مختلف نظریات کا تقابلی مطالعہ کر اسکے نفع و نقصان کو سامنے لاتے ہیں تاکہ ہم اپنے سماج اور ملک کے لئے بہتر سے بہتر سیاسی نظام کو اپنا سکیں۔

5۔ سیاسی رہنماؤں اور بیوروکریٹس کے لئے مفید علم

حکومت کے کام کو موثر انداز میں جاری رکھنے کے لئے سیاسی رہنماؤں اور سول سرورینٹ کے لئے سیاسی سائنس کا علم بہت ہی مفید ہے۔ آئین کا علم ہر ایک کے لئے ضروری ہے تاکہ وہ حکومت کے کام کرنے میں بہتر کردار ادا کرے۔ اس علم کے ذریعہ ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ملک اور اسکے مختلف ادارے میں ہم کون سا کردار ادا کر سکتے ہیں، ہم اپنے آپ کو کس جگہ فٹ کر سکتے ہیں تاکہ ملک و قوم کو ہم سے زیادہ سے زیادہ فائدہ کو پہنچے۔

6۔ سیاسی طاقت کو سمجھنے کے لئے

علم سیاسیات شہریوں کو سیاسی طاقت کے تصور کو سمجھنے میں مدد دیتی ہے۔ حکومتیں کیسے کام کرتی ہیں۔ پالیسیوں کے پیچھے کیا مفاد اور قوتیں ہیں۔ ان کے منتخب نمائندے کون ہیں اور ان کا کیا موقف ہے۔ ملک کے مختلف ادارے کیسے کام کرتے ہیں۔ کس ادارے کا کیا اختیارات ہیں۔ سیاسی طاقت کا مخزن اور مرکز کہاں ہے۔

7۔ انسانی فلاح و بہبود کو فروغ دینے کے لئے

عہد حاضر میں علم سیاسیات اس حقیقت کو مضر قرار دیتی ہے کہ وہ معاشی ترقی کے حالات پیدا کرتا ہے کیونکہ یہ انسانی فلاح و بہبود میں دلچسپی کے ذریعہ محرک ہے۔ سیاست کا اصل مقصد فرد کے مابین، ملک کے مابین، اداروں کے مابین، سرکاروں کے مابین پیدا شدہ تنازعات کو دور کرنا ہے۔ چاہے وہ مقامی سطح پر ہو یا بین الاقوامی۔ اس طرح وہ انسانی فلاح و بہبود کے لئے ہمیشہ کوشاں رہتا ہے۔ مختلف نظریات کا تقابلی مطالعہ بھی اس بات کی عکاسی کرتا ہے کہ یہ فن ہمارے لئے بہتر سے بہتر نظریات کو سامنے لاتا ہے۔

8۔ سیاست آپ کو اپنے حقوق جاننے میں مدد فراہم کرتی ہے

علم سیاسیات نے ہمیں اپنے ابتدائی یقین، کہ ہمارے ملک کی دوڑ میں ہماری کوئی حقیقت نہیں ہے، سے آگے دیکھنے کی اجازت دیتی ہے۔ اس نے ہمیں واقعی ہمارے معاشرے کے بنیادی حصے کی تعلیم دی ہے اور یہ سمجھنے میں ہماری مدد کی ہے کہ اگر ہم نظام میں تشکیل پائے جانے والے پریشر پوائنٹس / شہ رگ کو استعمال کرتے ہوئے سیاسی عمل میں شامل ہو جاتے ہیں تو ہر فرد کو واقعتاً دنیا کو بدلنے کا موقع ملتا ہے۔

9- سیاست اس بات کی وضاحت کرتی ہے جو آپ خود مانتے ہیں

ان چیزوں کا مطالعہ جو ہم نے علم سیاسیات میں کیا ہے اس سے ہمیں اپنے سیاسی اعتقادات کو دریافت کرنے کا موقع ملتا ہے اور آج بھی دنیا میں موجود سیاسی نظریات کے وسیع پیمانے کے فوائد اور نقصانات کو زیادہ تفصیل سے دیکھنے کو ملیں گے۔ آپ جس بات کا درست اور جامع طور پر یقین رکھتے ہیں اس کا اظہار کرنے کے قابل ہونا انتہائی مفید ہے، اور آپ کو واقعی اپنے آپ کو دیکھنے پر مجبور کرتا ہے!

10- سیاست ایک زندہ اور متحرک موضوع ہے

سیاست میں درسی کتب شائع ہونے کے بعد پرانی ہو جاتی ہیں۔ کیوں؟ کیونکہ سیاسی منظر نامہ ہر دن بدلتا رہتا ہے، میڈیا میں مستقل طور پر نئی مثالیں سامنے آتی رہتی ہیں۔ ہمارے سامنے روز بروز نئے مسائل آتے رہتے ہیں اور ہم اُس کا حل اپنے نئے حالات کے مطابق ڈھونڈتے ہیں۔ نئے مسائل کے نئے امکانات سامنے آنے کی وجہ سے علم سیاسیات میں مختلف شعبہ ذاتوں کا اضافہ ہو رہا ہے تاکہ وہ ان مسائل کا احاطہ کر سکے۔

11- سیاست آپ کو ملک کی سیاسی جماعت کو سمجھنے میں مدد کرتی ہے

اس مضمون کے مطالعے کے بعد ہم جمہوریت اور اپنے حقوق، نظریات اور پارٹی پالیسیوں، آئین اور پارلیمنٹ کے بارے میں سیکھتے ہیں۔ کلاس روم سے حاصل کردہ معلومات کے ساتھ، ہم دنیا بھر میں پیش آنے والے واقعات کو دیکھنے کے قابل ہوتے ہیں، ان واقعات کے بارے میں ہمارے رہنماؤں کے رد عمل کو دیکھتے ہیں اور جو کچھ سیکھتے ہیں اس کے مظاہرے کے طور پر ان رد عمل کو سمجھتے ہیں۔ اس طرح یہ فن ہم کو اس قابل بناتی ہے کہ ہم آزادانہ طور پر مختلف سیاسی جماعتوں کا موازنہ کر ایک بہتر جماعت چن سکیں۔

12- سیاست آپ کو بالغ زندگی کے لئے تیار کرتی ہے

بیشتر ممالک کی سیاست کی دنیا واقعی ہماری اٹھارہویں سالگرہ کے بعد نو عمروں کے لئے کھل جاتی ہے، ہمیں رائے دہندگی کی حق کے ساتھ ہمیں اپنی قوم کو تبدیل کرنے کی صلاحیت ملتی ہے اور جن اصولوں کو ہم عزیز رکھتے ہیں اس کی نشوونما ہوتی ہے۔ اس بات کو ذہن میں رکھتے ہوئے، یہ بات آسانی سے کہی جاسکتی ہے کہ کسی بھی اسکول میں حکومت اور سیاست سب سے زیادہ قابل اطلاق مضمون ہے۔ ملک کو کیسے چلانا ہے، مختلف اداروں کے وجود کا بنیاد کیا ہے۔ آفاقی رائے دہندگی کیوں ضروری ہے۔ انتخابات کیا ہیں اور کیسے ہوتے ہیں۔ ان سب کی جانکاری ہمیں سیاسی طور پر بالغ بناتی ہے۔

13- ریاست اور حکومت کے بارے میں معلومات اور سوچ فراہم کرتا ہے

علم سیاسیات فرد کو ریاست، حکومت اور بہت سی سیاسی تنظیموں اور اداروں کے بارے میں قیمتی معلومات اور نظریات مہیا کرتی ہے۔ ریاست تمام معاشرتی اداروں میں سب سے عالمگیر اور طاقتور ادارہ ہے، اور سیاسی طور پر روشن خیال افراد معاشرتی اور سیاسی امور میں کارآمد کردار ادا کرنے کے اہل ہیں۔

14- حکومت، انتظامیہ اور سفارتکاری کے بارے میں اچھا خیال فراہم کرتا ہے

مختلف شعبوں میں حکومت چلانے کے ذمہ دار قائدین، سیاسی رہنما، قانون ساز، انتظامیہ اور سفارتکار ہیں۔ اپنے کاروبار کو موثر انداز میں چلانے اور اپنے کام کو سرانجام دینے کے لئے، انھیں پولیٹیکل سائنس کے علم کی ضرورت ہے۔ ریاستی جہاز سیاسی نظریہ پر منحصر ہے۔ سیاسی نظام کی موثر تنظیم اور ترقی کے لئے پولیٹیکل سائنس کا مطالعہ بہت ضروری ہے، کیونکہ پولیٹیکل سائنس ریاست کی سائنس ہے۔ افلاطون کی اکیڈمی اور ارسطو کے لیزیم نے مستقبل کے ماہرین اور انتظامیہ کو قیمتی تربیت دی۔ جدید دور میں ملک کے آئندہ رہنماؤں کو مختلف تعلیمی اداروں اور مراکز میں حکومت اور انتظامیہ کے مختلف پہلوؤں کے بارے میں تعلیم اور تربیت دی جا رہی ہے۔

15- اچھا شہری بناتا ہے

علم سیاسیات کے ذریعہ حاصل کردہ معلومات اچھے شہریوں کی تعمیر میں معاون ہے۔ آج کل ایک فرد انتظامیہ کے حوالے سے ایک غیر فعال تماثلی نہیں ہے۔ وہ اپنے فیصلوں پر اثر انداز ہوتا ہے۔ لہذا شہریوں کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ ملک کی تعمیر، ریاست کے دائرہ اختیار اور کام کے بارے میں سیکھیں۔ سیاسی شعور اچھے شہریوں کی مدد کرتا ہے۔

شہری کو اپنے حقوق اور ریاست کے عطا کردہ فرائض سے آگاہ ہونا چاہئے۔ اسے یہ سیکھنا چاہئے کہ اگر وہ ریاست کے ذریعہ غصب کیا جاتا ہے تو وہ کس طرح اپنے حقوق واپس حاصل کرنے میں کامیاب ہوگا۔ باخبر شہری ریاست اور دیگر بیرونی ایجنسیوں کے ذریعہ اپنے حقوق کے تجاوزات کو روک سکتے ہیں۔ وہ طاقت کے غلط استعمال کو بھی روک سکتے ہیں۔

لہذا یہ کہا گیا ہے، "ابدی چوکسی آزادی کی قیمت ہے۔" جدید فلاحی ریاستوں میں، قوانین صرف افراد کو قابو کرنے اور ان کو نظم و ضبط کرنے کے لئے نہیں ہیں۔ قوانین کئی فلاحی اقدامات اٹھانے میں بھی مدد کرتے ہیں۔ اس طرح، ایک فلاحی ریاست کی کامیابی کا انحصار لوگوں کے شعور اور چوکسی پر ہے۔ پولیٹیکل سائنس افراد کو ریاست کے مختلف اداروں کے غرض اور مقاصد، اور ان کے افعال کے بارے میں اچھے خیال حاصل کرنے میں بھی مدد کرتی ہے۔

16- فرد کی آزادی اور ریاست کے اختیارات کے مابین ہم آہنگی پیدا کرنا

علم سیاسیات کا ایک اور مقصد ریاست اور فرد کے مابین توازن قائم کرنا ہے۔ آزادی اور انفرادی اور مملکت کی طاقت کو یکجا کیا جانا چاہئے۔ پولیٹیکل سائنس فرد کی آزادی اور فرد کی آزادی کے شعبے پر ریاست کے کنٹرول کی حد کا مطالعہ کرتی ہے۔ یہ فرد کو حب الوطنی، رواداری، قربانی اور قومی یکجہتی کے نظریات سے آگاہ کرتا ہے۔ اس کی مدد سے وہ وسیع النظر اور مختلف قسم کی تعصب پسندی جیسے علاقائیت، ذات پات اور فرقہ پرستی سے نجات حاصل کر سکتے ہیں۔

17- دنیا کے بارے میں معلومات فراہم کرنا

تاہم، ان مفید نظریات کے علاوہ، سیاسی علوم کا علمی حصول انسان کے ذہن کو تقویت بخشتا ہے اور کسی کے فکری افق کو وسیع کرتا ہے۔ ہمارے آس پاس کی دنیا میں کیا ہو رہا ہے یہ جاننے کے لئے کم از کم پولیٹیکل سائنس کا ابتدائی علم ضروری ہے۔ جدید دور میں ایک فرد الگ تھلگ زندگی نہیں گزار سکتا۔ ہر ملک کو دنیا کے دوسرے ممالک سے تعلقات برقرار رکھنا ہوں گے۔

18- بین الاقوامی امن اور تعاون کی حوصلہ افزائی

سیاست کا مطالعہ بین الاقوامی امن اور تعاون کو تحریک دیتا ہے۔ پولیٹیکل سائنس نے عالمی امن اور تعاون کے ذریعہ 'ایک عالمی ریاست' کا خواب دیکھا ہے۔ اب یہ بہت ساری بین الاقوامی تنظیموں کا ہدف ہے کہ وہ دنیا کو ایٹمی ہتھیاروں کی لعنت سے آزاد کریں اور پر امن وجود قائم کریں۔ جارج برنارڈ شاؤ نے مشاہدہ کیا ہے، "پولیٹیکل سائنس وہ سائنس ہے جس کے ذریعہ تنہا تہذیب کو بچایا جاسکتا ہے۔"

19- معاشرتی تبدیلی کی سہولت

علم سیاسیات، متحرک معاشرتی سائنس ہونے کے ناطے، سماجی تبدیلی میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ پولیٹیکل سائنس کا مطالعہ فرد کو ترقی پسند نظریات اور انقلابی تبدیلیوں کے بارے میں اچھی معلومات حاصل کرنے کے قابل بناتا ہے۔ اس سے معاشرتی، معاشی اور سیاسی شعبوں میں اجتماعی فیصلے کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ، پولیٹیکل سائنس کا مطالعہ انسان کے ذہن کو روشن کرتا ہے اور علم کے تالاب کو مزید تقویت دیتا ہے۔ اے ایل راؤس کے مطابق، "وہ لوگ جو سیاست کو نظر انداز کرتے ہیں وہ بطور عوام خوش نہیں ہو سکتے۔"

20- جمہوریت کو کامیاب بنانا ہے

علم سیاسیات انسان کی سیاسی شعور کو بڑھاتی ہے، اسے اپنی آزادیوں، حقوق اور فرائض سے واقف کرتی ہے اور ساتھ ہی حکومت کو لوگوں کے ساتھ اپنے فرائض اور ذمہ داری کی بھی یاد دلاتی ہے۔ روشن خیال، باشعور اور چوکس شہری حکومت کو جوابدہ بنائیں گے، اور معاشرتی انصاف اور مساوات کے قیام میں نمایاں کردار ادا کریں گے۔

علم سیاسیات معاشرتی اور معاشی جمہوریت پر زور دیتے ہوئے جمہوریت کی کامیابی کے لئے سازگار شرط پیدا کرتی ہے۔ جمہوریت کے دواہم ستون باشعور اور باخبر شہری ہیں، اور ایک ذمہ دار حکومت۔ ان حالات کو پیدا کرنے میں پولیٹیکل سائنس اہم کردار ادا کرتی ہے۔

21۔ تعاون اور رواداری

علم سیاسیات تعاون، سلجھاؤ اور رواداری کا سبق بھی دیتی ہے۔ تعاون کے بغیر معاشرہ ترقی نہیں کر سکتا۔ انسان کو اپنے ساتھیوں کے ساتھ تعاون اور خود کو آستہ کرنے کا طریقہ سیکھنا چاہئے۔ ملک کی بہتر ترقی کے لئے ہر شعبہ ہائے زندگی کے لوگوں کو تعاون کرنا چاہئے۔ معاشرے میں بھی رواداری ضروری ہے۔

2.6 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

- اس اکائی کو پڑھنے کے بعد طلبہ علم سیاسیات کے بارے میں مندرجہ ذیل ماخوذ کریں گے۔
- علم سیاسیات کیا ہے اور یہ کیسے اور کیوں وجود میں آیا۔
- علم سیاسیات ایک قدیم سماجی علم ہے جس کا آغاز قدیم یونان میں ہوا ہے۔ اس علم کا مقصد انسان کی سماجی زندگی کو بہتر اور ممکن بنانا ہے۔
- طلبہ علم سیاسیات کی تعریفات سے بھی واقف ہوں گے کہ قدیم یونان میں علم سیاسیات کا کیا تصور تھا اور قدیم اور جدید تصورات کیا ہیں۔
- علم سیاسیات کی نوعیت کے بارے میں ماہرین سیاسیات میں اتفاق نہیں ہے۔ بعض کے نزدیک یہ ایک سائنس ہے اور بعض کے نزدیک یہ ایک فن ہے۔ ان دونوں نظریے کو باریکی سے جائزہ لینے کے بعد یہ بات واضح ہوتی ہے کہ علم سیاسیات کی نوعیت دونوں کا مرکب ہے۔
- علم سیاسیات کا دائرہ احاطہ بہت وسیع ہے جس میں مملکت، حکومت، جماعتوں، گروہوں، بین الاقوامی قانون و جماعتوں وغیرہ کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔
- علم سیاسیات اور سیاست میں کیا فرق ہے کو بھی جان لیں گے۔

2.7 کلیدی الفاظ (Keywords)

- علم سیاسیات (Political Science): یہ ایک ایسا علم ہے جس کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ وقت کے ساتھ ساتھ بدلتا اور پروان چڑھتا ہے۔ لہذا ماہرین سیاسیات میں اس پر اتفاق نہیں ہے کہ علم سیاسیات کیا ہے۔ لیکن عام طور پر کہا جاتا ہے کہ یہ ایک ایسا علم ہے جس میں مملکت اور حکومت کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔

- نوعیت (Nature): کسی بھی علم کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے اس کی نوعیت کو سمجھنا ضروری ہے۔ ماہرین سیاسیات میں علم سیاسیات کی نوعیت کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔
- دائرہ احاطہ (Scope): کسی بھی مضمون کی اہمیت کا اندازہ اس کے دائرہ احاطہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس کا دائرہ وسیع ہے کہ تنگ۔ علم سیاسیات کا دائرہ بہت وسیع ہے کیونکہ بدلتے وقت کے ساتھ ساتھ اس کے دائرہ میں بھی تبدیلی آتی ہے۔
- طرز عمل (Behavioral Movement) یہ ایک ایسی تحریک ہے جو علم سیاسیات کو حقیقی معنوں میں سائنس بنانا چاہتی ہے۔

2.8 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

2.8.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

- 1۔ علم سیاسیات کا بانی کون ہے؟
 - (a) افلاطون
 - (b) ارسطو
 - (c) سقراط
 - (d) گارز
- 2۔ قدیم روایات میں علم سیاسیات کو ایک ایسا علم سمجھا جاتا تھا جس کا تعلق
 - (a) مملکت سے ہے
 - (b) طاقت سے ہے
 - (c) انسان کے ہر کام سے ہے
 - (d) قوموں کی درجہ بندی سے ہے
- 3۔ علم سیاسیات کا مقصد کیا ہے؟
 - (a) اپنی خواہشات کو پورا کرنا
 - (b) سماج میں جھگڑوں کو حل کرنا
 - (c) سماج میں سیاست کرنا
 - (d) انسان کی زندگی کو بہتر اور اچھی بنانا
- 4۔ مندرجہ ذیل میں کس ماہر سیاست نے علم سیاسیات کو ”سماج میں اقتدار کے ذریعہ قدروں کی تقسیم کا مطالعہ“ کہا ہے
 - (a) لاسویل
 - (b) گارز
 - (c) ڈیوڈ ایسٹن
 - (d) ارسطو
- 5۔ دور جدید میں علم سیاسیات کا دوسرا نام کیا ہے؟
 - (a) بین الاقوامی سیاست
 - (b) پبلک ایڈمنسٹریشن

(c) پبلک سائنس (d) عوامی پالیسی

6۔ مندرجہ ذیل میں کون ماہر سیاسیات، علم سیاسیات کو سائنس مانتا ہے؟

(a) ارسطو (b) گارس

(c) گاندھی (d) افلاطون

7۔ مندرجہ ذیل میں علم سیاسیات کی وسعت میں کیا نہیں آتا ہے؟

(a) مملکت اور حکومت کا مطالعہ (b) طاقت کا مطالعہ

(c) بین الاقوامی تعلقات کا مطالعہ (d) ذاتی معاملات کا مطالعہ

8۔ جدید ماہرین سیاسیات کے نزدیک علم سیاسیات کس چیز کا مطالعہ ہے؟

(a) مملکت (b) سماج

(c) حکومت (d) طاقت

9۔ لفظ (Politics) کس سے ماخوذ ہے؟

(a) Polis (b) Polity

(c) Policy (d) Police

10۔ A Grammar of Politics کا مصنف کون ہے؟

(a) ارسطو (b) افلاطون

(c) لاسکی (d) گارنر

2.8.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. علم سیاسیات کی تعریف کیجئے اور اس کی وسعت کو بیان کیجئے؟

2. علم سیاسیات کی نوعیت کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟ تحریر کیجئے۔

3. قدیم یونان میں علم سیاسیات کا کیا تصور تھا؟ واضح کیجئے۔

4. علم سیاسیات کی اہمیت کو بیان کیجئے؟

5. کیا پالیٹکل سائنس سائنس ہے؟ اپنے الفاظ میں بیان کیجئے۔

2.8.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. دورِ جدید کے ماہرین سیاسیات علم سیاسیات سے کیا سمجھتے ہیں؟ واضح کیجئے۔

2. پالیٹکل سائنس اور پالیٹکس میں کیا فرق ہے بتائے؟

3. سیاسیات خارجہ پالیسی اور بین الاقوامی کامطالعہ کیسے کرتا ہے لکھیے؟

معروضی سوالات کے جوابات:

(d)	-5	(c)	-4	(d)	-3	(c)	-2	(b)	-1
(c)	-10	(a)	-9	(d)	-8	(d)	-7	(a)	-6

اکائی 3—سیاسیات کا دیگر سماجی علوم سے تعلق

(Relation of Political Science with Other Social Sciences)

اکائی کے اجزاء:

تمہید	3.0
مقاصد	3.1
علم سیاسیات کا دوسرے سماجی علوم سے وابستگی کا پیش منظر	3.2
دوسرے سماجی علوم کے ساتھ تعلقات	3.3
اکتسابی نتائج	3.4
کلیدی الفاظ	3.5
نمونہ امتحانی سوالات	3.6
معروضی جوابات کے حامل سوالات	3.6.1
مختصر جوابات کے حامل سوالات	3.6.2
طویل جوابات کے حامل سوالات	3.6.3

3.0 تمہید (Introduction)

اس اکائی میں ہم "علم سیاسیات کا دوسرے سماجی علوم سے وابستگی" کے بارے تفصیل سے تذکرہ کریں گے اور اس کے بارے میں کچھ بنیادی باتیں جان لینا ضروری ہے تاکہ طالب علم اسے اچھی طرح سے مطالعہ کرنے کے بعد سارے مختلف سوالوں کا جواب دینے کے لائق بن جائے۔ اس کے پہلے یہ بھی جاننا ضروری ہے کہ قدیم زمانے سے ہی مختلف سماجی علوم کے سلسلے میں زیر بحث رہا ہے، لیکن پہلی جنگ عظیم کے بعد سامنے آنے والی علمی تحریک نے ان تعلقات میں ایک نئے عروج کو جنم دیا ہے۔ اس نے انقلاب کی شروعات کی ہے۔ اس وقت مختلف سماجی علوم کے مابین تعلقات کو اس بنیاد پر زیر بحث لایا جا رہا ہے کہ انسان کی سماجی زندگی ایک پابند ہستی ہے جسے کسی بھی حالت میں زندگی کے کسی بھی پہلو سے الگ نہیں کیا سکتا۔ اس وقت علم سیاسیات کے تحت انٹر ڈسپلنری اسٹڈی کے طریقہ کار کو بہت اہمیت دی جا رہی ہے۔ اس طریقہ کار کو دی جانے والی اہمیت کی وجہ سے، علم کی کچھ نئی شاخیں ابھری ہیں، جیسے 'پولیٹیکل ایکونومیٹری'، 'پولیٹیکل سماجیات'، 'سیاسی

نفیات'۔ امریکی سائنس دانوں نے حال ہی میں 'سوشل سائنس ریسرچ کونسل' کی تشکیل دی ہے۔ اس کونسل نے تمام سماجی علوم کو یونٹ کا پابند بنا کر مطالعہ کرنے کا عمل شروع کیا ہے۔ اس عمل کے نتیجے میں، علم سیاسیات کا رشتہ دوسرے سماجی علوم کے ساتھ زیادہ ہو گیا ہے۔

3.1 مقاصد (Objectives)

عزیز طلباء، اس اکائی میں آپ:

- علم سیاسیات کے دیگر سماجی علوم سے وابستگی کو سمجھیں گے۔
- علم سیاسیات اور تاریخ کے تعلقات کا گہرائی سے مطالعہ کریں گے۔
- علم سیاسیات اور سماجیات کے تعلقات کے بارے میں جانیں گے۔
- علم سیاسیات کی علم نفسیات سے وابستگی کو سمجھیں گے۔
- علم سیاسیات اور اخلاقیات کے تعلقات کا گہرائی سے مطالعہ کریں گے۔

3.2 علم سیاسیات کا دوسرے سماجی علوم سے وابستگی کا پس منظر

(Background of Relations between Political Science to other Social Science)

علم سیاسیات ایک سماجی سائنس ہے اور اس کا گہرا تعلق دوسرے سماجی سائنس سے بھی ہے۔ انسان ایک سماجی جانور ہے اور اس کی سماجی زندگی جس میں سیاسی، مذہبی، معاشی اور اخلاقیات جیسے مختلف پہلو ہیں۔ یہ مختلف پہلوؤں پر مختلف سماجی سائنسوں یا سماجی علوم جیسے علم سیاسیات، سماجیات، علم معاشیات، علم اخلاقیات، علم نفسیات وغیرہ کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ علم سیاسیات کا تعلق انسان کی سماجی زندگی کے سیاسی پہلوؤں سے ہے، لیکن معاشی حالت آدمی کی سیاسی حالت کو بہت متاثر کرتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں، مردوں کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کا ایک دوسرے سے گہرا تعلق ہے۔ وہاں تمام سماجی علوم کو ایک دوسرے سے مکمل طور پر الگ نہیں کیا جاسکتا۔ علم سیاسیات ایک سوشل سائنس ہونے کی وجہ سے دوسرے سماجی علوم جیسے علم تاریخ، علم معاشیات، علم فلسفہ، علم نفسیات وغیرہ سے متعلق ہے۔ ڈاکٹر گانز کے مطابق، "تمام متعلقہ مضامین کے علم کے بغیر علم سیاسیات کو سمجھنا مشکل ہے جیسا کہ علم کیمیات کے علم کے بغیر علم حیاتیات کو سمجھنا اور علم ریاضی کے علم کے بغیر میکینکس کو سمجھنا مشکل ہے۔ سیڈوک کا کہنا ہے کہ یہ کسی بھی چیز کی مناسب تفہیم کے لیے ہمیشہ مفید ہے دوسرے علوم کے ساتھ اپنا رشتہ قائم کرنے کے لیے تفتیش کا موضوع" واضح طور پر یہ دیکھنے کے لیے کہ اس سے ان کی کیا استدلالات ہیں اور ان کے بدلے میں انہیں کیا دینے کا دعویٰ کیا جاسکتا ہے۔ "پاول جینٹ کے مطابق، "علم سیاسیات سیاسی معیشت یا دولت کی سائنس کے ساتھ قریب سے جڑی ہوئی ہے۔ قانون کے ساتھ یا تو مثبت نوعیت کی فطرت، جو خود شہریوں کے ایک دوسرے سے تعلقات کے ساتھ، تاریخ کے ساتھ خود پر قابض ہے۔ فلسفہ اور خاص طور پر اخلاق کے ساتھ جو اسے اس کے اصولوں کا ایک حصہ دیتے ہیں۔" علم سیاسیات کا تعلق دوسرے تمام سماجی علوم سے بہت گہرا ہے، کیونکہ وہ علم جو انسانوں کے طرز علم کے کسی بھی مرحلے کے بارے میں، ان اداروں کے بارے میں حاصل کیا جاتا ہے جو مدد

تیار کرتے ہیں، یا ان نظریات جن کا وہ بڑے پیمانے پر جواب دیتے ہیں اسی طرح کے تفتیش کے شعبوں میں کارگر ثابت نہیں ہو سکتے۔ ہر سماجی سائنس جیسے تاریخ، سماجیات، جغرافیہ، معاشیات، نفسیات اور قانون کو تکمیل اور باقی کو مضبوط بناتا ہے۔

وسیع پیمانے پر بات کریں تو، انسانی علم کو دو قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے، پہلے طبعی نوعیت کا سائنسی مطالعہ اور دوسرا، معاشرے میں رہنے والے انسان کا سائنسی مطالعہ۔ طبیعیات، کیمیات، حیاتیات، جغرافیہ، ارضیات اور فلکیات وغیرہ جیسے قدرتی اور جسمانی سائنس علوم پہلے زمرے میں آتے ہیں۔ عمرانیات، معاشیات، سیاسیات، نفسیات، اور اخلاقیات دوسرے زمرے میں آتے ہیں۔ انسان ایک سماجی اور سیاسی جانور ہے۔ انسانی زندگی کے بہت سے پہلو ہیں۔ سیاسی، سماجی، مذہبی، معاشی، اخلاقیات اور تاریخ وغیرہ، انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں سے نمٹتے ہیں، انہیں سماجی علوم کے نام سے جانا جاتا ہے۔ انسانی علوم صرف ان سماجی عہد تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ اس کے دائرہ کار میں طبعی علوم جیسے طبیعیات، کیمیات، علمیات اور نباتیات، وغیرہ کا مطالعہ بھی شامل ہے۔ قدرتی اور سماجی نسبتوں کے مابین گہرا تعلق ہے۔ پروفیسر بلتسچلی کہتے ہیں، "انسان کا ایک سماجی وجود ہے اور اس کی مختلف سماجی سرگرمیوں کا الگ سے مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔ اس کی سیاسی زندگی کا صرف ایک حصہ ہے لیکن جب مملکت کا سائنس لازمی طور پر دوسری سماجی سائنس سے جڑا ہوتا ہے۔ لیکن یہاں ہمارا مقصد صرف سیاسی معاشرے کو دوسرے سماجی علوم کے ساتھ تعلق کو ظاہر کرنا ہے۔

علم سیاسیات کے مطالعے کی اہمیت (Importance of Study of Political Science): جدید دور جمہوریت کا دور ہے لہذا ہر فرد سیاست سے براہ راست یا باواسطہ تعلق رکھتا ہے۔ برنارڈ شکا کہتا ہے کہ کیسے لیے سیاست ہی تہذیب کو بچا سکتی ہے۔ علم سیاسیات کا صحیح مطالعہ معاشرے اور فرد دونوں کے لیے اہم ہے، جو حسب ذیل ہیں:

سیاسی مسائل کو حل کرنے کے لیے، مملکت کی اصل اور اس کی نوعیت اور کردار کے بارے میں واضح تفہیم درکار ہے۔ ماضی کی فکر اور اصولوں کا علم ہمیں موجودہ سماجی، سیاسی اور انتظامی مسئلے کو سمجھنے کے قابل بناتا ہے۔ سیاست سیاسی نظریہ کی اچھی طرح سے تعریف کرتی ہے اور مختلف اصطلاحات کے معنی بیان کرتی ہے جس کے ساتھ ہر شخص آئے دن کی زندگی میں آتا ہے۔ علم سیاسیات کا علم افراد کو معاشرے کے ممبروں کی حیثیت سے اپنے کردار سے آگاہ کرتا ہے، ان کے آئین پر روشنی ڈالتا ہے اور شہریت حاصل کرنے کے بارے میں معلومات دیتا ہے۔ سیاست لوگوں کو ان کے حقوق سے آگاہ کرتی ہے۔ سیاست آزادی اور انصاف کے تحفظ کے طریقوں پر تعلیم دیتی ہے۔ سیاست لوگوں کو دوسرے سماجی علوم کے بارے میں جاننے کے لیے تیار کرتی ہے۔ سیاست باہمی کامیابی میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ سیاست کا علم جمہوریت میں لوگوں کو چوکس اور محتاط رہنے کے اہل بناتا ہے۔ یہ ماضی کا سیاسی تجربہ فراہم کرتا ہے، جو حال کا مطالعہ کرنے اور مستقبل کے بارے میں اچھے سوچنے کا ذمہ دار ہے۔ سیاسیات سماج میں مساوات، انصاف اور اخوت کا ماحول قائم رکھنے میں مدد کرتا ہے کیونکہ یہ قانون کی حکمرانی کی وکالات کرتا ہے۔ اس کے علاوہ سیاسیات کا مطالعہ روزگار کے بہتر مواقع بھی فراہم کرتا ہے۔

3.3 دوسرے سماجی علوم کے ساتھ تعلقات (Relations with other Social Science)

علم سیاسیات دیگر سماجی علوم جیسے تاریخ، معاشیات، اخلاقیات اور نفسیات سے بہت قریب سے وابستہ ہے اور ان کے مطالعے میں سماجی تنظیم کا ایک پہلو بھی شامل ہے جس کے ساتھ دیگر سماجی علوم بھی معاملات کرتے ہیں جب کہ علم سیاسیات کا بنیادی مضمون مملکت ہے، اس سے اس کا تعلق ہے۔ تمام سماجی علوم ایک مشترکہ موضوع کے گرد گھومتے ہیں۔ ایک دوسرے سے وابستہ بھی ہیں اور ایک دوسرے کے مقروض ہیں۔

3.3.1 علم سیاسیات اور تاریخ (Political Science and History)

علم سیاسیات اور تاریخ کے مابین بہت قریب اور گہرا تعلق ہے۔ دونوں معاون اور تکمیلی ہیں۔ تاریخ اور سیاسیات کے بارے میں انگریزی کے نامور مصنف سیلی کے مندرجہ ذیل جوڑے میں سیاسیات اور تاریخ کے مابین قربت اچھی طرح سے سامنے آئی ہے: "سیاسی سائنس کے بغیر تاریخ کا کوئی ثمر نہیں ہوتا، تاریخ کے بغیر سیاسی سائنس کی کوئی جڑ نہیں ہوتی ہے۔" پروفیسر ولفی کے مطابق، "تاریخ ہمیں سیاسیات کی تیسری جہت فراہم کرتی ہے۔" تاریخ ہمیں سیاسیات کا خام مال مہیا کرتی ہے۔ یہ سیاسیات کے لیے ایک بہترین قسم کی لیبارٹری کا کام کرتا ہے۔ جس طرح سیاسیات تاریخ پر منحصر ہے، اسی طرح تاریخ سیاسیات پر منحصر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ، یہ ایک دوسرے کے تکمیلی ہیں۔ پروفیسر سیلے نے صحیح طور پر دیکھا ہے کہ "سیاست مضحکہ خیز ہوتی ہے جب تاریخ آزاد نہیں ہوتی اور تاریخ محض ادب میں ڈھل جاتی ہے جب وہ سیاست سے اس کے تعلق کی نذر ہو جاتا ہے۔ دونوں علوم کے مابین قربت پر روشنی ڈالنا ہے۔ بر جیس اشارہ کرتے ہیں، "ان کو الگ اور ایک معذور ہو جاتا ہے، اگر لاش نہیں تو، دوسرے دانشور کی مرضی۔"

اگر ہم سیاسی واقعات کو نظر انداز کرتے ہیں تو ہمارا تاریخ کا مطالعہ نامکمل ہے۔ مثال کے طور پر 19 ویں صدی کی یورپی تاریخ قوم پرستی، سامراجیت، انفرادیت، جمہوریت، سوشلزم اور کمیونزم کے مطالعے کے بغیر نامکمل ہے۔ فرانسیسی انقلاب ایک سیاسی واقعہ تھا اس نے فرانس کی تاریخ کو کافی متاثر کیا۔ 20 ویں صدی میں، جرمنی میں نازیزم اور اٹلی میں فاشیزم کے طلوع فجر کی سیاسی اہمیت ہے۔ ان سیاسی واقعات نے نہ صرف اٹلی اور جرمنی بلکہ پوری دنیا کی تاریخ کو کافی حد تک متاثر کیا ہے۔ وہ اتنے پر جوش ثابت ہوئے کہ دوسری جنگ عظیم شروع ہوئی۔ اسی طرح، ہندوستان میں ہندوستان کے عظیم انقلابیوں (چندر شیکھر آزاد، رام پرساد بسمل، بھگت سنگھ اور سبھاش چندر بوس وغیرہ) کی زیر قیادت سیاسی تحریک نے ہندوستانی تاریخ پر اپنا اثر چھوڑ دیا ہے۔ عدم تعاون کی تحریک، سول نافرمانی کی تحریک، مہاتما گاندھی کی سربراہی میں ہندوستان چھوڑیں کی تحریک، 1945 میں شملہ کانفرنس، کیسینٹ مشن پلان، عبوری حکومت کا قیام، 1947 میں ہندوستان کی تقسیم، اکتوبر 1947 میں کشمیر پر پاکستانی جارحیت، 1962 میں ہندوستان پر چینی جارحیت، 1965 اور 1971 میں انڈو-پاک تنازعہ اور محترمہ اندرا گاندھی کا قتل کچھ اہم سیاسی واقعات ہیں اور اس کے مطالعے کے بغیر، ہندوستانی تاریخ بے معنی اور ادھوری رہ جاتی ہے۔ یہ سب واضح طور پر اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ تاریخ اور سیاسیات کے مابین گہری قربت ہے۔

سیاست کے مطالعے میں تاریخ کے استعمال کے دو طرح سے غور کیا جاسکتا ہے: (1) سیاسی واقعات کی تشریح، سیاسی حالات اور اداروں کے تقابلی مطالعہ اور سیاست سے متعلق مفروضوں کی تصدیق کے لیے تاریخ سے خاطر خواہ بنیاد مواد جمع کیا جاسکتا ہے۔ مثال کے طور پر، موجودہ ہندوستانی سیاست کو سمجھنے کے لیے ہم ہندوستان کی تاریخ کے مختلف دوروں کو دیکھ سکتے ہیں اور معلوم کر سکتے ہیں کہ کن عناصر نے ہندوستان کے عوام کو اتحاد کے دھاگے میں متحد کیا ہے اور کون سے عناصر ان میں تقسیم کا بیج بوریے ہیں۔ کن شرائط کے تحت (یعنی، کس طرح کے نظم و نسق اور فوجی نظام وغیرہ کے تحت) ہندوستان بیرونی حملوں کا مقابلہ کرنے میں کامیاب رہا ہے، کن حالات میں، وغیرہ۔ (2) جب تاریخ نہیں ہے صرف واقعات کی ترتیب کی وضاحت کے طور پر دیکھیں، بلکہ ان واقعات میں مدت کے تعلقات بھی قائم ہونے لگتے ہیں۔ جب ہم تاریخ کے حکمرانوں اور ان کے جرنیلوں، ان کی حکمرانی اور جنگوں، فتوحات اور شکستوں وغیرہ کی تاریخ پر غور نہیں کرتے ہیں، بلکہ اس میں عوامی اور مختلف سماجی تشکیل، سیاسی تحریکوں، معاشی تبدیلیوں اور ان کے اثرات، اہمیت، فن اور اگر ہم مذہبی رجحانات وغیرہ کا تجزیہ بھی شامل کریں تو یہ سیاست کے اصولوں کے لیے ایک معاون ہدایت نامہ بن جاتا ہے۔

کچھ مصنفین نے تاریخ اور سیاسیات کے بہت قریبی تعلقات پر تبادلہ خیال کیا ہے۔ اس طرح جان بولی نے لکھا ہے، "علم سیاسیات میں تاریخ کے بغیر (کے درخت) کوئی پھل نہیں ہوتا، تاریخ کے بغیر سیاست (کے درخت) کی کوئی اصل نہیں ہوتی۔" فری مین نے یہاں تک لکھا ہے کہ "تاریخ سیاست کا ماضی ہے۔ سیاست موجودہ کی تاریخ ہے۔" یہ کہا جاسکتا ہے کہ سیاست اور تاریخ دونوں کا آپس میں قریبی رشتہ ہے۔

3.3.2 علم سیاسیات اور علم معاشیات (Political Science and Economics)

یونانی مصنفین نے دونوں علوم کو ایک سمجھا اور معاشیات کو سیاسی معیشت قرار دیا۔ معاشیات کو یونانیوں کے ذریعے سیاسی معیشت کہا جاتا تھا اور ان کے ذریعے مملکت کو محصول فراہم کرنے کے فن سے تعمیر کیا جاتا تھا۔ جدید دور میں، سیاسی سائنس داں اور ماہرین معاشیات تقریباً ایک ہو گئے ہیں اور وہ انسانی معاشرے کے ساتھ بھلائی کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ معاشی مسائل مملکت کے ذریعے حل کیے جاتے ہیں جس کے ساتھ سیاسیات تفصیل سے کام کرتی ہے۔ معاشی نظم سیاسی آرڈر کے ساتھ قریب سے جڑی ہوئی ہے۔ سیاسی آرڈر معاشی آرڈر کی مدد کے بغیر نہیں چل سکتا اور معاشی آرڈر کا ہموار چلنا سیاسی آرڈر کی مدد کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ جب ہم مزدور قانون سازی، محصولات کے قوانین، تجارت، کرنسی اور تبادلے کے مسائل کا مطالعہ کرتے ہیں تو سیاسی نظم و ضبط اور معاشی نظم کے مابین گہری وابستگی اس وقت منظر عام پر آتی ہے۔

اگر معاشی حالات عالمی سیاست کو متاثر کرتے ہیں تو عالمی سیاست بھی دنیا کی معیشت پر اثر انداز ہوتی ہے۔ حکومت کی پالیسیاں کسی ملک کا معاشی حالات پر کافی اثر پڑتا ہے۔ حکومت کی ٹیکس کی پالیسی، درآمد اور برآمد پالیسی، زر مبادلہ کی شرح، بینکنگ سسٹم، پوسٹ اور ٹیلی گراف سہولیات، اجازت نامہ اور راشننگ سسٹم، سامان کی نقل و حمل، کسٹم ڈیوٹی وغیرہ قوم کی معیشت کو متاثر کرتی ہیں۔ حکومت پیداوار، تقسیم، کھیت اور مالیات وغیرہ کو کنٹرول کرتا ہے۔ حکومت اپنی صنعتوں کو چلاتا ہے اور غیر ملکی سامان پر بھاری سرچارج لگاتا ہے تاکہ دیسی سامان سستا اور گرم کیک کی طرح فروخت ہو۔ اس طرح سے قومی پیسہ بیرونی ممالک میں نہیں جائے گا۔ حکومت کرنسی اور سکے اور رقم کے تبادلے کو کنٹرول

کرتا ہے۔ حکومت مزدوروں اور آجروں کے مابین اختلافات کو حل کرتا ہے۔ اگر حکومت کسی خاص ملک سوشلسٹ ہے، اس کی نجی املاک اور سرمائے کی پالیسی سرمایہ دارانہ ملک سے مختلف ہوگی۔ کسی خاص ملک کی قومیانے والی پالیسی اس ملک کی معیشت کو کافی حد تک متاثر کرتی ہے۔ اسی طرح، حکومت کی بڑھتی ہوئی قیمتوں کو چیک کرنے کے لیے مختلف اقدامات اپنانے اور پیداوار میں اضافے کے لیے مختلف اقدامات اٹھائے۔ 1947 میں تقسیم کے بعد، ہندوستانی حکومت بہت سے منصوبوں کو آگے بڑھایا اور مختلف شعبوں میں اہم اقدامات کیے۔ ہماری حکومت زرعی پیداوار میں اضافے کے لیے پیسوں نے اہم اقدامات اٹھائے اور مختلف اقدامات اپنائے۔ اس نے ڈیموں کی تعمیر کی۔ آسان شرائط پر قرضے دیے اور کوآپریٹو کاشت کاری کو ترقی دی۔ صنعتی پیداوار میں اضافے کے لیے، ہماری حکومت بہت ساری فیکٹریاں، ملیں چلائیں اور بہت سے پودے لگائے۔

معاشیات کا بنیادی تشویش ان عناصر کا تجزیہ ہے جو جسمانی پیداوار، تقسیم اور تبادلے کے نظام میں انسانوں کے سماجی سلوک کو متاثر کرتے ہیں۔ اس میں ایسے عناصر کی بھی نشاندہی ہوتی ہے جو سرمایہ کاری یا معاشی وسائل کے استعمال سے متعلق فیصلوں پر اثر انداز ہوتے ہیں، جیسے یہ عناصر، سرمایہ، مزدوری اور سامان کے استعمال سے متعلق فیصلے کو اثر و رسوخ کرتے ہیں۔ ایک تفصیلی تجربہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ فیصلے بہت سارے غیر معاشی عوامل سے متاثر ہوتے ہیں، جیسے کہ یہ فیصلے ثقافتی اقدار پر غور، ان افراد کی شخصیت، سیاسی ضروریات اور سماجی حیثیت پر بھی بہت حد تک متاثر ہوتے ہیں۔ کسی معاشرے کا سیاسی ماحول دار دراز تک معاشی فیصلوں کو بھی متاثر کرتا ہے۔

در حقیقت، معاشیات کا آغاز سیاسی معیشت کے مطالعے سے ہوا۔ اس کے تحت حکومت اور قوم کی انتظامیہ کا اکثر مطالعہ کیا جاتا تھا۔ انیسویں صدی کے دوسرے نصف میں آہستہ آہستہ اس نے سیاسی اصول سے اپنا تعلق توڑ دیا اور لیبر فیئر اصول سے متاثر ہو کر اجناس کی قیمتوں اور بازار کے رجحانات پر زیادہ توجہ دینا شروع کر دی۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ معاشیات نے اس شعبے میں بڑی ترقی کی ہے، اور طلب، رسد، مسابقت، سرمایہ کاری، افادیت، لاگت، منافع، منصوبہ بندی، ترقی وغیرہ کے بارے میں بہت اہم قواعد و اصول مرتب کیے ہیں۔ لیکن بعد کی دہائیوں میں یہ بھی محسوس کیا گیا کہ معاشی نظام کو صرف بازار، افواج اور کھلی مسابقت کی مدد سے چھوڑنا سماجی طور پر تباہ کن نتائج کا باعث بنتا ہے۔ معاشی عدم مساوات میں تیزی سے اضافہ ہوتا ہے، غریب اور مظلوم طبقات کا بے پناہ استحصال ہوتا ہے، سماجی نا انصافی پائی جاتی ہے اور معاشرے میں تناؤ اور تنازعات کی فضا ہے۔ اس سے معاشی سرگرمیوں کے ضابطے کی ضرورت ہو گئی اور معیشت کو عوامی کنٹرول میں رکھنے کے خیال کو اہمیت دی جانے لگی۔ اس کے نتیجے میں، معاشیات اور سیاسیات کی باہمی دلچسپی نے نئی زندگی پالی۔ اس رجحان نے موجودہ دور میں سیاسی معیشت کو ایک نئی شکل میں ترقی دی ہے۔

یہاں سیاسی نظریے کے نقطہ نظر میں تمام اہم تبدیلیاں آئی ہیں۔ آج مملکت کا رول صرف نظم نسق و قانون و ضوابط ہی نہیں رہ گیا ہے بلکہ کی مملکت منصوبہ بندی کے میدان میں قدم رکھتی ہے یا بطور، 'فلاحی مملکت'، 'سروس اسٹیٹ'، 'یا سوشلسٹ اسٹیٹ' اشہریوں کی معاشی سلامتی کی ذمہ داری قبول کرتی ہے، اور پورا روزگار، زندگی گزارنے کا مناسب سطح، مناسب تعزیه، صحت کی دیکھ بھال، عوامی تعلیم، وغیرہ پروگرام بناتا

ہے، تب معاشیات کی مدد لینا لازمی ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ مارکسی نظریہ کے مطابق، پوری سیاست معاشی طاقتوں کے ذریعے منظم ہوتی ہے۔

3.3.3 علم سیاسیات اور سماجیات (Political Science and Sociology)

سماجیات معاشرے کی سائنس ہے۔ یہ معاشرے کی ابتدا، ترقی اور ساخت سے متعلق ہے اور اس کے مقاصد اور کارناموں کا مطالعہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس میں سماجی روایات، رسم و رواج اور عقائد بیان کیے گئے ہیں اور انسانی ثقافت اور تہذیب کی ابتدا اور ترقی سے متعلق ہے۔ گیٹل کے بقول، "سماجیات ایک عمومی سماجی سائنس ہے، یہ سماجی مجموعی سے متعلق ہے اور مجموعی طور پر سماجی زندگی کے حقائق اور قوانین کو بے نقاب کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ عمرانیت انسان کی بنیادی، مذہبی اور سماجی ترقی سے متعلق ہے۔ جب کہ علم سیاسیات بنیادی طور پر انسان کی سیاسی پیش رفت سے وابستہ ہے۔ چوں کہ سیاسی حقائق صرف سماجی حقائق کے ایک حصے سے ہیں، لہذا سیاسیات کا دائرہ عمرانیت کے مقابلہ میں بہت کم ہے۔ دوسرے لفظوں میں، ہم کہہ سکتے ہیں کہ عمرانیت تمام سماجی علوم کی ماں ہے اور سیاسیات صرف سماجیات کی ایک شاخ ہے۔" عمرانیت ایک عام سماجی سائنس ہے، "پروفیسر گلکرسٹ کہتے ہیں، یہ سماجی زندگی کے بنیادی حقائق سے نمٹتا ہے اور چوں کہ سیاسی زندگی سماجی زندگی کے مجموعی حصے کا صرف ایک حصہ ہے، سماجیات علم سیاسیات سے زیادہ وسیع ہے۔

اب اس حقیقت کے بارے میں کوئی شک نہیں ہے کہ علم سیاسیات اور عمرانیت کے درمیان قریبی تعلق ہے۔ یہ دونوں ہی انسان کی سرگرمیوں کا مطالعہ کرنے، معاشرے میں رہنے میں ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ سماجیات کی ابتدا، ترقی، ساخت اور سماجی گروہوں سے متعلق ہے۔ یہ ان کی شکلوں، قوانین، روایات، رسم و رواج، اداروں، افکار اور عمل اور انسانی تہذیب و ثقافت کی ترقی میں ان کے شراکت سے متعلق ہے۔ چوں کہ اس سے پہلے اور تاریخی مرحلے میں یہ سب اور دوسرے استعمال سے متعلق ہے، اس سے علم سیاسیات کو اس معنی میں مدد ملتی ہے کہ وہ ان حقائق کو پیش کرتا ہے جو سماجی قوانین اور سیاسی اداروں کی اصل کو جاننے میں مدد کرتے ہیں۔

ڈاکٹر وی پی ورما کا مشاہدہ ہے، "در اصل، ہم یہ اعتراف نہیں کر سکتے کہ سیاسی اور سماجیات کے مابین بہت ہی قریبی تعلقات رہے ہیں۔ افلاطون اور ارسطو سے لے کر لاسکی اور ڈیوڈ ایسٹن تک کے تمام نامور دانشوروں نے سماجی اور سیاسی معاملات میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ کامیٹے، اسپنسر، پیرٹو، درکھام اور میکس ویبر جیسے نامور ماہر سماجیات کے ذریعے سماجیات کے مطالعے کے طریقوں میں جو اصلاح کی گئی ہے انہوں نے سیاسی نظریہ کے مطالعے میں بہت اہم کردار ادا کیا ہے

یہاں علم سیاسیات میں، چوں کہ اداروں کے سماجی اساس میں سیاسی طرز عمل اور دلچسپی پیدا ہوئی ہے، تب سے اس نے سماجی سائنس کے تصورات اور طریقوں کے اطلاق کی حوصلہ افزائی کی ہے۔ اس کے نتیجے میں ایک نیا عنوان 'سیاسی سماجیات' نکلا ہے۔ درحقیقت، سیاسی سماجیات کے عملدار نہ صرف سیاسی طرز عمل کی وضاحت کرنے کی پیش کش کرتے ہیں بلکہ میکس ویبر اور رابرٹ میشل کے تخلیقات میں

یور وکریک اسٹرکچر کے تجزیے کو پیش کیا گیا ہے، وہ اسے مختلف تخلیقی ڈھانچے پر بھی لاگو کرنے کی کوشش کرتے ہیں، جیسے سرکاری ایجنسیاں، ٹریڈ یونین، سیاسی جماعتیں وغیرہ۔

سیاست کا ایک عمل جو عوامی فیصلوں تک پہنچتا ہے، یہ فیصلہ تب ہی کارگر ثابت ہو سکتے ہیں، جب یہ معلوم ہو جائے کہ مختلف گروہوں کو کن کن مقاصد سے حوصلہ افزائی کر رہے ہیں؟ کسی بھی سماجی کاروائی سے زیادہ ہو سکتی ہے اور اس کی کامیابی کے کتنے امکانات کی صلاحیت ہوگی۔ لوگوں کی اقدار، روایات، روش، مزاج، عقائد اور تعصبات کے بارے میں جاننا ضروری ہے۔ سماجی سائنس خاص طور پر اس سیاست میں معاون ہے۔ اگر دیکھا جائے تو، آج کی سیاسیات رسمی تنظیموں اور عملوں کے مطالعے سے زیادہ غیر رسمی عمل اور اداروں کو سمجھنے کے لیے زیادہ تیار ہے اور اس کے لیے سماجی سائنس کی حمایت کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ پولیٹیکل سماجیات مطالعہ ایک شاخ ہے جس میں سیاسی ادارے عمل اور نظریات وغیرہ کو سماجی ڈھانچے اور عمل کے تناظر میں دیکھا اور جانچا ہے۔ اس میں، سیاسی نظام کو سماجی نظام کے ایک ذیلی نظام کے طور پر دیکھا جاتا ہے اور ان کے تعامل کی جانچ کی جارہی ہے۔

3.3.4 علم سیاسیات اور علم نفسیات (Political Science and Psychology)

نفسیات انسان کی طرز عمل سے نمٹنے والی نفسیات کی سائنس ہے۔ یہ "طرز عمل کی مثبت سائنس" ہے۔ وارڈ کے مطابق، "نفسیات انفرادی تجربے کی سائنس ہے۔" ووڈو تھ کا کہنا ہے کہ "نفسیات" ماحولیات کے سلسلے میں فرد کی سرگرمیوں کی سائنس ہے۔ یہ "سماجی شعور کی سائنس اور انسانی زندگی کے معقول اور غیر معقول پہلوؤں سے نمٹتی ہے۔" چون کہ علم سیاسیات انسانی زندگی کے سیاسی پہلو سے متعلق ہے، اس لیے اس بات کو سمجھنا ضروری ہے کہ اس کا قربت نفسیات سے ہے جو انسانی طرز عمل کے تمام فریقوں سے وابستہ ہے۔ نفسیات انسان کی نفسیات سے متعلق ہے اور ایک فرد کی حیثیت سے اور گروہوں میں بھی اس کے طرز عمل کی تحقیقات کرتی ہے اور اپنے افعال کے پیچھے کام کرنے والے محرکات کی وضاحت کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ سیاسیات جو انسانی زندگی کے سیاسی پہلو سے متعلق ہے، نفسیاتی اثرات کے دعووں کو نظر انداز نہیں کر سکتی۔ مملکت اور دیگر سیاسی ادارے انسانی ذہن کی تحقیق ہیں اور لہذا انہیں انسانی ذہن کی شرائط میں بہتر طور پر سمجھا جاسکتا ہے۔ اس سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ نفسیات اور سیاسیات کے مابین گہرا تعلق ہے۔ سیاسی نظریات نے سماجی ماہر نفسیات کو متاثر کیا ہے اور نفسیاتی انداز نے سیاسی تفتیش کاروں کو سیاست کے حیران کن مسائل کا حل تلاش کرنے میں مدد فراہم کی ہے۔

مروجہ سیاسی، سماجی اور مذہبی رجحانات کی وجہ سے انسانی افعال بہت حد تک متاثر ہوتے ہیں اور یہ نفسیات ہے جو ان کا مطالعہ کرتی ہے۔ یہ انسان کی ذہنی مرتبہ ہونے، اس کے احساسات اور اس کے سلوک سے متعلق ہے۔ لہذا، انسان کے سیاسی اعمال کا مطالعہ کرنے سے پہلے انسانی نفسیات کا مطالعہ کرنا ہمیشہ قابل قبول ہے۔ مثال کے طور پر، جب بھی کوئی حکومت بنیادی اصلاحات لانے کے مقصد سے نیا قانون پاس کرتی ہے، تو اسے عوامی رد عمل پر پوری توجہ دینی پڑتی ہے۔ کوئی بھی رائے عامہ کے دعووں کو نظر انداز نہیں کر سکتی ہے اور اگر رائے عامہ کے دعووں کو نظر انداز کر دیا گیا تو انقلاب کے ٹوٹنے کے ہر امکان موجود ہیں۔ 1789 میں فرانسیسی انقلاب، 1917 میں روسی انقلاب، 1949

میں چینی انقلاب اور 1979 کا ایرانی انقلاب، پھوٹ پڑا کیونکہ ان ممالک کی حکومتوں نے رائے عامہ کے دعووں کو نظر انداز کیا۔ صرف چند سال پہلے، حکومت شراب نوشی، سونے پر قابو پانے اور لازمی جمع کروانے کی اسکیم کے سلسلے میں ہندوستان نے قوانین منظور کیے۔ اگرچہ یہ قوانین ملک کے مفاد میں ہیں لیکن پھر بھی وہ اس صورت میں ایک کامیابی ثابت کر سکتے ہیں جب عوام ان کا پورے دل سے ساتھ دے۔ ہم اس وقت کے اہم مسائل کو حل کرنے میں صرف اسی صورت میں کامیاب ہو سکتے ہیں جب ہم نے پہلے رائے عامہ کا مطالعہ کیا ہو۔ اس سلسلے میں پروفیسر باکر نے نہایت ہی مناسب طریقے سے پیش کیا ہے، "انسانی سرگرمیوں کے چھلے پر نفسیاتی سراگ لگانا واقعی اس وقت کا فیشن بن گیا ہے۔ اگر ہمارے آباؤ اجداد نے حیاتیاتی طور پر سوچا تو ہم نفسیاتی سوچتے ہیں۔"

نفسیات کی بنیادی تشویش انسانی طرز عمل کے محرک عناصر کو سمجھنا اور یہ جاننا ہے کہ انفرادی اور اجتماعی طرز عمل میں کیوں اختلافات ہیں۔ کچھ انسانی سرگرمیاں خود انسان کی ذہنی تخلیق کی پیداوار ہوتی ہیں۔ لیکن اس کے کچھ اقدامات کا اندازہ اس انداز سے ہوتا ہے جس میں وہ مختلف سماجی حالات میں شریک ہوتا ہے۔ انسان کی شخصیت سازی اور ذاتی طرز عمل کا ایک اہم ذریعہ یہ ہے کہ وہ پیش کردہ سماجی صورت حال میں دوسرے افراد کے ساتھ کس طرح بات چیت کرتا ہے؟ لہذا نفسیات بھی اس بات کا پتہ لگاتی ہے کہ مختلف قسم کے گروہوں میں شامل ہو کر کسی شخص کے طرز عمل میں کیا تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں۔ اس سے نفسیات کی ایک مخصوص شاخ "سماجی نفسیات" کی پیدائش ہوئی ہے۔

ہیرالڈ لاس ویل نے اپنے شاگردوں کو عسکریت پسندوں کی تحریکوں کی قابلیت میں نفسیاتی عناصر کے اثر و رسوخ کا مطالعہ کرنے کی ترغیب دی، اور انہوں نے عام طور پر سیاسی طرز عمل پر ان عناصر کے اثر و رسوخ پر بھی غور کیا۔

یہاں علم سیاسیات کے میدان میں، اس طرح کے عمل کا مطالعہ کرنا ضروری ہے جن کا تعلق براہ راست نفسیات سے ہے۔ ان کی مثالیں ہیں: عوامی رائے کا تخلیق اور عوامی تاثرات، رہنمائی کے مراسلے، جس میں کرشماتی قیادت بھی شامل ہے اور سیاسی ثقافت کے پھیلاؤ میں بڑے پیمانے پر مواصلات کے پروپیگنڈا اور میڈیا کا کردار بھی شامل ہے۔ سیاسی عمل کے اس اہم پہلو کو سمجھنے کے لیے سماجی نفسیات کی مدد لی جاتی ہے۔ اس کی وجہ سے نفسیات کی ایک نئی شاخ کی ترقی ہوئی جس کو سیاسی نفسیات یا پولیٹیکل سائیکولوجی کہتے ہیں۔ سیاسی نفسیات نفسیاتی مطالعے کی ایک شاخ ہے جس میں کسی فرد کی شخصیت اور اس کے سیاسی طرز عمل کے مابین تعلقات کی تلاش کی جاتی ہے۔

3.3.5 علم سیاسیات اور علم اخلاقیات (Political Science and Morality)

سیاسیات اور اخلاقیات کے مابین تعلقات بہت قریب ہیں۔ وہ ایک دوسرے سے بہت قریب ہیں۔ اخلاقیات اور سیاسیات دونوں ہی سماجی علوم ہیں اور دونوں علوم کے مقاصد ایک جیسے ہیں۔ ان دونوں کا مقصد انسان کے ساتھ بھلائی کرنا اور مشترکہ فلاح و بہبود کو فروغ دینا ہے۔ مملکت امن، نظم و امان اور امن کو برقرار رکھنے اور لوگوں کی فلاح و بہبود کے فروغ کے لیے منظم کی گئی تھی۔ اخلاقیات اخلاق کی قوانین سے نمٹتی ہیں اور ضابطہ اخلاق کی سفارش کرتی ہیں۔ جدید مصنفین بھی اخلاقیات اور سیاسیات کے مابین گہرا تعلق رکھتے ہیں۔ ہمارے ملک میں گاندھی جی نے دونوں علوم کے مابین ایک قریبی رشتہ دریافت کیا۔ انہوں نے اخلاقی اقدار کے ساتھ سیاسی اصولوں کو جوڑنے کی کوشش کی اور اس حقیقت پر

زور دیا کی آخر وسائل کا جواز پیش نہیں کر سکتے ہیں۔ انہوں نے سختی سے تصدیق کی کہ دونوں سرے اور ذرائع ہمیشہ اچھے رہنے چاہیے۔ وہ محبت، سچائی اور عدم تشدد کے اصولوں کے لیے زندہ رہا اور مر گیا۔

بلاشبہ اخلاقیات علم سیاسیات سے پہلے ہیں۔ لیکن اگر سیاسیات کا انحصار اخلاقیات پر ہے۔ اخلاقیات کا بھی انحصار سیاسیات پر نہیں ہوتا ہے۔ جدید دور میں ہم محسوس کرتے ہیں کہ حکومت لوگوں کے طرز عمل کو وسعت دینے کے لیے ہر ممکن اقدام اپناتی ہے۔ ہمارے وزیر اعظم نہرو نے نہ صرف ہندوستان میں بلکہ دنیا میں بھی اخلاقیات کے معیار کو فروغ دینے کے مقصد سے پنچ شیل (Panchsheel) کے اصولوں کی حمایت کی۔ پنچ شیل کے اصول سے ہمارا مطلب ہے کہ کسی بھی ملک کو کسی دوسرے ملک پر حملہ نہیں کرنا چاہیے۔ تمام ممالک کو باہمی تنازعے کو پُر امن اور عدم تشدد سے حل کرنا چاہیے اور ان کو حل کرنے میں طاقت کا استعمال نہیں کرنا چاہیے۔

اخلاقیات کو سماجی سائنس تو نہیں مانا جاتا لیکن سیاسیات کے ساتھ اس کا بھی گہرا رشتہ ہے۔ علم اخلاقیات فلسفہ کی ایک اہم شاخ ہے۔ لہذا، جب تک علم سیاسیات فلسفے سے وابستہ رہی، تب تک اخلاقیات سے نبرد آزما رہے۔ اخلاقیات 'اچھے' اور 'برے' اور 'صحیح' اور 'غلط' کے سوالوں پر غور کرتی ہیں۔ ابتدا میں یہ سوالات سیاسی زندگی کے تناظر میں سیاسی فلسفہ کے اہم موضوعات تھے۔ افلاطون اور ارسطو نے مملکت کو 'گڈ لائف' کے ذریعے قبول کیا۔ افلاطون نے انویاں کے تصور کی بنیاد پر مثالی مملکت کا اصول تیار کیا جو اخلاقیات کے میدان سے وابستہ ہے۔

3.3.6 علم سیاسیات اور علم بشریات (Political Science and Anthropology)

انسداد سائنس، جیسے کہ انسائیکلو پیڈیا آف سوشل سائنسز اس کی تعریف کرتا ہے، انسان کے ساتھ ایک سماجی وجود کی حیثیت سے پیش آتا ہے۔ مختلف علاقوں میں پائی جانے والی نسلیں، زبانیں اور ثقافتیں اور وقت کے ساتھ ساتھ ایک دوسرے کی پیروی کرنا مادہ ہے اور اس میں انسانیت کے مطالعے کے مسائل ہیں۔ سیاست بشریات کے ذخیرہ اندوزی سے مال کی دولت جمع کرتی ہے۔ معتد قسم کے سماجی نظاموں کا نتیجہ اخذ کیا گیا ہے جو سیاست میں تقابلی تجزیہ کی حیثیت سے ایک انمول مدد ہے، چوں کہ ہمارے بہت سے عصری رواجوں اور اداروں کی جڑیں دور ماضی کی تاریکی میں پیوست ہیں، بشریات، اپنا پورا حساب کتاب کرتے ہوئے، سیاسی تجزیہ کو تقویت بخشتی ہیں۔

خاص طور پر، قومی کردار انسانیت کے اعداد و شمار کے قیام کے مطالعے میں کافی اہمیت کی حامل ہے۔ جرمنی کے فاشسٹوں کے ایک گروہ نے سیاسی کامیابی کے مقصد کو پورا کرنے کے لیے قومی کردار کے تعین ہونے کی حیثیت سے مذہبی حقیقت کو گمراہ کر دیا تھا۔ انہوں نے "جرمن قوم کو مستحکم کرنے اور اس کی وسعت کو بڑھانے کے لیے اس کی خواہش کو مستحکم کرنے کے لیے" قابل خدمت بنائے جانے کے مقصد کے ساتھ نورڈک یا آریائی ریس کا ایک افسانہ تخلیق کیا۔ کوئی سمجھدار ماہر بشریات، تاہم، آج اس طرح کے مابعد نظریہ کی پیروی نہیں کرتے ہیں۔ علم سیاسیات میں بشریات کی اہمیت کو بڑھا چڑھا کر پیش کیے بغیر، اچھی طرح سے تبصرہ کیا جاسکتا ہے کہ سابقہ انمول 'پروٹو ہسٹری' مہیا کرتا ہے لیکن اس کے خلاصے کی تشکیل میں سیاسیات کی تفہیم کے لیے بنیادی نہیں ہے۔

3.3.7 علم سیاسیات اور فقہی (Political Science and Jurisprudence)

علم سیاسیات اور فقہی معاملات ایک دوسرے سے زیادہ قریب نہیں ہیں لیکن ان کے مابین ایک قریبی قربت ہے۔ جیسا کہ پہلے ہی کہا جا چکا ہے کہ علم سیاسیات مملکت اور حکومت کے ساتھ معاملات کرتی ہے جب کہ فقہ قانون سے متعلق ہے۔ علم سیاسیات مملکت اور حکومت کی سائنس ہے، فقہ قانون کی سائنس ہے۔ سیاسیات سیاسی آرڈر سے متعلق ہے جب کہ فقہ قانونی حکم سے متعلق ہے۔ کوئی بھی مملکت قانون بنانے اور نفاذ کیے بغیر کام نہیں کر سکتی۔ حقیقت یہ ہے کہ مملکت قانون کے ذریعے کام کرتی ہے۔ سیاسیات حکومت کی مملکت کا مطالعہ ہے جب کہ فقہ قانون کی تعلیم ہے اور اگر مملکت قانون کے ذریعے کام کرتی ہے تو، قانون بھی مملکت کے ذریعے منظور ہوتا ہے۔ یہ مملکت ہی وہ ڈھانچہ مہیا کرتی ہے جس میں قوانین بنائے جاتے ہیں اور حکومت ہی قوانین کو نافذ کرتی ہے۔

فقہ عوامی قوانین، بین الاقوامی قوانین اور آئینی قوانین سے متعلق ہے۔ سیاسیات کا ان قوانین سے گہرا تعلق ہے کیونکہ یہ وہ مملکت ہے جو قوانین کو تشکیل دیتی ہے اور حکومت ہی ان کے زیر انتظام ہے۔ یہ وہ مملکت ہے جو آئین کو تشکیل دیتی ہے اور اس کو منظم کرتی ہے۔ بین الاقوامی قوانین کو مملکتوں کے مابین امن برقرار رکھنے کے مقصد سے تشکیل دیا گیا ہے۔ کوئی قانون حکومت کی مدد لیے بغیر قانون کی تشکیل اختیار نہیں کر سکتا۔ یہ حکومت ہے جو قوانین کو نافذ کرتی ہے اور یہ قانون ہے جو حقوق اور فرائض کا تعین کرتا ہے جس کے ساتھ سیاسیات کام کرتا ہے۔ یہ صرف فقہ ہے جو آئین، اقتدار اعلیٰ، حقوق، فرائض اور بین الاقوامی قانون کی تعریف کرنے کی کوشش کرتی ہے۔

منو، بجنیو الکیا ہندوستان میں، بلیک اسٹون اور آسٹن انگلینڈ میں عظیم فقہار ہیں۔ وہ سیاسیات اور فقہ دونوں پر قائم ہیں۔ یہ آسٹن تھا جس نے "نظر یہ حاکمیت" دیا جو نظریاتی سیاست میں اپنی حیثیت سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ منو اور بجنیو الکیا نے ایک بادشاہ اور اس کی انتظامیہ کے فرائض کو نبھایا۔

مملکت، جو علم سیاسیات کا مرکزی موضوع ہے، قانون کے ذریعے چلتی ہے۔ لہذا، قانون سائنس کی حیثیت سے فقہی سیاست کا گہرا تعلق ہے۔ سینتھم، آسٹن، جیلنک، اسٹامر جیسے نامور سیاسی فلاسفرس نے سیاسی نظاموں کے بارے میں نظریات کے مطابق فقہی تصورات تعمیر کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ کافی پرانی کہاوٹ ہے کہ قوانین کسی خاص سماجی طرز کے عکاس ہوتے ہیں۔ ایک معاشرے میں کسانوں کی اکثریت آبادی موجود ہے جو یقینی طور پر ایک جدید صنعتی عنصر والے قوانین سے مختلف ہوگا۔ مزید یہ کہ، قانونی نظام کو ایک برادری کے بدلتے ہوئے انداز کے مطابق رہنا ہوگا۔ چون کہ قانون سماجی تعلقات کو منظم کرنے کی کوشش کرتا ہے، جب یہ تعلقات سماجی ضابطوں کو، جو قانون کے نام سے جانا جاتا ہے، کو بھی تبدیل کرتے ہیں تو، ضروری ترمیم سے گزرتے ہیں۔

یہ کہتے ہیں کہ تقریباً سو سال پہلے انگلستان میں سرمایہ دارانہ مزدوری کا رشتہ حاصل ہوا، جس سے بڑھتی ہوئی جمہوریت اور ٹریڈ یونین ازم کی تنظیم کے اثرات کے تحت ایک بنیادی تبدیلی آئی ہے۔ انگیزی قانون نے ایک اہم حد تک، اس حقیقت کا ادراک لیا ہے اور اسے اجتماعی خطوط پر دوبارہ تشکیل دیا گیا ہے۔

3.3.8 علم سیاسیات اور اعداد و شماریات (Political Science and Statistic)

تاریخی طور پر، اعداد و شمار اور علم سیاسیات کا گہرا تعلق رہا ہے۔ جدید شماریات کی سترہویں صدی کی جڑیں 'سیاسی ریاض' اور 'یونیورسٹی' کے اعداد و شمار' ہیں۔ انگلینڈ میں 'سیاسی ریاض' کا تعارف ولیم پیٹی نے کیا تھا اور 'یونیورسٹی' کے اعداد و شمار' کی بنیاد جرمن پروفیسر ہیرمن کانگ نے رکھی تھی۔ 'دونوں اپنے دن کی مملکت کی تعمیر اور مملکتی تحفظ کے سیاسی مسائل سے وابستہ تھے اور دونوں اپنے سیاسی نظریات کے لیے تجرباتی بنیادوں کے حصول کے بارے میں تشویش رکھتے تھے۔'

سیاسی زندگی کی عمومی وضاحتیں مرتب کرنے کی کوشش میں، جرمن اسکول کا وضاحتی زور اتنا ہی اہم ہو گیا جتنا انگریزی اسکول کی اعضا حتی نقطہ نظر۔ اس کے بعد سے کاز کے اعداد و شمار کے تجزیہ میں سائنسی دلچسپی کا تعلق۔ متغیر، رویوں وغیرہ کے وضاحتی اکاؤنٹ سے ہے جو سیاسی عمل کو متاثر کرتے ہیں، اور۔ ان متغیرات، صفات اور افعال کی سیاسی معنی خیز وضاحت۔ اعداد و شمار کا تعلق منظم اور طریقہ کار جمع، تجزیہ اور عددی اعداد و شمار کی پیش کش سے ہے۔ حکومت کے مطالعے میں سیاسی علموں (پارٹیوں وغیرہ)، سیاسی اداروں (جیسے مقننہ، بیوروکریسی وغیرہ)، سرگرمیاں اور حکومت کے نتائج اور شہریوں پر ان کے اثرات سے متعلق مختلف اقسام کی تجرباتی تحقیقات شامل ہیں۔ ان تمام تحقیقات میں، ڈیٹا کا تجزیہ ناگزیر ہے۔ اس لیے سیاست میں اعداد و شمار کی اصل شراکت سیاسی افہام و تفہیم کو بڑھانے کے لیے جانکاری کے اعداد و شمار کے تجزیہ کی سہولت ہے۔ یہاں بہت سارے ترقی یافتہ اعداد و شمار کے طریقے اور ماڈل ہیں (جیسے تغیر اور ہم آہنگی کا تجزیہ، متعدد شماریاتی نظریہ) جو سیاسی تجزیہ میں سائنسی سختی کو متعارف کرانے اور سیاسی مظاہر کی واضح وضاحتیں پیش کرنے کے لیے تیزی سے استعمال ہو رہے ہیں۔

احتیاط کا ایک لفظ یہاں ہونا ضروری ہے۔ ایک کہاوٹ ہے کہ ایک ایسے معاشرے میں جہاں شماریات دان ترقی کرتے ہیں، آزادی اور انفرادیت کا انکشاف کیا جاتا ہے۔ مملکت کے ذریعے اکثر اعداد و شمار کو جوڑا جاتا ہے تاکہ تنگ، متعصبانہ مفادات کو پورا کیا جاسکے۔

3.3.9 علم سیاسیات اور جغرافیہ (Political Science and Geography)

علم سیاسیات اور جغرافیہ کے مابین گہری قربت ہے۔ "جیو" کا مطلب زمین ہے اور "گرافی" کا مطلب تفصیل اور زمین کی تفصیل جغرافیہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہ "زمین کی سطح، شکل، طبعی خصوصیات، قدرتی اور سیاسی تقسیم، آب و ہوا، پیداوار، آبادی" کی سائنس ہے۔ اس میں آب و ہوا، انسولیت، مٹی کے کردار، پہاڑوں، میدانی علاقوں، دریاؤں اور سمندر کے مقامات اور نقش نگاری سے متعلق معاملات ہیں۔ یہ کہے بغیر کہ عام طور پر جغرافیائی حالات خصوصاً جسمانی ماحول ملک کے کردار اور قومی زندگی کو متاثر کرتے ہیں۔ نہ صرف یہ کہ وہ قومی پالیسیوں اور حکومتوں کے ڈھانچے اور اس کے افعال کو بڑے پیمانے پر متاثر کرتے ہیں۔ ایک سیاسی تفتیشی جغرافیہ کا مطالعہ علم سیاسیات پر جغرافیائی حالات اور جسمانی ماحول کے اثر کو جاننے کے لیے کیا گیا۔ جیو-سیاست نے اسے سیاسی ادروں کی ابتدا اور نشوونما کے مطالعے سے متعلق مفید معلومات فراہم کیں۔ کسی ملک کے سیاسی اداروں کے تاریخی سروے کا مٹی، پہاڑوں، میدانی علاقوں، ندیوں اور تندرستی کی نوعیت سے گہرا تعلق ہے۔

حالیہ برسوں میں بلنشنلی، ٹریڈنگ، رائٹر، رتزیل، ریکس، میکندر، ہنٹنگٹن اور دیگر نے انفرادی کردار پر جسمانی یا رضیاتی عوامل کے اثر و رسوخ پر اور سیاسی اداروں اور حکومتی پالیسیوں پر تبادلہ خیال کیا ہے اور ان پر زور دیا ہے۔ "کیلٹیٹی، رپلے، گیڈیڈی، سیمپل اور جیمس رسل اسمتھ نے حالیہ سیاسی جغرافیہ میں بھی ایسا ہی کیا ہے جس کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ انہوں نے انفرادی اور قومی کردار پر آب و ہوا، خوراک اور مٹی کے اثر کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا ہے، پھر بھی وہ محافظوں کے بغیر نہیں ہیں۔ مثال کے طور پر، یہ عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے کہ سوئٹزر لینڈ کے پہاڑی اور لینڈ سلک کردار نے اس ملک کے سیاسی اداروں کو کافی حد تک متاثر کیا ہے۔ فلپ، اسپین کا حکمران، نیولین، فرانس کا حکمران، اور ہٹلر، جرمنی کا ڈکٹیٹر، صرف برطانوی چینل کی وجہ سے انگلینڈ کو فتح نہیں کر سکا۔ اس طرح، جرمن مصنفین نے اس بات پر زور دیا ہے کہ یہ جرمنی کی جغرافیائی حیثیت ہے، کیونکہ یہ یورپ کے مرکز میں اس کے متعدد محاذوں پر قدرتی حدود رکھے ہوئے ہے جس کی وجہ سے ایک مضبوط فوجی طاقت کا ہونا ضروری ہو گیا ہے۔ پروفیسر سیگمین کپتے ہوئے کی حد تک جاتے ہیں کہ "نام نہاد اینگلو سیکسن انفرادیت بڑی حد تک موسمی حالات کی پیداوار ہے۔ انفرادیت کا پورا نظریہ، "ان کا ماننا تھا، "ایک نئے ماحول کے موسمی حالات کا معاشی اور سب سے نیچے کا فطری نتیجہ تھا۔"

ایک ملک کے سیاسی اداروں پر جغرافیائی حالات کے اثر و رسوخ پر ہمیشہ ہی ارسطو سے لے کر موجودہ دور تک مختلف سیاسی مصنفین نے زور دیا ہے۔ ارسطو کے بعد، بودا، روسو اور بکل نے اس خیال کی حمایت کی۔ جدید دور میں متعدد مصنفین نے سیاسی اداروں پر جغرافیائی عوامل کی افواہوں پر کافی توجہ دی ہے۔ "جغرافیائی سیاست" کو "سیاسی جغرافیہ" دینے میں تحقیق اور تحریروں نے تعاون کیا ہے۔

جدید دور میں متعدد مصنفین نے جغرافیائی عوامل کی طرف حکومت کے ڈھانچے اور اس کے آپریشن کے عین مطابق کافی توجہ دی ہے۔ اس کے نتیجے میں 'جیوپولیتکس' کے نام سے جانے والے ایک نئے نظم و ضبط کی نشوونما ہوئی ہے، جس کے مقصد سے مملکتوں میں بیرونی مسائل، خاص طور پر قومی طاقت، محاذوں اور توسیع کے امکانات کے مسائل کے لیے سیاسی اور معاشی جغرافیہ کا اطلاق ہوتا ہے۔

3.4 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اس اکائی میں ہم نے:

- علم سیاسیات کے دیگر سماجی علوم سے وابستگی کو سمجھا۔
- علم سیاسیات اور تاریخ کے تعلقات کا گہرائی سے مطالعہ کیا۔
- علم سیاسیات اور سماجیات کے تعلقات کے بارے میں جانا۔
- علم سیاسیات اور علم نفسیات کے مابین تعلقات کو سمجھا۔
- علم سیاسیات اور اخلاقیات، علم بشریات، جغرافیہ اور فقہی کے تعلقات کا مطالعہ کیا۔

3.5 کلیدی الفاظ (Keywords)

- فقہی : اس کے تحت قانون کا تصوراتی طور پر مطالعہ کیا جاتا ہے۔
- علم نفسیات : ایک ایسا علم انسان کی دماغ اور اس کے حرکات کا سائنٹفک مطالعہ ہوتا ہے۔
- علم تاریخ : ماضی میں ہوئے واردات کا سلسلے وار طریقے سے مطالعہ ہے۔
- مملکت : لوگوں کا ایک سیاسی گروہ ہوتا ہے جو کسی حکومت، قوم یا کامنویلتھ کے ماتحت رہتا ہے۔

3.6 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

3.6.1 3.6.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1- یہ کس اسکالر کا بیان ہے: "ہم دوسرے سماجی علوم کے حصوں کے بغیر علم سیاسیات اور مملکت کے بارے میں مکمل معلومات حاصل نہیں کر سکتے، اس طرح کہ بغیر ریاضی کے میکائکس اور کیمسٹری کے حیاتیات کا بے محل علم حاصل نہیں کیا جاسکتا؟"

(a) گارنر (b) کارل مارکس

(c) گراہم والاں (d) بلنٹلی

2- کس اسکالر نے کہا ہے: "اگر تاریخ کے مطالعے سے علم سیاسیات کو بہتر نہیں بنایا گیا تو وہ بے ہودہ ہو جاتا ہے؟"

(a) افلاطون (b) سیلے

(c) ارسطو (d) برائنس

3- علم..... انسان کی ذہنی سرگرمیوں اور بیرونی طرز عمل کا مطالعہ کرتا ہے۔

(a) نفسیات (b) سماجیات

(c) بشریات (d) معاشیات

4- 18 ویں صدی سے پہلے مختلف سماجی علوم موجود نہیں تھے۔ پورے معاشرے کا مطالعہ فلسفہ سے وابستہ تھا، لیکن 18 ویں صدی میں کچھ علمائے کرام 'سیاسی معاشیات' کو بطور آزاد سماجی سائنس قائم کرنے کی کوشش کی، ان علمائے کرام کا کیا نام ہے؟

(a) پھیبیو کریٹس (b) ایڈم اسمتھ

(c) دونوں (d) کوئی نہیں

5۔ اس منطق کی بنیاد پر، کس نے اس 'سیاسی معیشت' کی سختی سے مخالفت کی جسے کہ ایڈم اسمتھ نے ایک سماجی سائنس کے طور پر قائم کیا تھا؟

(a) کارل مارکس (b) برائس

(c) اگست کامٹ (d) گارنر

6۔ "نفسیات" ماحولیات کے سلسلے میں فرد کی سرگرمیوں کی سائنس ہے

(a) وارڈ (b) جان بولی

(c) ووڈتھ (d) ولوبی

7۔ سماج (سوشل) سائنس ریسرچ کونسل "کی تشکیل..... میں عمل میں آئی۔

1969(a) 1979(b)

1989 (c) 1999(d)

8۔ بین الاقوامی قانون کو کس مقصد کے لیے تشکیل دیا گیا ہے۔

(a) امن قائم کرنے (b) قانون بنانے کے لیے

(c) حقوق کے لیے (d) ان میں سے کوئی نہیں

9۔ تاریخ سیاست ماضی ہے۔ سیاست موجودہ کی تاریخ ہے؟ یہ..... کا قول ہے۔

(a) جان بولی (b) فری مین

(c) سیلی (d) ولوبی

10۔ مشہور کتاب "پولیٹکس" کے مصنف..... ہیں۔

(a) ارسطو (b) افلاطون

(c) سقراط (d) ان میں سے کوئی نہیں

3.6.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. علم سیاسیات کا دوسرے سماجی علوم سے وابستگی کا پیش منظر بیان کیجیے۔

2. علم سیاسیات اور تاریخ کے تعلقات پر تبادلہ خیال کیجیے۔

3. علم سیاسیات اور جغرافیہ کے تعلقات پر ایک مختصر تبصرہ کیجیے۔
4. علم سیاسیات اور نفسیات کے تعلق سے ایک مختصر مضمون لکھیے۔
5. علم سیاسیات اور اقتصادیات کے تعلق پر روشنی ڈالیے۔

3.6.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. علم سیاسیات کیا ہے؟ اس کی اہمیت پر روشنی ڈالیے۔
2. علم سیاسیات کے دیگر سماجی علوم کے ساتھ تعلقات پر تبادلہ خیال کیجیے۔
3. علم سیاسیات اور اعداد و شمار کے تعلقات پر تفصیلی بحث کیجیے۔

معروضی سوالات کے جوابات:

(a)	-5	(b)	-4	(a)	-3	(b)	-2	(a)	-1
(a)	-10	(c)	-9	(a)	-8	(a)	-7	(c)	-6

اکائی 4- مملکت: معنی، عناصر اور نظریہ: سماجی معاہدہ کا نظریہ

(State: Meaning, Elements and Theories: Social Contract Theory)

اکائی کے اجزاء:

تمہید	4.0
مقاصد	4.1
مملکت کی تعریف	4.2
مملکت کے ضروری عناصر	4.3
مملکت کے نظریات	4.4
سماجی معاہدے کا نظریہ	4.5
اکتسابی نتائج	4.6
کلیدی الفاظ	4.7
نمونہ امتحانی سوالات	4.8
معروضی جوابات کے حامل سوالات	4.8.1
مختصر جوابات کے حامل سوالات	4.8.2
طویل جوابات کے حامل سوالات	4.8.3

4.0 تمہید (Introduction)

علم سیاست کا سب سے اہم موضوع بحث مملکت یا مملکت ہے۔ اس وجہ سے بہت سے مفکرین ”علم سیاست کرتے ہوئے یہ بتاتے ہیں کہ یہ مملکت و سرکار یا حکومت کے متعلق علم کا نام ہے۔ جیسا کہ گارز کا کہنا ہے کہ ”علم سیاست کے مطالعہ کی شروعات مملکت سے ہوتی ہے اور اختتام بھی مملکت پر ہی ہوتا ہے۔“ سماجی تنظیموں میں مملکت سب سے زیادہ طاقتور اور وسیع تنظیم ہے۔ ایک شہری کی زندگی مملکت کے چاروں طرف گردش کرتی ہے۔ اس کے اندر رہ کر ہی شہری اپنے اندر موجودہ جوہر کو پروان چڑھا سکتا ہے۔ ارسطو Aristotle کے لفظوں میں ”انسان فطرتاً سماجی اور سیاسی مخلوق ہے۔ مملکت کا ارتقاء انسانی زندگی کے لیے ہوا ہے اور اس کی اچھی زندگی کے لیے ہی مملکت قائم ہے۔“ چوں کہ مملکت سماجی زندگی میں ایک اہم رول ادا کرتی ہے اسی لیے علم سیاست میں یہ مرکزی حیثیت رکھتی ہے۔

4.1 مقاصد (Objectives)

عزیز طلباء، اس اکائی میں آپ:

- مملکت کی تعریف کا مطالعہ کریں گے۔
- مملکت کے ضروری عناصر کو سمجھیں گے۔
- مملکت کے نظریات کا مطالعہ کریں گے۔
- سماجی معاہدے کا نظریہ کو سمجھیں گے۔

4.2 مملکت کی تعریف (Definition of the State)

علم سیاسیات کے ماہرین نے مملکت کی تعریف اپنے اپنے نقطہ نظر سے کی ہے۔ کیوں کہ سماجی علم کی کوئی ایک جامع اور مکمل تعریف نہیں کی جا سکتی۔ قدیم یونان (Ancient Greece) میں موجودہ زمانے کی بڑی بڑی مملکتوں کا تصور موجود نہیں تھا۔ اس لیے یونانی زبان میں ”مملکت“ یا ”مملکت“ کی اصلاح بھی نہیں ملتی۔ اس زمانے میں مملکت اور شہر میں کوئی فرق نہیں تھا۔ اس لیے مملکت کا مفہوم ادا کرنے کے لئے لفظ پولیس Police استعمال کیا جاتا تھا۔ مملکت جس کے معنی ہیں شہری مملکت (City-state) رومی زبان میں مملکت کا مفہوم لفظ Civitas سے ادا کیا جاتا تھا۔ مملکت کا جدید مفہوم ادا کرنے کے لیے لفظ ”State“ لاطینی لفظ Latin Word Status مملکت سے لیا گیا ہے۔ ایک علمی اصطلاح کے طور پر لفظ مملکت سب سے پہلے نیکولو میکیاوولی (Niccolo Machiavelli) نے اپنی کتاب پرنس (The Prince 1523) میں استعمال کیا اور یہ اس وقت سے رائج ہے۔

ارسطو (Aristotle) نے جس کو باپائے سیاسیات (Father of Political Science) کہا جاتا ہے مملکت کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔ یہ خاندانوں اور بستیوں کے اس اتحاد کا نام ہے جس کا مقصد ایک مکمل اور خود کفیل زندگی کا حصول ہے۔

"State is a union of families and villages having for its end perfect and self-sufficing life"

رومن مفکر سسر و Cicero کا کہنا ہے کہ ”مملکت اس تنظیم کو کہتے ہیں جس میں یہ احساس موجود ہو کہ سبھی انسانوں کو اس تنظیم کے فوائد کا استعمال آپس میں مل کر کرنا ہے۔“

The state is a numerous society united by a common sense of right and mutual participation in advantages

بودان (Bodin) کا کہنا ہے ”مملکت خاندانوں اور ان کی مجموعی دولت کی ایک تنظیم ہے جو اختیار اعلیٰ اور عقل کے ذریعہ کنٹرول کیا جاتا ہے۔“

The state is an association of Families and their common possessions governed by supreme power and by reason

ہالینڈ (Holland) (جو ایک نامور برطانوی مفر تھا، لکھتا ہے ”مملکت کثیر انسانی کی جماعت ہوتی ہے جو بالعموم ایک خطہ زمین پر قابض اور جس پر اکثریت یا معتد بہ افراد کی منشا رائج ہو۔“

ولوبی (Willoughby) (کا کہنا ہے کہ مملکت افراد کا ایک گروہ ہے جو منظم اور مشترک جماعتی حیثیت پیش کریں۔ ان میں ایک فرمان رواقوت موجود ہو جس کو قانونی اور اخلاقی طور پر حکمرانی کا مصدر تسلیم کیا جاتا ہے اور جس کی پابندی اس جماعت کے تمام افراد کے لئے لازمی ہو۔

گارنر (Garner) نے جو تعریف مملکت کی پیش کی ہے وہ عام طور پر سب سے زیادہ موزوں سمجھی جاتی ہے۔ اس کے خیال Dileate اس طرح ہیں ”علم سیاسیات اور قانون عامہ کے ایک تصور کی حیثیت سے مملکت (State) کم و بیش یعنی غیر متعین مقدار کے افراد کی ایک جماعت جو مستقل طور پر سکی خاص خطہ زمین پر قابض ہو۔ بیرونی مداخلت سے آزادی تقریباً آزاد ہو اور ایک منظم حکومت رکھتی ہو جس کی فرماں برداری باشندوں کی کثیر تعداد عاوتاً گرتی ہو۔

4.3 مملکت کے ضروری عناصر (Elements of the State)

مندرجہ بالا تمام تعریفوں کو پڑھ کر یہ واضح ہوتا ہے کہ چند چیزیں ان سب میں مشترک ہیں یا یوں کہا جاسکتا ہے کہ سب مفکرین چند چیزوں کو متفقہ طور پر مملکت کے بنیادی اجزائی تسلیم کرنے میں جن کے بغیر مملکت کا تصور مکمل طور پر سامنے سے نہیں آسکتا۔ اگرچہ بعض مفکرین نے کسی خاص چیز پر خصوصی طور سے روشنی ڈالی ہے۔ مملکت کے ضروری عناصر Elements of the State اس طرح ہیں۔

- افراد یا آبادی (Population)
- علاقہ یا خطہ زمین (Territory)
- حکومت (Government)
- اقتدار اعلیٰ (Sovereignty)

4.3.1 افراد یا آبادی (Population)

مملکت افراد کی ایک جماعت ہے۔ افراد کے بغیر نہ مملکت کا تصور کیا جاسکتا ہے نہ اس کا وجود ہو سکتا ہے۔ انسان کے علاوہ دوسرے حیوانات بھی گروہ پسند یا گروہ باش (Gregarious) ہو سکتے ہیں، مگر وہ مملکت قائم نہیں کر سکتے کیونکہ مملکت کا بنیادی تصور تنظیم ہے۔ ایسی تنظیم جس میں افراد کے باہمی روابط کی ترتیب قائم کی جاسکے۔ ظاہر ہے کہ حیوانات کو نہ روابط کی ترتیب کا احساس ہوتا ہے اور نہ تنظیم کی اہلیت۔ اس کے ساتھ مملکت میں فلاح عام اور منشاے انسانی کے فروغ کا تصور بھی شامل ہوتا ہے جو حیوانات کو میسر نہیں۔

اب ایک سوال یہ ہے کہ مملکت کی آبادی کتنی ہونی چاہئے، اس بارے میں مفکرین میں اختلاف ہے، افلاطون کے مطابق ایک مملکت میں 5040 پانچ ہزار چالیس افراد ہونے چاہئے۔ ارسطو نے یہ تو نہیں بتایا کہ کتنی تعداد ہو مگر وہ چھوٹے آبادی والے مملکت کو پسند کرتا تھا۔ مملکت کے قیام کے لئے افراد کو متعین نہیں کیا جاسکتا۔ دنیا میں چھوٹی چھوٹی مملکتیں بھی موجود ہیں، اور ان کے دوش بدوش بڑی بڑی مملکتیں بھی ہیں۔ اب تعداد کا سوال خارج از بحث ہی ہے افراد کی تعداد سے نہ مملکت کے بین الاقوامی حیثیت میں اضافہ ہوتا ہے اور نہ سیاسی قوت اور فوقیت میں۔ سان مارینو (Sane Marino) پاناما (Panama) گلزبرگ (Luxemburg) (ایسے مملکت ہیں جن کی آبادی بہت کم ہے، دوسرے جانب چین اور ہندوستان ہیں جن کی آبادی بہت کثیر ہے۔ اس سلسلے میں ارسطو کا قول زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مملکت اتنی چھوٹی نہ ہو کہ اپنی کفالت کے لیے دوسری مملکتوں کا محتاج ہو اور اتنی بڑی نہ ہو کہ آسانی سے کنٹرول نہ کیا جاسکے۔

مملکت کی آبادی کے متعلق دوسرا اہم سوال یہ ہے کہ کیا مملکت کی پوری آبادی میں یکسانیت (Homogeneity) (ہو۔ یعنی کیا پوری آبادی ایک قوم، ایک مذہب ایک زبان اور ایک تہذیب کے ہوں۔ اس میں شک نہیں کہ ایسے ملک میں اتحاد زیادہ ہوگا مگر موجودہ دور میں جب کہ آمدورفت کے وسائل میں کافی ترقی ہو چکی ہے۔ آبادی میں یکسانیت بہت کم ملکوں میں رہی ہے۔ بہت سی مملکتوں میں یکسانیت نہیں ہے مگر وہاں لوگوں میں اتحاد کا جذبہ دوسری مملکتوں سے کہیں زیادہ ہے۔ امریکہ (USA) اور سوئزر لینڈ (Switzerland) اس کی بہترین مثالیں ہیں۔

4.3.2 علاقہ یا خطہ زمین (Territory)

مملکت کا دوسرا اہم جز علاقہ یا خطہ زمین ہے۔ اس کے بغیر مملکت کا وجود ممکن نہیں۔ مملکت کی انفرادی حیثیت اور قانونی شخصیت متعین کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کا اپنا ایک خطہ زمین ہو اور جغرافیائی حدود متعین ہوں۔ محض افراد کا ایک گروہ مملکت قائم نہیں کر سکتا، جب تک کہ وہ ایک مقررہ سرزمین پر مستقلاً آباد نہ ہو اور جس کو وہ مخصوص طور پر اپنا کہہ سکیں۔ خانہ بدوش لوگ مملکت قائم نہیں کر سکتے۔ اگرچہ بعض دوسری جماعتیں اور ادارے بھی ایک مقررہ خطہ زمین پر قابض ہونے کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔ لیکن جو حاکمانہ قانونی حیثیت کسی خطہ زمین پر مملکت کا حاصل ہے وہ کسی دوسرے کو نہیں ہوتی۔ سماج کے تمام اداروں، جماعتوں اور افراد پر مملکت کو بالادستی حاصل ہے۔

علاقہ کو مملکت کا اہم جذب تسلیم کرنے کے بعد ذہن میں درج ذیل سوالات پیدا ہوتے ہیں:

1. علاقہ کی وسعت کیا ہو؟

2. اس میں کون کون سی چیزیں آتی ہیں؟

3. کیا مملکت کی حدود قدرتی ہونی چاہیے؟

مملکت کے وسعت کیا ہوں؟ اس کے بارے میں ارسطو کا کہنا ہے کہ نہ زیادہ بڑی ہو نہ زیادہ چھوٹی۔ آج کے دور میں اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ آج دنیا میں ایک طرف تو روس امریکہ اور ہندوستان جیسے بڑے مملکت ہیں جن کا رقبہ لاکھوں مربع میل ہے۔ تو دوسری طرف سین میر

ینو (San Marino) جیسا چھوٹا ملک بھی ہے، جس کا رقبہ صرف ۸۳ مربع میل ہے۔ جاپان (Japan) (ایک دنیا کے چھوٹے علاقے والا ملک ہے مگر بہت سے بڑے علاقے والے ممالک سے کافی ترقی یافتہ ہے۔

دوسرا سوال یہ کہ علاقہ میں کیا چیزیں آتی ہیں؟ یہ تین چیزوں کا مجموعہ ہے زمین، پانی، ہوا۔ کسی مملکت کے علاقے میں صرف میدان ہی نہیں بلکہ معدینات، جنگلات، پہاڑ وغیرہ بھی شامل ہیں۔ اس طرح پانی کے خزانے مثلاً ندیاں، جھیلیں اور بری علاقہ سے بارہ میل دور تک کا سمندری علاقہ متعلقہ مملکت کا ہوتا ہے جہاں تک خلا میں ہوا ہے وہ بھی ملک کی مانی جاتی ہے۔

تیسرا سوال یہ ہے کہ مملکت کی حدود قدرتی ہوں؟ یہ کہا جاتا ہے کہ قدرتی حدود بیرونی حملوں سے محفوظ کرتے ہیں، جیسا کہ ہمالیہ پہاڑ ہندوستان کی شمالی جانب سے محفوظ رکھتا ہے۔ مگر آج کے دور میں جب کہ مملکتوں کے پاس قیمتی ہتھیار اور راکٹ وغیرہ موجود ہیں۔ قدرتی حدود کی اہمیت باقی نہیں رہی۔

4.3.3 حکومت (Government)

مملکت کا تیسرا لازمی جزو حکومت یا گورنمنٹ ہے، اوپر کہا جا چکا ہے کہ مملکت ایک منظم جماعت ہوتی ہے۔ جب بہت سے لوگ ایک جگہ مل کر رہتے ہیں تو ان کے آپسی تعلقات اور روابط میں ایک ترتیب اور اہم اہم آہنگی قائم رکھنا بے حد ضروری ہوتا ہے۔ یہی حقیقتاً سماجی زندگی کا نصب العین ہے، اس کے بغیر حیوانوں اور انسانوں کی زندگی میں تمیز نہیں کی جاسکتی۔ تنظیم کے بغیر مملکت کا قیام ممکن نہیں۔ حکومت وہ اعلیٰ ترین سیاسی تنظیم ہے جو سماجی نظام اور روابط کو قوت کے ساتھ برقرار رکھتی ہے۔ وہ ایک ایسی مشین (Machine) ہے یا منظم وسیلہ ہے جس کے ذریعہ مملکت اپنا وجود قائم رکھتی ہے، اپنے فرائض انجام دیتی ہے۔ اور اپنی پالیسیوں (Policies) اور مقاصد کو حاصل کرتی ہے۔ ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ حکومت ایک ایسی ایجنسی (Agency) (یا ذریعہ ہے جس کے توسط سے مملکت کے منشا (Wills) و مقاصد (Goals & Objectives) مرتب کیے جاتے ہیں۔ ان کا اظہار ہوتا ہے اور ان پر عمل درآمد ہوتا ہے۔

4.3.4 اقتدار اعلیٰ (Sovereignty)

اقتدار اعلیٰ مملکت کا اہم ترین جذبہ ہے۔ اس لفظ سے اس اعلیٰ ترین اور آخری قانونی قوت کا مفہوم ادا ہوتا ہے جس کے بعد اور جس سے بدتر کوئی دوسری قانونی قوت مملکت میں نہیں ہوتی۔ یہ مملکت کی ایسی خصوصیت ہے جو اس کو سماج کی تمام قوتوں پر قانونی حیثیت سے فوقیت دیتی ہے۔ اور برتری کے جواز پہنچاتی ہے۔ اس وجہ سے مملکت کو دوسری تمام جماعتوں پر امتیاز حاصل ہے۔ سماج یا افراد کی جماعتی زندگی اسی وقت قائم رہ سکتی ہے جب آپسی روابط میں ترتیب اور نظام ہو۔ اس کو عملی طور پر قائم رکھنے کے لیے حکومت کا قیام ہو۔ مگر حکومت اسی وقت اپنا فرض ادا کر سکتی ہے جب ایک ایسی طاقت اور اعلیٰ قوت اس کی سربراہی کرے جس کے فیصلے قطعی اور آخری ہوں جس کی فرماں برداری مملکت کے ہر فرد پر جماعت اور ہر تنظیم کا قانونی فرض ہو۔ اس قوت کو اصطلاحاً اقتدار اعلیٰ کہا جاتا ہے۔ اقتدار اعلیٰ کی دو حیثیتیں (Two Aspects) ہیں۔

• داخلی یا اندرونی اقتدار اعلیٰ (Internal sovereignty)

• خارجی اقتدار اعلیٰ (External Sovereignty)

داخلی اقتدار اعلیٰ یہ ہے کہ مملکت کے اندر کوئی بھی قوت اس کے ہمسریا مقابل نہیں ہو سکتی۔ مملکت میں ہونے والی ہر قوت اس کے ماتحت اور زیر اثر ہوتی ہیں۔ خارجی یا بیرونی اقتدار اعلیٰ سے یہ مراد ہے کہ مملکت کسی بھی بیرونی قوت کے ماتحت نہ ہو۔ کسی بیرونی قوت کی فرماں برداری نہ کرتی ہو اور نہ ہی بیرونی قوت اس کی پالیسیاں متعین کر سکے۔ مملکت کسی دباؤ بغیر آذادانہ طور پر اپنی داخلی اور خارجی پالیسیوں کو بناتی ہو۔ مندرجہ بالا چاروں اجزائی کے علاوہ بعض مصنفین نے مملکت کے لئے کچھ اور اجزائی کو بھی ضروری سمجھا ہے۔ کسی نوآزاد مملکت کے لئے ضروری ہے کہ ادارہ اقوام متحدہ اس کو ایک آزاد اور خود مختار مملکت کی حیثیت سے تسلیم کر لے اور اسی طرح دنیا کی دوسری مملکتیں بھی تسلیم کر لیں دوسری ضروری بات یہ ہے کہ مملکت اپنے عوام کی منشا کی ترجمانی کرتی ہو۔ اگرچہ یہ دونوں باتیں مملکت کی اہمیت کو واضح کرنے کے لیے ناقابل فراموش ہیں لیکن مملکت کے وجود کے لیے ناگزیر نہیں۔ مثلاً کمیونسٹ چین کو اقوام متحدہ نے ۱۹۷۱ میں تسلیم کیا مگر اس کے وجود سے کوئی انکار نہیں کر سکا اور نہ اس کی سیاسی حیثیت پر اس کا کوئی اثر ہوا۔ مملکت کے چاروں عناصر کے مطالعے سے انداز ہوتا ہے کہ کوئی سماجی گروہ جماعت، ادارہ یا تنظیم مملکت کے برابر نہیں ہو سکتی بلکہ ہمیشہ اس کی محکوم و ماتحت رہے گی۔ مملکت ایک ایسا وسیع نظام ہے جو پورے سماج پر حاوی ہے۔ تمام سماجی تنظیمیں سماج کا جزو ہوتی ہیں اور مملکت ان تمام اجزائی میں رابطہ، ہم آہنگی، ترتیب اور با معنی تسلسل قائم رکھنے کے فرائض انجام دیتی ہے۔ اسی مقصد کی وجہ سے مملکت کو ان پر برتری اور قوت کے استعمال کا حق و جواز حاصل ہوتا ہے۔

یہ بھی یاد رکھنے کی ضرورت ہے کہ مملکت اور حکومت ہم معنی نہیں بلکہ الگ الگ اصطلاحات ہیں۔ مملکت اور حکومت میں بہت فرق ہے۔ مملکت پورے سیاسی نظام کو کہا جاتا ہے جب کہ حکومت اس نظام کو چلانے کا ایک وسیلہ ہے۔ حکومت مملکت کا ایک جزو ہے، مملکت کے مفہوم میں سماج کے تمام افراد اور ان کی تمام جماعتیں اور تنظیمیں شامل ہوتی ہیں۔ جب کہ حکومت میں وہ تھوڑے بہت افراد شامل ہوتے ہیں جن کو حکومت کے فرائض دیئے جاتے ہیں، حکومت کو تمام جماعتوں اور تنظیموں پر بالادستی حاصل ہے۔ مملکت ایک مستقل (Permanent) ادارہ ہے جب کہ حکومت غیر مستقل (Temporary) اور عارضی ہوتی ہے۔ حکومت میں رد و بدل ہوتا رہتا ہے اور مختلف مملکتوں میں مختلف قسم کی حکومتیں ہوتی ہیں۔

4.4 مملکت کے نظریات (Theories of the State)

یہ سوال کہ مملکت کی حقیقی اصل شکل کیا ہے اور اس کی نوعیت کیا ہے صدیوں سے سیاسی مفکرانوں کے لیے ایک اہم موضوع رہا ہے۔ مختلف مفکرانوں نے اس بارے میں مختلف نظریے پیش کئے ہیں۔ اس سوال کے یہ بھی معنی ہیں کہ فرد اور مملکت میں زیادہ اہمیت کسے حاصل ہے۔ یا فرد مملکت کے لئے ہے یا مملکت فرد کے لئے۔

بعض مفکرانوں کے نزدیک مملکت کا وجود فرد کے لئے ہے یعنی اصل مقصد فرد اور اس کی فلاح و بہبود ہے اور مملکت اسے حاصل کرنے کا ذریعہ۔ بعد کے نزدیک اس کے برعکس مملکت بجائے خود مقصد اور فرد اسے حاصل کرنے کا ذریعہ بعض کے نزدیک۔

پہلی رائے پیش کرنے والے سماجی سمجھوتے (Social Contract) کے ماننے والے تھے۔

کچھ مفکر مملکت کو محض نامیاتی یا عضوی (Organic) مانتے ہیں۔ اس نظریے کو Organic Theory کہتے ہیں۔

آرگینک تھیوری (Organic Theory)

اس نظریے کے مطابق مملکت جسم انسانی کی طرح زندگی سے بھرپور ہے۔ اور مملکت کا فرد یا (Individual) سے اس طرح کا تعلق ہے جیسا کہ انسانی جسم کا دوسرے اعضائے سے ہوتا ہے۔ مشہور انگریز سیاسی فلسفی ہربرٹ اسپنسر (Herbert Spencer) نے جسم انسانی اور مملکت کے درمیان مشابہت کو ان لفظوں میں بیان کیا ہے۔

شروع میں انسانی جسم کی شکل بالکل سادہ ہوتی ہے۔ وہ محض گوشت کالو تھڑ ہوتا ہے۔ اس کے مختلف حصے اور اعضائے رفتہ رفتہ نشوونما پاتے ہیں اور اس کے بعد باقاعدہ شکل اختیار کرتے ہیں۔ تھیک اسی طرح مملکت کی بھی زندگی کا آغاز ہوا۔ شروع میں اس کی شکل مادہ سادہ تھی۔ موجودہ مملکت سے کہیں زیادہ پیچیدہ ہے مثلاً جیسے محکمے موجودہ مملکت کے ہیں ایسے پرانی مملکت کے نہ تھے۔

انسانی جسم کا پورا نظام ہے جو اس کی زندگی کو برقرار رکھتا ہے۔ اس نظام میں جو انسانی اعضائے شامل ہیں اسے Sustaining System کہا جاتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح مملکت کا بھی Sustaining System اس کے زرعی و صنعتی علاقوں اور قدرتی وسائل پر مشتمل ہوتا ہے۔ جسم انسانی کا دوسرا نظام وہ ہے جس کے ذریعہ خون جسم کے مختلف حصوں میں دورہ کرتا رہتا ہے۔ اس میں دل، رگیں، نسیں وغیرہ شامل ہیں۔ مملکت کا یہ Distributary System رسل و رسائل (Means of Communication and Transport) یعنی جو ریلوں اور سڑکوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ جسم انسانی کا تیسرا سسٹم Regulating System ہے جو سارے جسم پر حکومت کرتا ہے۔ اس میں دماغ، ریڑھ کی ہڈی، اعصاب (Nerves) شامل ہیں۔ دماغ ہی کے ذریعہ انسان سوچتا ہے اور کام کرتا ہے۔ مملکت کا Regulating System حکومت فوج وغیرہ پر مشتمل ہوتا ہے اور حکومت دماغ کی حیثیت رکھتی ہے۔

یہ بہت پرانا نظریہ ہے۔ افلاطون اور ارسطو نے مملکت کو انسانی جسم سے تشبیہ دی تھی۔ قرون وسطیٰ نے مفکروں نے بھی اس مشابہت کا ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد ہابز (Hobbes) اور روسو نے بھی انسانی جسم اور مملکت کے مابین مشابہت کو بیان کیا۔

اس نظریے کے خلاف مندرجہ ذیل اعتراض کئے گئے ہیں:-

انسانی جسم اور مملکت میں تھوڑی بہت مشابہت ضرور پائی جاتی ہے لیکن اس وجہ سے دونوں کو ایک سمجھنا صحیح نہیں۔ دونوں میں بڑے گہرے اختلافات پائے جاتے ہیں مثلاً انسانی جسم کے مختلف اعضائے کی کوئی علیحدہ یا آزاد زندگی نہیں ہوتی۔ مگر مملکت کے باشندوں یا افراد کی اپنی الگ الگ زندگی ہوتی ہے۔ اگر کسی عضو کو جسم سے الگ کر دیا جائے تو وہ مردہ ہو جاتا ہے لیکن یہ صورت فرد کے ساتھ واقع نہیں ہوتی۔ وہ مملکت سے الگ ہو کر کم از کم زندہ رہ سکتا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ وہ اچھی زندگی نہیں گزار سکتا۔ دوسرا خاص فرق یہ ہے کہ جسم انسانی کے اعضائے شعور

سے بالکل خالی ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ ان میں کوئی قوت ارادی نہیں ہوتی جس سے وہ انسانی زندگی کو متاثر کر سکیں برعکس مملکت کے میمبر یا افراد قوت ارادی کے مالک ہوتے ہیں اور وہ حکومت کی زندگی پر پوری طرح اثر انداز ہوتے ہیں۔ بڑی بڑی شخصیتیں اور عوامی لیڈر مثلاً مپولین، لینن، گاندھی جی، جواہر لعل نہرو اور اندرا گاندھی مملکت کی پالیسیوں کو بدل کر رکھ دیتے ہیں۔

انسانی جسم کے اعضائے ایک دوسرے کے ساتھ جکڑے ہوئے ہوتے ہیں لیکن مملکت کے حصے یعنی افراد اپنی نقل و حرکت میں آزاد ہوتے ہیں۔ اور اسی کے ساتھ وہ دوسرے اداروں یا تنظیموں کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ مثلاً مملکت کے ممبر ہوتے ہوئے تمام افراد کسی مذہبی تنظیم کے بھی ممبر ہوتے ہیں اور کسی نہ کسی سیاسی پارٹی کے بھی۔ لیکن انسانی جسم کے اعضائے صرف ایک ہی جسم کا حصہ ہوتے ہیں۔

اس نظریہ کی سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ اس سے مملکت کے عمل پہلو پر کوئی روشنی نہیں پڑتی۔ اس سے مملکت کے فرائض کے بارے میں جو نتیجے نکالے جاسکتے ہیں وہ غیر تسلی بخش ہیں۔ مثلاً یہ کہ چونکہ افراد یعنی مملکت کے ممبر اپنی نقل و حرکت میں آزاد ہوتے ہیں۔ شعور رکھتے ہیں اور اپنی اچھائی برائی کو اچھی طرح جانتے ہیں اس لئے مملکت کا فرق ہے کہ وہ صرف اندرونی امن و امان قائم رکھے اور بیرونی حملے سے بچانے کے انتظامات کرے۔ یہ نتیجہ اس نظریہ کو انفرادیت پسند بنادیتا ہے۔

دوسرا نتیجہ سہیگل اور دوسرے حیثیت پسندوں (Idealism) نے نکالا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر جسم کو کوئی حصہ جسم کے لئے خطرہ بن جائے تو اسے کاٹ

کر پھینک دیا جائے۔ جسم کے کسی حصے کو اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی کہ وہ سارے جسم کے لئے خطرہ بن جائے۔ اس طرح مملکت کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ وہ عام مفاد کے لئے انفرادی آزادی کو سلب کرے اور اسے فرد کی زندگی کے ہر پہلو میں مداخلت کرنے کا پورا حق حاصل ہے اور وہ فرد کو اپنی مکمل اور غیر مشروط اطاعت پر مجبور کر سکتی ہے۔ اس نتیجے سے یہ نظریہ مطلق العنانیت یا فسطائیت کی بنیاد بن جاتا ہے۔ چنانچہ پہلی عالمی جنگ کے بعد اٹلی اور جرمنی میں فسطائی اور نازی (Nazi) حکومتوں نے مملکت کے نامیاتی (Organic)

کیرکٹر پر بہت زور دیا اور عام لوگوں کی آزادی کو ختم کر دیا۔ یہ کہنا کہ مملکت کا اپنا دل و دماغ ہوتا ہے جو کہ اس کے ممبروں یعنی افراد کے دل و دماغ سے بالکل مختلف ہوتا ہے، صحیح نہیں، اس لئے کہ مملکت میں ہر فرد خود ذہانت کا آزاد مرکز ہوتا ہے۔

انسانی جسم کی پرورش خود بخود ہوتی ہے۔ اس کے لئے شعوری اصولوں کا علم نہیں ہوتا برعکس اس کے مملکت کی ترقی کے لئے انسان کو اپنی شعوری قوت کو صحیح شکل دینا ہوتی ہے۔ انسانی جسم کی پیدائش دوسرے زندہ جسموں سے ہوتی ہے لیکن مملکت کی پیدائش میں یہ بات نہیں۔

عینیت پسندانہ نظریہ (Idealistic Theory of State)

اس نظریہ کے مطابق مملکت ایک مثالی اور مکمل ادارہ ہے۔ ان نظریے کے متعدد نام ہیں مثلاً Absolute Theory، فلسفیانہ نظریہ (Philosophical Theory)، مابعد الطبیعیاتی نظریہ (Metaphysical Theory)، Mystical Theory یا متصوفانہ نظریہ (Idealistic Theory) یا عینیت پسند نظریہ۔

اس نظریے کا ذکر قدیمی یونانی سیاسی فلسفیوں مثلاً افلاطون اور ارسطو کی کتابوں میں ملتا ہے لیکن اس کو بہت زیادہ فروغ جرمن فلسفیوں نے دیا۔ اس میں سہیگل کا نام سرفہرست ہے۔ ٹی۔ ایچ۔ گریں نے اسے برطانیہ میں مقبول عام بنانے کی کوشش کی۔

ہیگل مملکت کو یہ ذات مقصد (End) یا منزل قرار دیتا ہے۔ اس کے خیال میں یہ کسی مقصد کے حاصل کرنے کا ذریعہ نہیں بلکہ اس کا اصل مقصد اپنی طاقت اور اقتدار کو بڑھانا ہے، یہی جملہ حقوق کی مالک ہے۔ افراد کو کسی قسم کے حقوق از خود حاصل نہیں اور نہ انھیں اس کا حق حاصل ہے کہ وہ مملکت پر کسی بھی قسم کی نکتہ چینی کر سکیں یا اس کے خلاف بغاوت کر سکیں۔ مملکت عقل اور دانش مندی کا مجموعہ اور مجسمہ ہوتی ہے۔ یہی ایک ایسا سماجی نظام ہے کہ جس میں فرد کی انفرادیت زندہ رہ سکتی ہے۔ مملکت سے الگ رہ کر فرد کی کوئی اخلاقی حیثیت نہیں رہتی۔ مملکت فرد کے لئے نہیں بلکہ فرد مملکت کے لئے ہے۔ سہیگل کے نزدیک مملکت دنیا میں قادر مطلق کا روپ ہے۔ اس کی مرضی فرد کی حقیقی مرضی کے مترادف ہے۔ وجہ سے فرد کو مملکت کے سارے احکام کی بلاچوں و چراطاعت کرنی چاہیے۔

مملکت کی اپنی شخصیت ہوتی ہے جو افراد کی انفرادی شخصیتوں سے بالکل مختلف اور برتر ہوتی ہے۔ اس کی اپنی مرضی اور اپنا ارادہ ہوتا ہے جو انفرادی ارادوں اور مرضی سے بالکل مختلف ہوتا ہے۔ فرد کی حقیقی آزادی اور خواہشوں کی ترجمان مملکت ہوتی ہے اور وہ جو کچھ کرتی ہے بالکل صحیح کرتی ہے اور اس سے کبھی کوئی غلطی سرزد نہیں ہوتی۔

فرد کو حقیقی آزادی مملکت کے اندر ہی نصیب ہو سکتی ہے۔ اس کا ہر قانون انفرادی آزادی میں اضافہ کرتا ہے۔ اگر فرد آزادی چاہتا ہے تو اس کا فرض ہے کہ وہ مملکت کے ہر قانون کی طاعت کرے اس لئے کہ وہ فرد کی حقیقی آزادی اور خواہشوں کی عکاسی کرتا ہے لہذا فرد صرف اسی حالت میں آزادہ ہو سکتے ہیں کہ جب وہ مملکت کے قوانین کی مکمل طاعت کریں۔

مملکت اور سماج میں کوئی فرق نہیں۔ دونوں ہم معنی ہیں۔ مملکت ہی انسان کی تمام سماجی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے کافی ہے اور وہ فرد کی زندگی کے ہر پہلو میں دخل دے سکتی ہے۔

مملکت اخلاق کی بھی محافظ ہے۔ اخلاقی اصول انسانی ضمیر کے ذریعہ طے نہیں ہوتے۔ بلکہ مملکت ہی یہ طے کرتی ہے کہ کون سی بات اخلاقی ہے اور کون سی غیر اخلاقی۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ مملکت خود بھی اخلاقی اصولوں کی پابند ہو۔ نہ تو وہ اخلاقی اصولوں کی پابند ہے اور نہ بین الاقوامی قانون کی۔ اس سے بڑا کوئی دوسرا اختیار ادارہ نہیں جو اسے کسی چیز کا پابند کر سکے۔

اس نظریے کے ماننے والے مملکت کی ہمہ جہتی اور ہمہ گیری پر زور دیتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ مملکت ہی فرد کے حقوق کی حفاظت کر سکتی ہے اور وہی وہ حالات پیدا کر سکتی ہے جو کسی فرد کی شخصیت کے نشوونما کے لئے ضروری ہوں۔

عینیت پسندی کی مخالفت میں دلیلیں:

یہ ایسا قیاسی نظریہ ہے کہ جس کا انسان کی حقیقی زندگی سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ محض استدلالی جلسہ ہے جو ٹھوس حقیقوں اور دکھ سکھ سے بالکل الگ رہتا ہے۔ یہ بڑا ہی محدود اور بے چلک نظریہ ہے۔ یہ سماج اور مملکت کے باہمی فرق کو واضح نہیں کرتا۔ یہ یونان قدیم کی شہری مملکتوں کے لئے تو مناسب اور موزوں ہو سکتا ہے لیکن موجودہ مملکتوں کے لئے کسی طرح بھی موزوں نہیں۔

مملکت کو بذات خود منزل یا مقصد تصور کرنا سب سے بڑی غلطی ہے۔ یہ افراد کے لئے صرف ایک ذریعہ اور اہم ذریعہ ہے۔

مملکت کو خدا نے نہیں بنایا۔ یہ خالص انسانی تنظیم ہے۔ اس کو انسانوں نے اپنی حفاظت کے لئے اپنی زندگی کو بہتر اور خوش گوار بنانے کے لئے اور اپنے حقوق کو استعمال کرنے کے لئے قائم کیا ہے۔ اب اگر افراد ان مقاصد کو مملکت کے ذریعہ حاصل نہ کر سکیں تو پھر اس کی طاقت اور قوت ان کے لئے کس کام کی؟

فرد کے مقابلے میں مملکت کو اتنی زیادہ اہمیت دینا کہ فرد مملکت کے لئے ہے اور مملکت فرد کے لئے نہیں، فرد کے لئے حد درجہ مضرت رساں ہے۔

اس نظریے کے حامی یہ بھی کہتے ہیں کہ مملکت اخلاقی اصولوں کی پابند نہیں۔ یہ بڑا ہی غلط نظریہ ہے۔ اگر چوری کرنا یا جعل کرنا فرد کے لئے برا ہے تو کسی بھی مملکت کے لئے بھی دوسری مملکت کو محض اپنی طاقت کے بل پر اپنی جارحیت (Aggression) یا توسع پسندی (Expansionism) کا نشانہ بنانا برا ہے۔ یہ نظریہ بین الاقوامیت کا دشمن ہے۔

سیگل کا یہ کہنا کہ مملکت کا ہر قانون فرد کی آزادی میں اضافہ کرتا ہے، صحیح نہیں۔ قانون اچھے بھی ہوتے ہیں اور برے بھی۔ اگر کوئی قانون افراد پر ایسی پابندی لگائے جو سب کے مفاد میں ہو تو اس سے یقیناً افراد کی آزادی کو تقویت پہونچے گی لیکن اگر کوئی قانون ظالمانہ اور جابرانہ ہو تو اس سے فرد کی آزادی ختم ہوتی ہے۔

Hob House کا اس نظریے پر اعتراض صحیح ہے کہ اس کے ذریعے مملکت کو انسانی تنظیم کی سب سے عظیم شکل دی گئی اور آزادی کے دھارے کو موڑ کر قانون کا ہم معنی بنادیا گیا ہے اور مساوات جگہ ڈسپلن کا تصور نافذ کر دیا گیا ہے اور فرد کی شخصیت کو پوری طرح مملکت میں ضم کر دیا گیا ہے۔

مملکت کی نوعیت کو مختلف نظریات سے تصور کیا گیا ہے۔ ہر نظریہ مملکت کو مختلف نقطہ اور اپنے نظم و ضبط کے لحاظ سے وضاحت کرتا ہے۔ مملکت کی ابتدائی نوعیت، دائرہ، فنکشن اور اختتامات سے متعلق ہے۔ ان نظریات کی شکل اور مادہ اکثر ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔

لبرل تھیوری (The Liberal Theory)

مملکت کی ابتدائی اور نوعیت کی لبرل تھیوری فرد کے حقوق اور آزادی پر مبنی ہے۔ اس کا فرد کا تصور 'مالک فرد تھا۔ اور یہ جمہوری حکومت کے قیام کے لئے سیاسی تحریک تھی۔ یہ نظریہ انسان کے آزاد خیال پر مبنی ہے۔ جو انسان کو مناسب اہمیت دیتا ہے۔ اور یہ انسان کو اس دنیا میں اپنی مرضی

سے آزاد طریقہ سے جینے کا حق دیتا ہے۔ یہ نظریہ مملکت کو ایک ضرورت کے طور پر دیکھتا ہے اور اس کا ماننا ہے کہ مملکت معاشرہ میں امن آمان انصاف قائم کر سکتا ہے۔ اس کا یہ بھی ماننا ہے کہ مملکت خدمت کے لئے موجود ہے۔ جس سے مجموعی طور پر معاشرہ کا عمومی مفاد فلاح و بہبود اور انسان کی جان مال کو محفوظ بنائے گی۔

انسان کی معاشرہ نشوونما کے لئے حریت پسندی (Liberalism) مملکت اور سماج کے مابین فرق کرتا ہے۔ اس کا ماننا ہے کہ معاشرہ مملکت کے اوپر اور بڑی ہے۔

مملکت کے فرائض کے بارے میں حریت پسندی کے خیالات وقتاً فوقتاً بدلتے رہے ہیں۔ 17 ویں اور 18 ویں صدی میں سرمایہ دار طبقے کے تقاضے حریت پسندی کی حمایت کرتے تھے۔ 19 ویں اور 20 ویں صدی کے دوران تقاضے اور طبقے میں تبدیلی آئی۔ اس طرح معاشرے میں مملکت کے مختلف کردار کی ضرورت ہوئی۔ 18 ویں، 19 ویں صدی اوائل میں کلاسیکل حریت پسندی (Classical Liberalism) مملکت کو کم از کم افعال والی منفی حالت کی حمایت کی۔ 20 ویں صدی کے نصف میں جدید حریت پسندی نے ایک ایسے مملکت کی حمایت کی جو صلاح و بہبود کے ساتھ مثبت کی۔

کلاسیکل حریت پسندی (Classical Liberalism) کو 'لیسز فیر' (Laissez Faire) یا 'پولس مملکت' کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہ انفرادیت کا نظریہ مملکت کو ایک ضروری برائی کے طور پر دیکھتا ہے۔ ضروری اس لئے ہے کہ انسان فطری طور پر خود غرض طبیعت کا ہے۔ برائی اس لئے کہ یہ فرد کا دشمن ہے۔ مملکت اور انفرادی آزادی کو ایک دوسرے کے مخالف کے طور پر دیکھتا ہے۔ کلاسیکل حریت پسندی (Classical Liberalism) فرد کو زیادہ سے زیادہ آزادی دینا چاہتا ہے۔ یہ فرد کی سرگرمیوں کا دائرہ میں اضافہ کر کے مملکت کے دائرہ کو کم کرتا ہے۔ اس کا ماننا ہے کہ مملکت فرد کو جسمانی تحفظ فراہم کرنا ہے تاکہ وہ اپنی ترقی مملکت کے مداخلت کے بغیر کر سکے۔ اس کا مطالبہ مملکت کی فنکشن کو کم از کم کرنا اور انفرادی آزادی کو زیادہ سے زیادہ کرنا۔ ایڈم اسمتھ (Adam Smith) نے معاشی بنیادوں پر اس کی تائید کی۔ سینتھم (Bentham) نے اس کی اخلاقی اور سیاسی بنیاد پر تائید کی۔ جدید حریت پسندی جس نے فلاحی مملکت کا نظریہ دیا۔ مملکت کو ایک ضروری برائی کے طور پر اور معاشرتی بہبود کے لئے ضروری بتایا۔ مل (Mill) فری مین ہوب ہائوس، لینڈسے، کینڈز، ٹوانی، کول، بارکر، لاسکی میکائیور (MacIver) نے مملکت کے مثبت کام کی حمایت کی۔ اس طرح لبرل مملکت کے توسیع کے ذریعہ بڑھتی جمہوری میں تمام بالغوں کے لئے حق رائے دہی پر مجبور کیا۔

معشیت میں اس کا مطلب یہ بھی تھا کہ دولت مند سے وسائل کم از کم منتقل ہو جائیں۔ ٹیکس (Tax) لگانے اور مملکت کی (Subsidy) ذریعہ مملکت فلاح و بہبود کے کام کو عام کرنے کا مطالبہ کیا گیا۔ اس کے بنیادی خدشات میں سے فلاحی مملکت صرف ایک جواب نہیں تھا۔ اور نہ ہی یہ انتخابی دباؤ بلکہ لوگوں میں بڑھتی ہوئی بیداری (Trade Union) جیسی ایسوسی ایشن (Association) کے اظہار خیال کا نتیجہ تھا۔ حریت پسندی 20 ویں صدی کے آخر میں نو حریت پسندی کی شکل میں ایک نئی شکل اختیار کر لی۔ اس کو طبقاتی سیاسی معشیت کے نظریات کی

طرف جانے کا خیال کیا جاسکتا ہے۔ نو حریت پسندی کا مقصد یہ ہے کہ مملکت کے محاذوں کو واپس لانا Market Capitalism کی کارکردگی بڑے پیمانے پر خوش حالی فراہم کرے گا۔

مارکسٹ تھیوری (The Marxist Theory)

Marxian نظریہ حریت پسندی کی تنقید اور اس کے متبادل کے طور پر ابھر کر سامنے آیا۔ اگر حریت پسندی معاشرتی اور سیاسی فلسفہ تھا تو مارکسزم خود سرمایہ دارانہ معاشی نظام کی پیداوار تھا۔ لبرل نقطہ نظر کے مطابق مملکت معاشرتی معاہدہ، رضامندی اور اتفاق رائے کی پیداوار ہے۔ اس کے ذریعہ امن و آمان برقرار رکھنا، اور انصاف اور فلاحی خدمات کی فراہمی پوری برادری کے امومی مفاد کو پورا کرتا ہے۔ مارکسی نظریہ کے مطابق مملکت طبقاتی تقسیم اور طبقاتی جدوجہد کی پیداوار ہے اور یہ صرف ایک خاص طبقے کی مفاد کو پورا کرتا ہے۔ چونکہ تمام کلاس کا ایک ہی مفاد نہیں ہو سکتا۔ مارکسی کسی نظریہ مملکت کو مسترد کرتا ہے۔

تبعاطی موجودگی اور ایک انقلاب کے قیام سے پتا چلتا ہے کہ تبعاطی معاشرہ مملکت کا ادارہ ختم ہو جائے گا۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ معاشرتی علوم میں ”اتفاق رائے ماڈل“ اور ”تنازعہ ماڈل“ کے حوالے سے ایک طویل ارصے سے بحث جاری ہے۔ اتفاق رائے ماڈل جس پر حریت پسندی مبنی ہے۔ مملکت سمیت معاشرہ اور معاشرتی اداروں کے اساس کو برقرار رکھتا ہے۔ تنازعہ ماڈل کا نظریہ تنازعات اور جدوجہد کو اہمیت دینا ہے۔ اور یہ نتیجہ اخذ کرتا ہے کہ مملکت اور بہت دوسرے ادارہ تنازعات کا نتیجہ ہیں۔

مارکس نے اپنی شروعاتی تخلیق میں یہ واضح کر دیا کہ مملکت ایک طبقاتی ادارہ ہے۔ جس میں ایک طبقہ دوسرے طبقہ کا معاشرتی طور پر استحصال کرتا ہے۔ مملکت میں معاشرتی طور پر اقلیت، سیاسی طور پر محنت کش پر غالب رہتی ہے۔ Karl Marx مملکت کو اجنبی اور Practical Social Force کے طور پر دیکھتا ہے۔ اس نے Hegel کے نظریہ جس میں وہ مملکت کو زمین پر خدا کے مارچ کے طور پر بیان کرتا ہے، کو نکار دیا۔ اس نے مملکت کو کبھی سماج میں تنازعہ ختم کرنے والے میل جول لانے والے کسی اخلاقی تنظیم کے طور پر نہیں دیکھا۔

مارکس کا ماننا تھا کہ مملکت نہ تو کبھی سماج کے برابر تھی نہ ہی اس سے اوپر بلکہ یہ تاریخی ترقی کی پیداوار ہے۔ مارکس حد لیاقتی مادیت "Dialectical Materialism" میں یقین رکھتا ہے۔ کارل مارکس کا ماننا ہے سبھی چیزیں جو ہم دیکھتے ہیں، جس کو ہم اپنے دماغ اور سوچ سے محسوس کرتے ہیں۔ وہ Concrete, Material اور Objective ہوتی ہے۔ کارل مارکس کے مطابق سبھی مظاہر Phenomenon کی حاصیت ان کی اندرونی تنازعہ جس سے ان کا آپس میں ٹکراؤ ہوتا ہے، مارکس ان سبھی عمل کو Dialectical Materialism کا نام دیتا ہے۔

طبقاتی مملکت خاتمہ کے لئے مارکس نے انقلاب کا نظریہ دیا۔ Marxian Philosophy کے دو خاص پہلو ہیں۔ دنیا کو سمجھنا اور اس کو بدلنا Marx مارکس استحصال سرمایہ داری نظام میں اصلاح کی بات نہیں کرتا۔ بلکہ اس کو پر تشدد انقلاب کے ذریعہ اسے جڑ سے ختم کر دینا چاہتا ہے اور سوشلسٹ مملکت قائم کرنا ہے۔ یہ سوشلسٹ مملکت آرضی ہوگی جو نہجی ملکیت کو ختم کر کے خود ختم ہو جائے گی۔ Marx مملکت کی تسبیح

نہیں کرتا ہے بلکہ یہ مملکت کے خاتمہ اور بے مملکت (Stateless Society) اور کلاسیک سماج (Classless Society) قائم کرنا چاہتا ہے۔

4.4 سماجی معاہدہ کا نظریہ (Social Contract Theory)

سماجی معاہدے کا نظریہ مغربی سیاسی فلسفے کا ایک بنیادی ستون ہے جو سیاسی اتھارٹی کی قانونی حیثیت اور شہریوں کی اپنے مملکت کے تئیں اخلاقی ذمہ داریوں کے بارے میں ایک گہری وضاحت پیش کرتا ہے۔ اس نظریے کے مرکز میں یہ خیال ہے کہ ایک معاشرہ، اس کی حکومت، اور وہ قوانین جو اسے باندھتے ہیں، کوئی قدرتی یا الہی طور پر مقرر کردہ واقعہ نہیں ہیں، بلکہ یہ افراد کے درمیان ایک رضا کارانہ معاہدے کا نتیجہ ہیں۔ یہ "معاہدہ" ایک عقلی تبادلہ ہے: افراد امن، سلامتی اور اپنے باقی ماندہ حقوق کے تحفظ کے بدلے ایک حکومتی ادارے کو اپنی کچھ مطلق آزادی خوشی سے سونپ دیتے ہیں۔

یہ تصور دورِ روشن خیالی کے دوران ایک طاقتور فکری آلے کے طور پر ابھرا، یہ وہ دور تھا جب مفکرین نے الہی حق اور موروثی حکمرانی پر مبنی طاقت کے روایتی تصورات کو چیلنج کرنا شروع کیا۔ اتھارٹی کا ذریعہ کسی بادشاہ کے خاندان یا خدا کی مرضی سے ہٹا کر لوگوں کی اجتماعی مرضی پر منتقل کرنے سے، اس نظریے نے جدید جمہوری حکمرانی کی بنیاد رکھی۔

اس تصور کو سمجھنے کے لیے، فلاسفہ نے ایک فکری تجربہ استعمال کیا جسے "فطری حالت" (State of Nature) کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس خیالی حالت میں کسی بھی رسمی حکومت یا معاشرے کے وجود سے پہلے کی انسانی زندگی کا تصور کیا گیا۔ اس قبل از معاشرتی حالت کی نوعیت۔ چاہے وہ ایک وحشیانہ افراطی تفری تھی یا ایک پرامن جنت۔ وہ اہم نقطہ آغاز تھا جس نے اس کے بعد کی صورت حال سے نکلنے کے لیے ضروری سماجی معاہدے کی قسم کا تعین کیا۔ مختلف فلاسفہ کی طرف سے فطری حالت کی مختلف تصویروں نے حکومت کی مثالی شکل اور انفرادی آزادی کی حد کے بارے میں بہت مختلف نتائج کی قیادت کی۔

تھامس ہابز کا نظریہ (Thomes Hobbes)

تھامس ہابز، ایک 17 ویں صدی کے انگریز فلسفی، نے سماجی معاہدہ کا نظریہ کا سب سے مشہور اور مایوس کن نظریہ پیش کیا۔ اپنی تاریخی کتاب، "لیو ایٹھن" (1651)، میں انہوں نے دلیل دی کہ معاشرے کو افراطی تفری کا شکار ہونے سے روکنے کے لیے ایک مضبوط، مرکزی حکومت ضروری ہے۔

ہابس کی فطری حالت ایک خوفناک اور وحشیانہ منظر ہے۔ انہوں نے دلیل دی کہ لوگوں کو خوف میں رکھنے والی ایک مشترکہ طاقت کے بغیر، زندگی "ہر ایک کی ہر ایک سے جنگ" ہوگی۔ اس حالت میں، ہر شخص وسائل کے لیے مسلسل مقابلہ میں ہے، جو طاقت کی ایک نہ ختم ہونے والی خواہش سے متاثر ہے۔ کوئی اخلاقیات، کوئی انصاف، اور صحیح یا غلط کا کوئی تصور نہیں؛ واحد قانون خود کو بچانا ہے۔ زندگی پر تشدد موت کے مسلسل خوف سے بھری ہوئی ہے، جو اسے "تنہا، غریب، گندی، وحشی اور مختصر" بناتی ہے۔

اس خوفناک وجود سے بچنے کے لیے، عقلی افراد قدرتی طور پر ایک راستہ تلاش کریں گے۔ وہ ایک سماجی معاہدے پر راضی ہوں گے، لیکن ایک بہت ہی خاص اور سخت معاہدے پر۔ یہ معاہدہ ہر فرد سے اپنی تمام طاقت اور فطری حقوق کو ایک واحد، مطلق حکمران کو سونپنے کا تقاضا کرتا ہے۔ یہ حکمران، "لیوایتھن"، ایک مطلق بادشاہ یا حکمران اسمبلی ہے جس کی طاقت کل اور ناقابل سوال ہے۔ حکمران کی مرضی ہی قانون ہے، اور ان کی طاقت پر کوئی روک یا توازن نہیں ہے۔

ہابس کے لیے، یہ معاہدہ ایک یک طرفہ سڑک ہے: شہری سب کچھ حکمران کو دے دیتے ہیں، اور حکمران کا واحد فرض امن اور نظم و نسق کو برقرار رکھنا ہے۔ بغاوت کوئی جائز اختیار نہیں ہے، کیونکہ حکمران کی اتھارٹی کو کوئی بھی چیلنج اس خوفناک فطری حالت میں واپسی کا خطرہ مول لے گا۔ یہ نظریہ مطلق بادشاہت کو حکومت کی واحد قابل عمل شکل کے طور پر جواز فراہم کرتا ہے جو انسانی بقا کو یقینی بنانے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

جان لاک کا نظریہ (John Locke)

جان لاک، ایک اور انگریز فلسفی، نے سماجی معاہدے کے نظریے کا ایک زیادہ پر امید اور دیرپا ورژن فراہم کیا جس نے امریکی اور فرانسیسی انقلابات پر گہرا اثر ڈالا۔ انھوں نے 1689 لکھی اپنی کتاب، "حکومت پر دو مقالے" (Two Treatises of Government) میں، لاک نے براہ راست ایک مطلق حکمران کے ہابس کے نظریے کو چیلنج کیا۔

لاک کی فطری حالت افراد تفری کی حالت نہیں ہے بلکہ عقل اور آزادی کی حالت ہے۔ اس قبل از سیاسی حالت میں، افراد فطری قانون کے تحت حکومت کرتے ہیں جو یہ حکم دیتا ہے کہ تمام لوگ آزاد اور برابر ہیں۔ اس قانون کے تحت، ہر ایک کو زندگی، آزادی اور ملکیت کے بنیادی اور ناقابل تنسیخ حقوق حاصل ہیں۔ اگرچہ یہ حالت عام طور پر پر امن ہے، لیکن یہ غیر مستحکم بھی ہے۔ تنازعات کو حل کرنے اور فطری قانون کو نافذ کرنے کے لیے ایک غیر جانبدار اتھارٹی کے بغیر، افراد اپنے ہی معاملات میں جج کے طور پر کام کرنے کا رجحان رکھتے ہیں، جس سے آسانی سے تنازعہ پیدا ہو سکتا ہے۔

لہذا، لاک کے سماجی معاہدے کا مقصد افراتفری سے بچنا نہیں ہے، بلکہ ان موجودہ فطری حقوق کی حفاظت اور انہیں محفوظ کرنا ہے۔ لوگ ایک حکومت بنانے پر راضی ہوتے ہیں، لیکن وہ صرف اپنے حقوق کے بچ اور نافذ کرنے والے ہونے کا حق چھوڑ دیتے ہیں۔ اس کے بدلے میں، انہیں تنازعات میں ثالثی کرنے اور قوانین کو نافذ کرنے کے لیے ایک غیر جانبدار فریق ملتا ہے۔ اس حکومت کی طاقت مطلق نہیں ہے؛ یہ محدود اور لوگوں کی رضامندی پر مشروط ہے۔

لاک کے نظریے نے انقلاب کے حق کے انقلابی تصور کو متعارف کرایا۔ اگر کوئی حکومت لوگوں کے اعتماد کے خلاف کام کرتی ہے، ان کے حقوق کی حفاظت میں ناکام رہتی ہے، یا ظالمانہ ہو جاتی ہے، تو لوگوں کو اسے اکھاڑ پھینکنے اور ایک نئی حکومت قائم کرنے کا حق۔ اور یہاں تک کہ فرض بھی ہے۔ یہ خیال جدید آئینی جمہوریت کا ایک بنیادی ستون بن گیا، جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ حکومت کی قانونی حیثیت حکمرانی کی مسلسل رضامندی سے حاصل ہوتی ہے۔

روسو کا نظریہ (Jean Jackes Rousseau)

جین جیک روسو، ایک 18 ویں صدی کے جینیوا کے فلسفی، نے سماجی معاہدے کے نظریے کو ایک انقلابی نئی سمت میں لے گئے۔ انہوں نے ہابس کی مطلقیت اور لاک کے انفرادی ملکیت کے حقوق پر زور دونوں کو مسترد کر دیا، اور حکمرانی کی ایک زیادہ اجتماعی شکل کی وکالت کی۔

روسو کی فطری حالت مثالی ہے۔ ان کا خیال تھا کہ انسان اپنی ابتدائی حالت میں ایک "شریف وحشی" تھا۔ ایک تنہا، خود کفیل وجود جو فطرت کے ساتھ ہم آہنگی میں رہتا تھا اور اسے سماجی مقابلے کی ضرورت نہیں تھی۔ یہ معاشرے کی ایجاد، خاص طور پر نجی ملکیت کا تصور، تھا جس نے انسانیت کو خراب کر دیا، عدم مساوات، خود غرضی اور اخلاقی زوال کو متعارف کرایا۔ ہابس اور لاک کے سمجھے ہوئے سماجی معاہدے، صرف موجودہ طاقت کے ڈھانچوں کو قانونی حیثیت دینے اور عدم مساوات کو برقرار رکھنے کا ایک آلہ تھے۔

روسو کے لیے، ایک حقیقی سماجی معاہدے کا مقصد معاشرے کے خراب کرنے والے اثر سے کھوئی ہوئی حقیقی آزادی کی ایک شکل کو بحال کرنا تھا۔ یہ معاہدہ لوگوں اور ایک حکمران کے درمیان نہیں ہوتا، بلکہ لوگوں کے آپس میں ہوتا ہے۔ ہر فرد کو اپنے تمام حقوق اور املاک کو پوری کمیونٹی کے حوالے کرنا ہوگا۔ اس مکمل طور پر الگ ہونے کا عمل ایک اجتماعی خود مختار ادارے کی تخلیق کا باعث بنتا ہے، جسے روسو نے "عمومی ارادہ" کا نام دیا۔

عمومی ارادہ صرف انفرادی خواہشات کا مجموعہ نہیں ہے؛ یہ اجتماعی بھلائی اور کمیونٹی کے اجتماعی مفاد کی نمائندگی کرتا ہے۔ عمومی ارادے کی اطاعت کرنے سے، افراد اپنی آزادی کو نہیں کھو رہے بلکہ درحقیقت اخلاقی اور شہری آزادی کی ایک اعلیٰ شکل حاصل کر رہے ہیں۔ وہ آزاد ہیں

کیونکہ وہ ان قوانین کی اطاعت کر رہے ہیں جو انہوں نے اجتماعی طور پر خود کے لیے بنائے ہیں۔ اس نظریے نے براہ راست جمہوریت اور عوامی خود مختاری کے تصور کے لیے ایک طاقتور فلسفیانہ جواز فراہم کیا، جس نے فرانسیسی انقلاب پر گہرا اثر ڈالا۔

سماجی معاہدہ کے نظریات کا تنقید (Criticism of Social Contract Theory)

اگرچہ سماجی معاہدے کا نظریہ انتہائی بااثر رہا ہے، لیکن اسے صدیوں کے دوران اہم تنقیدوں کا بھی سامنا کرنا پڑا ہے۔ ایک بنیادی اعتراض اس کا تاریخی طور پر ناقابل عمل ہونا ہے۔ ناقدین کا کہنا ہے کہ ایسا کوئی سماجی معاہدہ حقیقی تاریخ میں کبھی نہیں ہوا، اور اس لیے، یہ نظریہ ایک بے بنیاد افسانہ ہے۔ "فطری حالت" بھی ایک خالصتاً خیالی تصور ہے، اور اس کی فلسفیوں کی طرف سے پیش کی گئی تصویر کو اکثر ان کے اپنے سیاسی تعصبات کا عکاس سمجھا جاتا ہے نہ کہ ایک حقیقی واقعہ کا۔ مزید برآں، یہ نظریہ یہ وضاحت کرنے میں جدوجہد کرتا ہے کہ جو لوگ ایسے معاشرے میں پیدا ہوتے ہیں جس پر انہوں نے رضامندی نہیں دی، وہ اس کے قوانین کے پابند کیوں ہیں؟۔

ان کمزوریوں کے باوجود، سوشل کنٹریکٹ تھیوری کی وراثت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اس کی اصل قدر تاریخی درستی میں نہیں بلکہ اس کی ایک طاقتور اخلاقی فریم ورک کے طور پر کام کرنے کی صلاحیت میں ہے۔ یہ حکومتوں کی قانونی حیثیت کا جائزہ لینے کا ایک طریقہ فراہم کرتا ہے کہ آیا وہ اپنے شہریوں کی رضامندی اور حقوق کا احترام کرتے ہیں۔

20 ویں صدی میں، اس نظریے کو جان رالز (Rawls) جیسے فلاسفہ نے دوبارہ زندہ کیا۔ اپنی اہم کتاب، "انصاف کا ایک نظریہ" میں، رالز نے ایک جدید سماجی معاہدے کا فکری تجربہ پیش کیا۔ انہوں نے ہم سے "جہالت کے پردے" کے پیچھے سے ایک معاشرے کی تشکیل کا تصور کرنے کو کہا، جہاں افراد اپنی سماجی حیثیت، طبقے، نسل، یا صلاحیتوں کو نہیں جانتے۔ رالز نے دلیل دی کہ، اس حالت میں، لوگ انصاف کے اصولوں پر عقلی طور پر متفق ہوں گے جو سب سے زیادہ پسماندہ افراد کا تحفظ کریں گے، کیونکہ انہیں اس بات کا کوئی اندازہ نہیں ہوگا کہ آیا وہ خود ان میں شامل ہوں گے۔ "بطور انصاف" کا یہ تصور ظاہر کرتا ہے کہ سوشل کنٹریکٹ تھیوری آج بھی سیاسی اخلاقیات اور ایک منصفانہ معاشرے کے اصولوں کے بارے میں سوچنے کے لیے ایک جاندار اور ضروری آلہ ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ، ہابز کے مطلق حکمران سے لے کر لاک کی محدود حکومت اور روسو کے انقلابی عمومی ارادے تک، سوشل کنٹریکٹ تھیوری نے صدیوں کی سیاسی سوچ کے لیے فکری بنیاد فراہم کی ہے۔ اس نے سیاسی اتھارٹی کے بارے میں ہماری سمجھ کو تبدیل کر دیا، پرانے نظام کی جگہ ایک طاقتور اور پائیدار خیال کے ساتھ لے لی کہ حکومت لوگوں کا خادم ہے، اور ہمیشہ رہے گی

4.6 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

عزیز طلباء، اس اکائی میں آپ نے:

- مملکت کی تعریف کا مطالعہ کیا۔
- مملکت کے ضروری عناصر کو سمجھا۔
- مملکت کے نظریات کا مطالعہ کیا۔
- سماجی معاہدے کا نظریہ کو سمجھا۔

4.7 کلیدی الفاظ (Keywords)

- | | |
|-------------|-------------------------------------|
| • اگروہ باش | • وہ جو گروہ میں رہنا پسند کرتا ہے۔ |
| • دوش بدوش | • ساتھ ساتھ |
| • بالادستی | • بلند مقام |
| • فوقیت | • ترجیح |
| • ہمسر | • ساتھ، ہم مقام |
| • موروثی | • ورثہ میں ملنے والی چیز |

4.8 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

4.8.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1۔ بابائے سیاسیات کسے کہا جاتا ہے؟

- | | |
|-------------|------------|
| (a) افلاطون | (b) ارسطو |
| (c) میکاوی | (d) سُقراط |

2۔ کس نے کہا کہ مملکت اس تنظیم کو کہتے ہیں جس میں یہ احساس موجود ہو کہ سبھی انسانوں کے اس تنظیم کا استعمال آپس میں مل کر کرنا چاہیے؟

- | | |
|-------------|------------------|
| (a) افلاطون | (b) تھومس ایکنوس |
|-------------|------------------|

(c) سمیرو (d) بوڈن

3۔ افلاتون کے مطابق ایک مملکت کی آبادی کتنی ہونا چاہیے؟

(a) 1040 (b) 4050

(c) 5040 (d) 6040

4۔ اس میں سے مملکت کا جز کون نہیں ہے؟

(a) حکومت (b) اقتدار اعلیٰ

(c) علاقہ (d) زبان

5۔ مملکت اور حکومت کے درمیان سب سے بڑا فرق کیا ہے؟

(a) دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ (b) حکومت مملکت کا ایک حصہ ہے۔

(c) حکومت ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہوتی ہے۔ (d) مملکت حکومت سے طاقتور ہے۔

6۔ کس نظریہ کے مطابق مملکت جسم انسانی کی طرح زندگی سے بھرپور ہے؟

(a) Marxist Theory (b) Liberal Theory

(c) Organic Theory (d) Idealistic Theory

7۔ کس نظریہ کے مطابق مملکت ایک مثالی اور مکمل ادارہ ہے؟

(a) Marxist Theory (b) Liberal Theory

(c) Organic Theory (d) Idealistic Theory

8۔ کس نظریہ کے مطابق مملکت کی ابتدا فرد کے حقوق اور آزادی پر مبنی ہے؟

(a) Marxist Theory (b) Liberal Theory

(c) Organic Theory (d) Idealistic Theory

9۔ کس نظریہ کے مطابق مملکت طبقاتی ادارہ ہے؟

(a) Marxist Theory (b) Liberal Theory

Idealistic Theory (d)

Organic Theory (c)

10۔ سماجی معاہدہ کے نظریہ کے حمایتی ہیں؟

(b) جان لاک

(a) تھامس ہابز

(d) یہ سبھی

(c) روسو

4.8.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. مملکت کی تعریف بیان کیجئے۔
2. مملکت اور حکومت کے درمیان فرق واضح کیجئے۔
3. مملکت اور سماج کے درمیان فرق واضح کیجئے۔
4. سماجی معاہدے کے نظریہ کا تنقیدی جائزہ لیجئے۔
5. مملکت کے ضروری عناصر بتائیے۔

4.8.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. لبرلزم کے مطابق مملکت کی نوعیت کیا ہے؟
2. مملکت کے بارے میں مارکس کے خیالات کیا ہیں؟
3. سماجی معاہدے کے نظریات کا جائزہ پیش کیجئے۔

معروضی سوالات کے جوابات:

(b)	-5	(d)	-4	(c)	-3	(c)	-2	(b)	-1
(d)	-10	(a)	-9	(b)	-8	(d)	-7	(c)	-6

اکائی 5—روایتی نقطہ نظر، جدید لبرل نقطہ نظر

(Classical Perspective, Modern Liberal Perspective)

اکائی کے اجزاء:

تمہید	5.0
مقاصد	5.1
مملکت کے معنی اور مفہوم	5.2
مملکت کی تاریخ	5.3
یونانی اور رومن تصورات کے تناظر میں	5.3.1
دور جدید کے تصورات کے تناظر میں	5.3.2
عصر حاضر کے تصورات کے تناظر میں	5.3.3
مملکت کی ضرورت	5.4
مملکت کے بنیادی فرائض	5.5
مختلف نظریات کے تناظر میں مملکت کے فرائض	5.6
خدائی نظریہ یا نظریہ تخلیق ربانی	5.6.1
پدر سری نظریہ	5.6.2
مادر سرانہ نظریہ	5.6.3
قوت کا نظریہ یا نظریہ جبر	5.6.4
سماجی معاہدے کا نظریہ	5.6.5
مارکسی نظریہ	5.6.6
روایتی نقطہ نظر کے تناظر میں مملکت کے فرائض	5.7
اقتصادی نتائج	5.8
کلیدی الفاظ	5.9

نمونہ امتحانی سوالات

5.10

5.10.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

5.10.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

5.10.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

5.0 تمہید (Introduction)

اس اکائی میں طلباء مختصر مملکت کے معنی اور مفہوم سے روشناس ہوں گے۔ اس اکائی میں بتایا جائے گا کہ اس اکائی کے مقاصد کیا ہیں؟ مملکت کی مختصر تاریخ بیان کی جائے گی۔ اس میں بتایا جائے گا کہ مملکت کی ضرورت کیوں پڑتی ہے اور اس کی اہمیت کیا ہے؟ مملکت کے بنیادی فرائض سے روشناس کرایا جائے گا۔ مختلف نظریات بالخصوص روایتی نظریے کی رو سے مملکت کے کاموں کو بیان کیا جائے گا۔ اکائی پر بحث کرنے کے بعد اکتسابی نتائج جاننے کے لیے معروضی اور مختصر سوالات دیے جائیں گے۔

5.1 مقاصد (Objectives)

عزیز طلباء، اس اکائی میں آپ:

- مملکت کے معنی اور مفہوم کو سمجھیں گے۔
- مملکت کی تاریخ سے روشناس ہوں گے۔
- مملکت کی ضرورت اور اہمیت کو سمجھیں گے۔
- مملکت کے بنیادی فرائض سے روشناس ہوں گے۔
- مختلف نظریات کی بالخصوص روایتی نظریے کی رو سے مملکت کے کاموں کو سمجھیں گے۔

5.2 مملکت معنی اور مفہوم (Meaning and Definition of State)

مملکت انسانوں کی انجمن کی ایک شکل ہے جو اپنے مقصد، نظم و امان اور سلامتی کے قیام، طریقوں، قوانین اور ان کا نفاذ، علاقوں، دائرہ اختیار یا جغرافیائی حدود اور خاص طور سے اقتدار اعلیٰ کی وجہ سے دوسرے سماجی گروہوں سے ممتاز ہے۔ مملکت ایک منظم سیاسی برادری یا سماج کا نام ہے جو حکومت کے تحت کام کرتی ہے۔ مملکت کی مختلف قسمیں ہوتی ہیں ان کی قسموں پر ہی ان کے کاموں کا انحصار ہوتا ہے۔ مملکتوں کی درجہ بندی مختلف طرح سے کی جاسکتی ہے جیسے مطلق العنان یا خود مختار مملکتیں۔ یہ ایسی مملکتیں جو کسی بھی دوسری طاقت یا مملکت پر منحصر نہیں ہیں، یا اس کے تابع نہیں ہیں۔ ماتحت مملکتیں وہ مملکتیں ہیں جو بیرونی اقتدار اعلیٰ یا بالادستی کے تابع سمجھی جاتی ہیں جن کی حتمی اقتدار اعلیٰ کسی دوسری مملکت

میں ہوتی ہے۔ وفاقی مملکت ایک علاقائی، آئینی جماعت ہے جو کسی فیڈریشن کا حصہ ہوتی ہے۔ ایسی ملکیتیں خود مختار مملکتوں سے مختلف ہوتی ہیں، اس میں وہ اپنی خود مختار اختیارات کا ایک حصہ وفاقی حکومت کو منتقل کر دیتی ہیں۔ مملکت افراد کے درمیان، زیادہ تر وسیع پیمانے پر، معاہدے پر مشتمل ہے جس کے تحت تنازعات کو قوانین بنا کر حل کیا جاتا ہے۔

5.3 مملکت کے تاریخ (History of the State)

مملکت کے کاموں کو بہتر طریقے سے جاننے کے لیے ضروری ہے کہ اس کی مختصر تاریخ کو سمجھا جائے تاکہ قدیم زمانے اور آج کی مملکتوں کے فرق کی وضاحت ہو سکے۔

5.3.1 یونانی اور رومن تصورات کے تناظر میں (Greek and Roman Perspective)

مغربی مملکت کی تاریخ کا آغاز قدیم یونان سے ہوتا ہے۔ افلاطون اور ارسطو نے پولس یا سٹی مملکت یعنی شہری مملکتوں کو ایک مثالی شکل کے طور پر پیش کیا ہے، جس میں پوری برادری کی مذہبی، ثقافتی، سیاسی اور معاشی ضروریات پوری ہو سکیں۔ ارسطو نے شہری مملکت، جس کی بنیادی خصوصیت اقتدار اعلا تھی، کو انسان کے کردار میں اخلاقیات کو فروغ دینے کے ذرائع کے طور پر دیکھا تھا۔ یونانی نقطہ نظر قوم کے جدید تصور سے زیادہ بہتر طور پر مسابقت رکھتا ہے۔ یعنی ایک مخصوص علاقے کی آبادی جس کی مشترکہ زبان، ثقافت اور تاریخ ہے۔ جب کہ رومن ریز پبلیکا، یا دولت مشترکہ مملکت کے جدید تصور سے زیادہ مشابہت رکھتا ہے۔ ریس پبلیکا ایک قانونی نظام تھا جس کے دائرہ اختیار میں تمام رومن شہریوں کے حقوق کو محفوظ بنانے اور ان کی ذمہ داریوں کا تعین کرنا تھا۔ اختیار کے سوال اور نظم و ضبط کی ضرورت کے نتیجے میں رومن نظام کے ٹکڑے ٹکڑے ہونے سے، یورپ کے متحارب جاگیرداروں کے مابین ایک طویل عرصے تک جدوجہد چلی۔

5.3.2 دور جدید کے تصورات کے تناظر میں (Modern Perspective)

21 ویں صدی تک مملکت کا جدید تصور ابھر کر سامنے نہیں آیا تھا۔ نیکو لومیاولی (اٹلی) اور جین بوڈین (فرانس) کی تحریروں سے یہ سامنے آیا کہ استحکام کے لیے مرکزی قوت ضروری ہے۔ اپنی تصنیف 'پرنس' میں میکیا ویلی نے حکومت کے استحکام کو اولین اہمیت دی، تمام اخلاقی تحفظات کو پس پشت ڈال کر حکمران کی طاقت، حوصلہ اور آزادی پر توجہ دی گئی۔ اس کے برخلاف اسی کے ہم عصر بوڈین کے لیے خود مختار بنانے کے لیے طاقت کافی نہیں تھی بلکہ پائیدار حکومت ہونے کے لیے حاکم کو اخلاقیات کی تعمیل کرنا اور اس میں تسلسل کا ہونا بھی ضروری ہے۔ بوڈین کے نظریہ 17 ویں صدی کے "بادشاہوں کے خدائی حق" کے نظریہ کا پیش خیمہ بن گیا جس کے نتیجے میں بادشاہت یورپ میں حکومت کی ایک اہم شکل بن گئی۔ اس کے نظریے نے انگلینڈ میں جان لاک اور فرانس میں جین جیک روسو جیسے 17 ویں صدی کے اصلاح پسندوں کے نظریات کے لیے ایک آب و ہوا پیدا کی، جنہوں نے مملکت کی ابتدا اور مقاصد کا جائزہ لینا شروع کیا۔ لاک، روسو اور تھامس ہو بس کے مطابق مملکت انسانوں کی فطرت کی عکاسی کرتی ہے۔ انسان اپنے آپ کو مملکت کے خود حکمرانی کے تابع کرتا ہے اور اسے خود کو بچانے کا

واحد ذریعہ سمجھتا ہے اور جس سے وہ اپنے آپ کو تباہی سے بچاتا ہے۔ لاک کہتا ہے کہ مملکت تحفظ کی ضرورت سے پیدا ہوتی ہے۔ لاک نے کہا کہ مملکت وہ سماجی معاہدہ ہے جس کے ذریعے افراد زندگی، آزادی اور املاک کی ایک دوسرے سے حفاظت کرتے ہیں اور ایک دوسرے کے "فطری حقوق" کی خلاف ورزی نہیں کرتے ہیں بلکہ اس کے بدلے میں ہر شخص اپنی "آزادی کے دائرہ" کو محفوظ کرتا ہے۔ روسو کے نظریات انسانی فطرت کے سلسلے میں بازنایلاک سے کہیں زیادہ مثبت رویہ کی عکاسی کرتے ہیں۔ روسو کا ماننا تھا کہ ملک خود خود مختار ہے، اور قانون کچھ بھی نہیں ہے بلکہ مجموعی طور پر لوگوں کی مرضی ہے۔ روسو نے مملکت کو انسانیت کی اخلاقی نشوونما کے ماحول کے طور پر تسلیم کیا۔ اس کا کہنا تھا کہ انسان بنیادی طور پر اچھا ہی رہا ہے اور اسی وجہ سے عمومی فلاح و بہبود کا مقصد حاصل کرنے کا اخلاقی مقام سنبھالنے کے قابل ہے۔

19 ویں صدی کے جرمنی کے فلسفی جی ڈبلیو ایف ہیگل نے پوری مملکت کی حیثیت سے آزادی کے دائرہ کو دیکھا، آزادی کسی فرد کا اتنا حق نہیں ہے۔ آزادی یہ نہیں ہے کہ کسی کی پسند اس کے مطابق ہو بلکہ یہ عافیت کے لیے آفاقی مرضی کی صف بندی ہے۔ ہیگل کے نزدیک، مملکت اخلاقی عمل کی انتہا تھی، جہاں انتخاب کی آزادی شعوری خواہش کے اتحاد کا باعث بنی تھی، اور معاشرے کے تمام حصوں کو پوری طرح صحت یاب بنایا گیا تھا جب کہ اس کے پیش رو امانوئل کانٹ نے تنازعات کو مکمل طور پر ختم کرنے اور "ہمیشہ کے لیے امن" قائم کرنے کے لیے اقوام متحدہ کی لیگ کے قیام کی تجویز پیش کی تھی۔ 19 ویں صدی کے افادیت پسند فلسفیوں نے کہا کہ مملکت مفادات کا اتحاد پیدا کرنے اور استحکام کو برقرار رکھنے کے لیے ایک مصنوعی آلہ کار تھی۔ کارل مارکس جیسے ابتدائی کمیونسٹ مفکرین کے لیے مملکت ایک حکمران طبقے کے ذریعے "مظلومیت کا سامان" بن چکی تھی جس کا مقصد ہمیشہ معاشی بالادستی کو برقرار رکھنا تھا۔

5.3.3 عصر حاضر کے تصورات کے تناظر میں (Contemporary Perspective)

19 ویں صدی میں، مملکت کے تصورات انتشار پسندی سے لے کر فلاحی مملکت تک لیے گئے تھے، انتشار پسندی میں مملکت کو غیر ضروری اور حتیٰ کہ نقصان دہ سمجھا جاتا ہے کیوں کہ وہ کسی نہ کسی طرح جبر کرتی ہے۔ فلاحی مملکت جس میں اس کے ممبران کی بقا کی ذمہ داری حکومت پر عائد کی گئی تھی۔ قوم پرستی سے متاثر دنیا کی جنگوں کے ذریعے پیدا ہونے والی تباہی کے تناظر میں بین الاقوامیت کے نظریات نمودار ہوئے۔ کیلسن نے مملکت کے نظریہ کو محض ایک مرکزی قانونی حکم کے طور پر پیش کیا، جو فرد سے زیادہ خود مختار نہیں ہے۔ اجازت دینے کی نئی قسم کی مملکت کی تجویز پیش کی جس میں تمام افراد کی آفاقی خصوصیات نے اتحاد کی ایک بنیاد فراہم کی، جس میں پورا معاشرہ ایک حیاتیات کی حیثیت سے کام کرتا ہے۔

5.4 مملکت کی ضرورت (Necessity of the State)

مملکت ہمیشہ سے انسانوں کی ضرورت رہی ہے بلکہ انسان نے خود اپنے تحفظ کے لیے اس کی بنیاد ڈالی۔ مندرجہ ذیل نکات سے ہم مملکت کی ضرورت اور اہمیت کو سمجھنے کی کوشش کریں گے۔

- تحفظ کے لیے: انسان ایک سماجی جانور ہے۔ اس کی فطرت اور ضروریات اسے مجبور کرتی ہیں کہ وہ معاشرے میں رہے اور دوسرے لوگوں کے ساتھ سماجی تعلقات پیدا کرے۔ وہ فطری طور پر ایک شیر خوار جانور ہے۔ وہ ہمیشہ زندہ رہنا اور ساتھی انسانوں کی صحبت میں رہنا چاہتا ہے۔ اسے اپنی سلامتی، امن و امان کی فراہمی کے ساتھ ساتھ تمام مجرموں اور سماج دشمن عناصر کو سزا دینے کے لیے مملکت کی ضرورت پڑتی ہے۔ انسان کو معاشرے میں اپنی جان، مال اور تعلقات کی سلامتی کے لیے مملکت کی ضرورت ہوتی ہے۔
- سماجی تعلقات کے لیے: جب انسان دوسروں کی صحبت میں رہتا ہے تو وہ فطری طور پر دوسرے انسانوں کے ساتھ سماجی تعلقات استوار کرتا ہے۔ وہ کنبہ اور کئی دوسرے گروپ بناتا ہے۔ وہ تعلقات کے نظام میں شامل ہو جاتا ہے۔ اسے متعدد تعلقات وراثت میں بھی ملتے ہیں اور زندگی بھر ان کے ساتھ بندھا رہتا ہے۔ مزید یہ کہ اس کی جسمانی اور معاشی ضروریات اسے ہمیشہ معاشی تجارتی اور ثقافتی تعلقات استوار کرنے پر مجبور کرتی ہیں۔
- معاشی ضروریات کے لیے: ہر معاشرے میں عوام کو مملکت کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ مملکت معاشی کاروبار اور تجارتی تعلقات کے انعقاد کے لیے کرنسی اور سکے مہیا کرتی ہے۔ عام طور پر مملکت تمام شہریوں کے فائدے کے لیے تمام مالیاتی پالیسیاں اور منصوبے مرتب کرتی ہے اور اس پر عمل درآمد کرتی ہے۔ یہ معاشرے کے غریب اور کمزور طبقوں کو مالی مدد فراہم کرتی ہے۔ سلامتی امن و امان کی فراہمی کے ذریعے، مملکت لوگوں کو اپنے معاشی تعلقات اور سرگرمیاں انجام دینے میں مدد فراہم کرتی ہے۔
- معاشرے میں امن، سلامتی اور سب کی فلاح و بہبود کے لیے مملکت کی ضرورت: سماج میں انسان کا اپنا ایک وجود ہے، اس کے ساتھ ہی اس کی خود غرض فطرت بھی اس کے وجود کا ایک حصہ ہے۔ بعض اوقات کچھ افراد کی خود غرضی مشکلات اور دوسروں کو نقصان پہنچاتی ہیں۔ مملکت کی طرف سے اس کی روک تھام کی جاتی ہے۔ معاشرے میں رہتے ہوئے انسان کو اپنی جان و مال کے تحفظ کی ضرورت ہے۔
- جنگ اور بیرونی دشمنوں سے تحفظ کے لیے مملکت کی ضرورت ہے: مملکت ہر معاشرے کا خود مختار سیاسی ادارہ ہے۔ یہ ادارہ لوگوں کی حفاظت کرتا ہے اور ان کی خوشی، خوش حالی اور ترقی کے حالات کو یقینی بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ بیرونی جارحیتوں، جنگوں اور داخلی رکاوٹوں اور عوارضوں کے خلاف تحفظ اور سلامتی حاصل کرنے کے لیے مملکت کی ضرورت پڑتی ہے۔ سلامتی، امن، استحکام اور بیرونی جارحیتوں اور جنگوں کے خلاف تحفظ کے لیے معاشرے کو مملکت کی ضرورت ہے۔ بیرونی جنگیں لڑنے اور جارحیت کا مقابلہ کرنے کے لیے مملکت دفاعی افواج کو برقرار رکھتی ہے۔ مملکت دہشت گردی اور تشدد کے خاتمے کے لیے کام کرتی ہے۔

5.5 مملکت کے بنیادی فرائض (Basic Functions of the State)

مملکت کے کیا کام ہونا چاہیے؟ اس بارے میں مسلسل تنازعہ رہتا ہے۔ سیاسی مفکرین نے وقتاً فوقتاً مملکتی سرگرمیوں کے بارے میں مملکت کے مختلف نظریات کو سامنے رکھا ہے۔ ایک طرف انتشار پسند، کمیونسٹ وغیرہ جیسے مفکرین مملکت کے وجود پر ہی سوال اٹھاتے ہیں اور ایک بے

مملکت معاشرے کی حمایت کرتے ہیں۔ تو دوسری طرف، تصورات پرست جیسے مطلق مفکرین ہیں جو مملکت کو قادر مطلق سمجھتے ہیں اور انسانی زندگی سے متعلق ہر عمل کو اس کے سپرد کرتے ہیں۔ مملکت کے کچھ متفقہ فرائض درج ذیل ہیں:

- نظم و ضبط کی بحالی: مملکت کے پاس عجیب و غریب خصوصیات موجود ہیں جو اسے اس فعل کو انجام دینے کے قابل بناتی ہیں۔ نظم و ضبط کی بحالی کے لیے، اس کا بنیادی کام، مملکت متعدد ماتحت کام انجام دیتی ہے جیسے انجمنوں کے کام کو باقاعدہ اور ہم آہنگ کرنے، شہریت کے حقوق اور فرائض کی وضاحت، مواصلات اور آمدورفت کے ذرائع کو قائم کرنے اور ان پر کنٹرول کرنے، حساب کتاب، سماجی نظام کے درمیان اور دیگر سماجی تعلقات کے درمیان، افراد کے مخصوص حقوق اور فرائض کی تشکیل، فوج اور پولس کے نظام کو برقرار رکھنا اور انصاف کی فراہمی کرنا ہے۔



- سماجی سہولیات کا تحفظ اور فراہمی: مملکت مسابقتی مفادات کے مقابلہ میں سب کے مفاد اور مستقبل کے مفاد کو بہتر طور پر برقرار رکھ سکتی ہے۔ لہذا جنگلات کا تحفظ، مانی گیری اور معدنی وسائل کا استحصال وہ کام ہیں جو مملکت کو انجام دینے چاہیے۔ مملکت پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ سماجی سہولیات جیسے اسکول، اسپتال، سڑکیں، پانی، بجلی، عوامی بیت الخلا کی سہولیات، تفریحی سہولیات، رہائش وغیرہ کی فراہمی کرے۔ یہ کام حکومتی اداروں کے ذریعے انجام دیا جاتا ہے لیکن حالیہ دنوں میں، کچھ حکومتیں کچھ افراد کو نفع کی سہولیات کی فراہمی کا ماحول بناتی ہیں۔ اگر قدرتی وسائل کا استحصال نجی افراد کے ہاتھ میں ہوگا تو وہ اجتماعی فوائد کی قیمت پر اپنا فائدہ حاصل کریں گے۔

- روزگار کی فراہمی اور معاشی سرگرمیوں کو فروغ دینا: مملکت سے اپنے شہریوں کے لیے روزگار کی توقع کی جاتی رہی ہے بلکہ بہت سے ممالک میں یہ مملکت کے آئین میں بھی شامل ہے۔ ملک کی معاشی ترقی کو فروغ دینا مملکت کا کام ہے۔ حکومتوں سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ لوگوں کے لیے سامان اور خدمات کے لیے کارپوریشنوں کا قیام کریں اور ذاتی طور پر افراد کو بھی ایسا کرنے کے قابل بنانے کے لیے ماحول پیدا کریں۔

- انسانی حقوق اور شہریوں کے تحفظ کی گارنٹی: مملکت کا ایک اور اہم کام اپنے شہریوں کے حقوق کی ضمانت ہے۔ خصوصاً زندگی کے حق جیسے بنیادی حقوق کی ضمانت۔ اس سے شہریوں میں مملکت کی پیش کردہ ہر چیز سے لطف اندوز ہونے کا ماحول پیدا ہوتا ہے۔ اس سے شہریوں کو اپنے گھروں میں محفوظ رہنے اور امن و امان محسوس کرنے میں بھی مدد ملتی ہے۔ اس طرح اعتماد اور سماجی استحکام کو تقویت

ملے گی۔ شہری کے حقوق میں زندگی کا حق، انجمن کی آزادی، آزادانہ نقل و حرکت، املاک کے مالکانہ حقوق وغیرہ شامل ہیں۔ یہ ذمہ داری حکومت کی طرف سے حکومت کے دوا داروں عدلیہ اور مجلس عاملہ کی مشترکہ کوشش سے انجام دی جاتی ہے۔

- خارجہ تعلقات کو فروغ دینا: کوئی بھی ملک تنہائی میں نہیں رہ سکتا اسی وجہ سے مملکت دوسرے ممالک کے ساتھ سب کے باہمی فائدے کے لیے بیرونی تعلقات قائم کرتی ہے۔

5.6 مختلف نظریات کے تناظر میں مملکت کے فرائض

(Functions of State in Different Theoretical Perspective)

کئی انسانی معاشروں پر ہزاروں سال مملکتوں کے زیر اقتدار حکومت رہی ہے، لیکن بیشتر تاریخ سے پہلے، لوگ بے مملکت معاشروں میں رہتے تھے۔ پہلی مملکتیں تقریباً چھ ہزار سال پہلے شہروں کی تیز رفتار نشوونما، تحریر کی ایجاد، اور مذہب کی نئی شکلوں کی تدوین کے ساتھ مل کر کھڑی ہوئی تھیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ، مختلف اقسام مملکتیں وجود میں آئیں، جنہوں نے اپنے وجود (جیسے خدائی یا ربانی، سماجی معاہدے کا نظریہ وغیرہ) کے لیے مختلف جوازوں کو استعمال کیا۔ تاہم، آج، جدید قومی مملکت، مملکت کی ایک بنیادی شکل ہے جس کے تحت لوگ مشروط طریقے سے رہ رہے ہیں۔ مملکت کے روایتی کاموں کو بہتر طور پر سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم مملکت کے وجود کے مختلف نظریات کے مطابق کاموں کا جائزہ لیں، اس سے ہمیں روایتی نظریے کے کاموں کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔

5.6.1 خدائی نظریہ (Theory of Devine State)

مملکت کے وجود کا سب سے قدیم نظریہ الہامی نظریہ ہے۔ اسے بادشاہ کے آسمانی حق کے نظریہ کے طور پر بھی دیکھا جاتا ہے۔ اس نظریہ کو پھیلانے والے سمجھتے ہیں کہ انسان کی کسی کوشش سے مملکت وجود میں نہیں آئی۔ اسے خدا نے پیدا کیا ہے۔ مملکت پر حکمرانی کرنے والا بادشاہ زمین پر خدا کا ایجنٹ ہے۔ بادشاہ خدا سے اس کا اختیار حاصل کرتا ہے اور اس کے سبھی اعمال کے لیے وہ صرف خدا کا جواب دہ ہے۔ بادشاہ کی اطاعت خدا کے لیے مقرر کی گئی ہے اور اس کی خلاف ورزی کرنا گناہ ہوگا۔ بادشاہ قانون سے بالاتر ہے اور کسی بھی مضمون کو اس کے اختیار یا اس کے عمل سے سوال کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ مملکت کی خدائی تخلیق کا تصور قدیم دور سے مل جاتا ہے۔ قدیم لوگوں کا یہ عالمگیر عقیدہ تھا کہ بادشاہ زمین پر خدا کا نمائندہ ہے اور مملکت خدا کی نعمت ہے۔ اس طرح بادشاہ کی سیاسی اور مذہبی دونوں حیثیتیں تھیں۔ یہاں تک کہ اگر بادشاہ خراب بھی ہے تب بھی لوگوں کو اس سے بغاوت کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔

5.6.2 پدر سری نظریہ (Patriarchal Theory)

اس نظریہ کا اصل بانی سر ہنری مائٹن ہے۔ ان کے بقول شہر متعدد خاندانوں کا اجتماع ہے جو اس کنبے کے سب سے بڑے مرد ممبر کے کنٹرول اور اختیار میں تیار ہوا۔ بزرگ خاندان کے سربراہ یا والد نے خاندان کے دوسرے افراد پر اپنی طاقت اور اثر و رسوخ قائم کیا۔ اس کی حکم گھر کے تمام افراد پر چلتا تھا۔ یہ پدر سری خاندان قدیم معاشرے کا سب سے قدیم منظم سماجی ادارہ تھا۔

شادی کے عمل کے ذریعے خاندانوں میں وسعت آنا شروع ہو گئی اور انہوں نے جنس کو جنم دیا جس کا مطلب ایک گھرانہ ہے۔ کئی جنسوں نے ایک کنبہ بنایا۔ کنبوں نے ایک قبیلہ تشکیل دیا۔ جارحین سے اپنے دفاع کے مقصد کے لیے خون کے تعلقات پر مبنی مختلف قبائل کے ایک کنفڈریشن نے ایک دولت مشترکہ تشکیل دی جسے مملکت کہا جاتا ہے۔ ایڈورڈ جینکس جو پدرانہ نظریہ کا دوسرا حامی ہے اس کے خیال میں مملکت کی بنیاد تین عوامل یعنی مرد سے خونی رشتے، مستقل شادیاں اور آبائی (پدر) اختیارات کی وجہ سے ہوئی ہے۔ اس نظریہ کا ایک اور اہم حامی ارسطو تھا۔ اس کے بقول - "جس طرح مرد اور عورت اپنا کنبہ بنانے کے لیے متحد ہوتے ہیں، اسی طرح بہت سے خاندان گاؤں کی تشکیل کے لیے متحد ہوتے ہیں اور بہت سے دیہاتوں کا اتحاد مملکت کی تشکیل کرتا ہے جو ایک خود کفیل یونٹ ہے۔"

5.6.3 مادر سرائہ نظریہ (Matriarchal Theory)

مادر سرائہ نظریے کے سب سے بڑے حامی مورگن، میکینن اور ایڈورڈ جینکس ہیں۔ ان کے بقول، قدیم معاشرے میں کبھی بھی کوئی پدر سرائہ خاندان نہیں تھا اور یہ کہ یہ پدر سرائہ خاندان اس وقت ہی وجود میں آیا جب مستقل نکاح کافی مقبول تھا۔ لیکن قدیم معاشرے میں مستقل شادی کے بجائے ایک طرح کی جنسی انتشار پھیلا ہوا تھا۔ اس حالت میں باپ کی بجائے ماں خاندان کی سربراہ تھی۔ خون کی رشتہ داری ماں کے توسط سے قائم ہوتی تھی لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ کنبہ مملکت کی بنیاد ہے۔

5.6.4 قوت کا نظریہ (Theory of Coercion)

مملکت کا ایک اور ابتدائی نظریہ طاقت کا نظریہ ہے۔ اس نظریے کو پھیلانے والوں کا خیال ہے کہ مملکت کی تشکیل میں کچھ طاقت ور قبیلوں کی جنگیں اور جارحیتیں بنیادی عوامل تھیں۔ وہ مملکت کے وجود کی تاریخی وضاحت کے طور پر "جنگ نے بادشاہ کو پیدا کیا" کے مقولے پر یقین رکھتے ہیں۔ قدیم معاشرے میں طاقت پر حقوق پر غالب آ گئی۔ جسمانی طور پر مضبوط آدمی نے کم طاقتور لوگوں پر اپنا اختیار قائم کیا۔ لہذا کسی قبیلے کا سب سے مضبوط اور طاقت ور شخص اس قبیلے کا سربراہ یا قائد بن گیا۔ مملکت کے قیام کے بعد اس نے دوسرے لوگوں کو محکوم کر کے امن و امان برقرار رکھنے اور مملکت کو باہری جارحیت سے بچانے کے لیے اپنے اختیار کا استعمال کیا۔ اس طرح طاقت نہ صرف مملکت کی ابتدا کے لیے بلکہ مملکت کی ترقی کے لیے بھی ذمہ دار تھی۔ یہ نظریہ بہترین کی بقا کے مقولے پر مبنی ہے۔ فریڈرک ہیگل، ایمانوئل کانت، جان برنہارڈی اور ٹریسکی جیسے جرمن فلسفیوں نے مملکت کی تشکیل میں قوت کو اہم مانا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ مملکت اور جنگ اور طاقت فیصلہ کن عوامل ہیں۔

ساتھ ساتھ انصاف، مذہبی اور دیگر تعلیم کے انتظام، غریب اور بے روزگاروں کی دیکھ بھال، سڑکوں، پلوں کی تعمیر اور دیکھ بھال، بحری دریاؤں، بندرگاہیں وغیرہ شامل ہیں۔ مجموعی طور پر معاشرے کی عمومی فلاح و بہبود۔ معاشرے کی حفاظت کرنا مملکت کا فرض ہے۔ دوسری بات یہ کہ جہاں تک ممکن ہو مملکت کا فرض معاشرے کے افراد کی نا انصافیوں اور ظلم سے حفاظت کرنا ہے۔ اس کے علاوہ عدل کا صحیح انتظام کرنا۔ کچھ عوامی ادارے جو مفاد کے لیے کبھی نہیں ہو سکتے ہیں ان میں سے ایک مملکت بھی ہے۔ انہوں نے یہ بھی وکالت کی کہ حکومت عام لوگوں کو تعلیم بھی فراہم کرے۔ اسمتھ نے یہ بھی مشورہ دیا کہ بہت سے عوامی کام جیسے سڑکیں اور بہت حد تک تعلیم، جوان کا استعمال کرتے ہیں وہ خود اس کا بوجھ اٹھائیں۔ عوامی اخراجات کو سمجھنے کے لیے معاشرے کی ضروریات کو جاننا بھی بہتر ہے۔ معاشرے کی بہت سی مشترکہ خواہشات ہیں جو صرف مشترکہ کاوشوں سے ہی پوری ہو سکتی ہیں۔ افراد کی طرف سے محسوس کی جانے والی ضروریات ایک ایسے ادارے کے ذریعے پوری کی جائیں جو سب کی اطاعت کو قبول کر سکے۔ اس طرح کلاسیکی ماہرین مملکت یا حکومت کو تفویض کردہ بنیادی کردار دفاع، انصاف جیسے معاہدوں کے نفاذ، اور املاک کی حفاظت جیسے معاملات شامل تھے اور سڑکوں، نہروں، بندرگاہوں، لائٹ ہاؤسز، اور دیگر ضروریات جیسے سکے جیسی بنیادی ڈھانچے کی فراہمی، اور ٹیکسوں کی عدم دستیابی جیسے معاملات کی فراہمی کی حوصلہ شکنی کے لیے بنایا گیا ہے۔ کلاسیکی معاشی ماہرین بھی صحت عامہ کے ضوابط کو حکومت کا ایک اہم کام سمجھتے ہیں، شہر کاری میں اضافے کے ساتھ ہی انہوں نے صحت عامہ کے ضوابط اور ملاوٹ کی جانچ پر بھی زور دیا۔ این ایس سینیر نے یہاں تک کہا کہ عوامی علاج کے لیے عوامی سہولیات مہیا ہونا چاہیے۔

کلاسیکی ماہرین نے متعدد امور پر زور دیا جہاں مملکتی مداخلت یقینی طور پر ناپسندیدہ تھی خاص طور پر قیمتوں میں بڑھوتری، صنعتوں کا نظم و نسق، خوراک کا ادھار ہونا، اجارہ داریوں پر پابندی وغیرہ۔ مملکت کے افعال کے حوالے سے نو کلاسیکیوں کی بنیادی سوچ یہ تھی کہ مارکیٹ کی ہدایات کے جواب میں معاشی نظام کام کرتا ہے۔ بڑے پیمانے پر معاشرے کے بہتر مفادات کے لیے مملکت کو جواب میں اضافی کام کرنا چاہیے۔ انہوں نے محسوس کیا کہ مملکت کی خدمات بہت اہمیت کی حامل ہیں۔ سماجی پالیسی نے نجی کاروباری اداروں کے لیے مملکتی کنٹرول کی عدم موجودگی کو پسند کیا گیا۔

5.8 جدید لبرل نقطہ نظر (Modern Liberal Perspective)

جدید لبرل نقطہ نظر 18 ویں اور 19 ویں صدی کے کلاسیکی لبرل ازم سے ایک اہم ارتقائی قدم ہے۔ اگرچہ دونوں انفرادی آزادی اور حقوق پر بنیادی یقین رکھتے ہیں، لیکن وہ ان اہداف کو حاصل کرنے میں مملکت کے کردار پر بہت مختلف رائے رکھتے ہیں۔ کلاسیکی لبرل حکومت کو آزادی کے لیے ایک ممکنہ خطرہ سمجھتے تھے، اور وہ ایک "کم از کم مملکت" کی وکالت کرتے تھے جس کا کام صرف جائیداد کی حفاظت اور معاہدوں کا نفاذ تھا۔ اس کے برعکس، جدید لبرل مملکت کو ایک حقیقی آزاد اور منصفانہ معاشرہ بنانے کے لیے ایک ضروری ذریعہ سمجھتے ہیں۔

یہ سوچ کی تبدیلی خود آزادی کی نئی تعریف کرتی ہے۔ آزادی کو صرف حکومتی مداخلت کی عدم موجودگی (منفی آزادی) کے طور پر دیکھنے کے بجائے، جدید لبرل مثبت آزادی پر بھی زور دیتے ہیں۔ یعنی کسی کی پوری صلاحیت کو حاصل کرنے کی آزادی۔ ان کا استدلال ہے کہ بنیادی

ضروریات اور مواقع تک رسائی کے بغیر حقیقی آزادی ناممکن ہے، جو اکثر مارکیٹ کی ناکامیوں اور سماجی عدم مساوات کی وجہ سے نہیں مل پاتی۔ اس لیے، مملکت کا ایک مثبت فرض ہے کہ وہ مداخلت کرے اور ایسے حالات پیدا کرے جو افراد کے پھلنے پھولنے کے لیے ضروری ہیں۔

ایک مثبت قوت کے طور پر مملکت

اس نقطہ نظر سے، مملکت ایک ضروری برائی نہیں، بلکہ بھلائی کے لیے ایک جائز اور طاقتور ایجنٹ ہے۔ اس کا بنیادی کردار یہ ہے کہ وہ آزاد مارکیٹ اور سول سوسائٹی خود سے جو مسائل حل نہیں کر سکتے، ان کو فعال طور پر حل کر کے تمام شہریوں کے لیے آزادی اور فلاح و بہبود کو یقینی بنائے۔

مملکت پر جدید لبرل نقطہ نظر (Modern Liberal Perspective of State)

1: کم از کم مملکت سے معاون مملکت تک (From a Minimal State to a Supportive State)

جدید لبرل نقطہ نظر مملکت پر ایک اہم ارتقائی قدم ہے جو اس سے پہلے کے کلاسیکی لبرل ازم سے مختلف ہے۔ اگرچہ دونوں روایات انفرادی آزادی کے لیے بنیادی عزم کا اشتراک کرتی ہیں، لیکن انہیں حاصل کرنے کے ذرائع کے بارے میں وہ ڈرامائی طور پر مختلف ہیں۔ کلاسیکی لبرل ازم، جو بادشاہت اور مذہبی ظلم و ستم کے دور میں پیدا ہوا، مملکت کو شک کی نظر سے دیکھتا تھا۔ جان لاک اور ایڈم سمٹھ جیسے مفکرین حکومت کو انفرادی حقوق اور معاشی آزادی کے لیے ممکنہ خطرہ سمجھتے تھے۔ ان کا نصب العین ایک "کم از کم مملکت" تھی، جس کے بنیادی افعال صرف جائیداد کی حفاظت، معاہدوں کا نفاذ اور بیرونی خطرات سے دفاع تک محدود تھے۔ ان کے خیال میں، بازار وسائل کی تقسیم کا سب سے موثر اور منصفانہ طریقہ کار تھا، اور حکومتی مداخلت ایک خطرناک مداخلت تھی۔

تاہم، 19 ویں صدی کے آخر اور 20 ویں صدی کے اوائل میں نئے چیلنجز سامنے آئے جنہوں نے اس کلاسیکی نقطہ نظر کی بنیادوں کو ہلا دیا۔ صنعتی انقلاب، اگرچہ بے پناہ دولت پیدا کر رہا تھا، لیکن اس نے وسیع پیمانے پر غربت، کام کے خطرناک حالات اور چند صنعتی طاقتوروں کے ہاتھوں میں طاقت کا ارتکاز بھی پیدا کیا۔ بے پناہ دولت اور شدید غربت کے درمیان سخت تضاد نے عالمگیر آزادی کے وعدے کا مذاق اڑایا۔ لبرل مفکرین کی ایک نئی نسل پر یہ واضح ہو گیا کہ اگرچہ رسمی حقوق کا غنڈہ موجود ہو سکتے ہیں، لیکن وہ غربت، خوف اور جہالت میں زندگی گزارنے والے لوگوں کے لیے بے معنی تھے۔

جدید لبرل ازم اسی احساس سے ابھرا۔ اس نے ایک انقلابی خیال پیش کیا: کہ مملکت صرف ایک ضروری برائی نہیں ہے جس کو قابو میں رکھنا ہے، بلکہ یہ آزادی اور فلاح و بہبود کو فروغ دینے کا ایک طاقتور اور جائز ذریعہ ہے۔ یہ نقطہ نظر آزادی کی صرف حکومتی مداخلت سے آزادی منفی آزادی (کے طور پر تعریف نہیں کرتا، بلکہ اسے ایک فرد کی پوری صلاحیت کو حاصل کرنے کی آزادی) مثبت آزادی کے طور پر بھی بیان کرتا ہے۔ انہوں نے دلیل دی کہ ایک محفوظ، صحت مند اور تعلیم یافتہ آبادی کے بغیر، حقیقی آزادی ناممکن ہے۔ اس لیے، مملکت کا کردار ایسے حالات پیدا کرنا ہے جن کے تحت ہر شہری کو کامیاب ہونے کا حقیقی موقع ملے۔

2: سماجی انصاف کے فروغ کے طور پر مملکت (The State as a Promoter of Social Justice)

جدید لبرل نقطہ نظر کا ایک مرکزی اصول یہ ہے کہ مملکت کو سماجی انصاف کا ایک فعال ایجنٹ ہونا چاہیے۔ یہ صرف قانون کے سامنے مساوات کو یقینی بنانے سے بالاتر ہے۔ جدید لبرلزم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ تاریخی اور نظامی عدم مساوات ایسی رکاوٹیں پیدا کرتی ہیں جو پسماندہ گروہوں کو اپنے حقوق استعمال کرنے سے روکتی ہیں۔ ان کا ماننا ہے کہ مملکت کی اخلاقی ذمہ داری ہے کہ وہ ان عدم توازن کو درست کرے اور یہ یقینی بنائے کہ مواقع زیادہ مساوی طور پر تقسیم ہوں۔

یہ نقطہ نظر سماجی انصاف کے لیے حکومتی اقدامات اور پروگراموں کی ایک وسیع صف کو جائز قرار دیتا ہے: شہری حقوق اور امتیازی سلوک کے خلاف قوانین (Civil rights legislation) جدید لبرلزم مملکت کو اقلیتی حقوق کا حتمی محافظ سمجھتے ہیں۔ وہ علیحدگی کو ختم کرنے، ادارہ جاتی نسل پرستی کا مقابلہ کرنے، اور جنس، نسل، مذہب یا جنسی رجحان کی بنیاد پر امتیازی سلوک سے بچانے کے لیے حکومتی مداخلت کی حمایت کرتے ہیں۔

عالمگیر تعلیم: (Universal public education) ان کا استدلال ہے کہ ایک تعلیم یافتہ شہری دونوں ایک فعال جمہوریت اور ایک ترقی پذیر معیشت کے لیے ضروری ہے۔ مملکت کی طرف سے فنڈ کی جانے والی عوامی تعلیم کو یہ یقینی بنانے کے لیے ایک اہم ذریعہ سمجھا جاتا ہے کہ ہر بچے کو اپنی فیملی کی دولت سے قطع نظر، ایک کامیاب زندگی کے لیے ضروری علم اور مہارت حاصل کرنے کا منصفانہ موقع ملے۔

مناسب صحت کی دیکھ بھال (Affordable healthcare access): صحت کی دیکھ بھال تک رسائی کو ایک حق سمجھا جاتا ہے نہ کہ کوئی مراعات۔ ایک صحت مند آبادی ایک پیداواری آبادی ہے، اور مملکت، سماجی طب یا سبسڈی والی ہیلتھ انشورنس جیسے پروگراموں کے ذریعے، یہ یقینی بنانے کے لیے ذمہ دار ہے کہ بیماری اور طبی قرض کسی شخص کی زندگی اور آزادی کے لیے ناقابل تسخیر رکاوٹ نہ بنیں۔

اس نقطہ نظر میں، مملکت عوام کی اجتماعی خواہش ہے، جو معاشرے کے مشترکہ مسائل کو حل کرنے کے لیے کام کرتی ہے۔ یہ اس خیال سے وابستگی کی نمائندگی کرتی ہے کہ ایک معاشرہ صرف اتنا ہی مضبوط ہے جتنا اس کے سب سے زیادہ کمزور افراد، اور یہ کہ ایک حقیقی طور پر آزاد معاشرہ وہ ہے جس میں ہر کسی کو پھلنے پھولنے کا موقع ملے۔

3. مملکت اور معاشی انتظام (The State and Economic Management)

جدید لبرل ازم نے معیشت میں مملکت کے کردار کو بنیادی طور پر تبدیل کر دیا۔ آزاد منڈی میں کلاسیکی لبرل اعتماد کو مسترد کرتے ہوئے، انہوں نے دلیل دی کہ استحکام، انصاف اور مجموعی خوشحالی کے لیے حکومتی مداخلت ضروری ہے۔ اس نقطہ نظر کو جان مینارڈ کیمنز کے معاشی نظریات نے بہت زیادہ متاثر کیا، جنہوں نے معاشی چکروں کو منظم کرنے اور معاشی مندویوں کا مقابلہ کرنے کے لیے فعال حکومتی اخراجات کی وکالت کی۔

ایک جدید لبرل نقطہ نظر سے، مملکت کی کئی اہم معاشی ذمہ داریاں ہیں:

مارکیٹ کی ناکامیوں کو درست کرنا: (Correcting market failures) جدید لبرلزم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ بازار کامل نہیں ہیں۔ وہ منفی بیرونی عوامل پیدا کر سکتے ہیں، جیسے آلودگی، اور ضروری عوامی سامان فراہم کرنے میں ناکام رہتے ہیں، جیسے صاف ہوا اور قومی دفاع، جو سب کو فائدہ پہنچاتے ہیں لیکن جن کے لیے کسی ایک فرد پر آسانی سے چارج نہیں کیا جاسکتا۔ مملکت کو ان بیرونی عوامل کو منظم کرنے اور عوامی سامان کو فنڈ دینے کے لیے قدم اٹھانا چاہیے۔

معاشی استحکام: (Economic stabilization) کلاسیکی نقطہ نظر کے برعکس کہ مارکیٹ قدرتی طور پر خود کو درست کر لے گی، جدید لبرلزم کا ماننا ہے کہ مملکتی مداخلت کے بغیر، سرمایہ دارانہ معیشتیں شدید اتار چڑھاؤ کا شکار ہوتی ہیں۔ حکومت کا کردار مالی اور مالیاتی پالیسی کا استعمال کرتے ہوئے مجموعی طلب کو منظم کرنا، کساد بازاری کے دوران روزگار کو فروغ دینا، اور زیادہ گرمی کے دوران افراط زر کو روکنا ہے۔

صنعت کی نگرانی: (Regulation of industry) جدید لبرلزم اجارہ داریوں کو روکنے، منصفانہ مسابقت کو یقینی بنانے، اور صارفین اور کارکنوں کو تحفظ فراہم کرنے کے لیے صنعتوں کی نگرانی کی حمایت کرتے ہیں۔ اس میں کارپوریٹ دیو کو توڑنے کے لیے عدم اعتماد کے قوانین، مصنوعات کی حفاظت کو یقینی بنانے کے لیے قوانین، اور مزدور قوانین شامل ہیں جو کم از کم اجرت، کام کے محفوظ حالات، اور یونین بنانے کے حق کی ضمانت دیتے ہیں۔ وہ ان قوانین کو آزادی کی خلاف ورزی کے طور پر نہیں دیکھتے، بلکہ کارپوریٹ طاقت پر ایک ضروری روک کے طور پر دیکھتے ہیں جو بصورت دیگر انفرادی آزادیوں کو نقصان پہنچا سکتی ہے۔

یہ فعال معاشی کردار مملکت کو ایک غیر فعال مبصر سے قوم کی معاشی زندگی میں ایک مرکزی شریک میں تبدیل کرتا ہے، جو یہ یقینی بنانے کے لیے کام کرتا ہے کہ سرمایہ داری کے فوائد وسیع پیمانے پر بانٹے جائیں اور اس کے منفی نتائج کو کم کیا جائے۔

4. سماجی تحفظ کا جال اور دوبارہ تقسیم (The Social Safety Net and Redistribution)

جدید لبرل مملکت کی ایک وضاحتی خصوصیت اس کا ایک جامع سماجی تحفظ کا جال کے لیے عزم ہے، جسے اکثر فلاحی مملکت کہا جاتا ہے۔ یہ تصور اس یقین پر مبنی ہے کہ افراد کو مارکیٹ کی قوتوں یا ذاتی بد قسمتی کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑا جانا چاہیے۔ مملکت، اپنے شہریوں کے اجتماعی انشورنس کے طور پر، زندگی اور تحفظ کا ایک کم سے کم معیار فراہم کرنے کی ذمہ دار ہے۔

سماجی تحفظ کے جال میں جدید زندگی کے موروثی خطرات سے شہریوں کو بچانے کے لیے ڈیزائن کردہ پروگراموں کی ایک رینج شامل ہے: بے روزگاری کے فوائد (Unemployment benefits): ان لوگوں کے لیے عارضی آمدنی فراہم کرتا ہے جنہوں نے اپنی نوکریاں کھو دی ہیں، جس سے وہ تباہی کا شکار ہوئے بغیر نئی ملازمت کی تلاش کر سکتے ہیں۔

سوشل سیکیورٹی اور پنشن (Social security and pensions): بزرگوں اور معذوروں کے لیے ایک بنیادی آمدنی کی ضمانت دیتا ہے، یہ تسلیم کرتے ہوئے کہ ایک شخص کا وقار اور تحفظ اس کی کام کرنے والی زندگی کے ساتھ ختم نہیں ہونا چاہیے۔

غربت میں مدد (Poverty Assistance): ضرورت مند خاندانوں اور افراد کو آمد فراہم کرتا ہے، جیسے فوڈ سٹیمپ یا ہاؤسنگ مدد، تاکہ یہ یقینی بنایا جاسکے کہ کوئی بھی انتہائی غربت میں رہنے پر مجبور نہ ہو۔

ان پروگراموں اور دیگر عوامی خدمات کو فنڈ دینے کے لیے، جدید لبرل مملکت ترقی پسند ٹیکس کاری پر انحصار کرتی ہے۔ یہ ایک ایسا نظام ہے جہاں امیر لوگ غریبوں کے مقابلے میں اپنی آمدنی کا زیادہ فیصد ٹیکس میں ادا کرتے ہیں۔ اس کی منطق دو گنی ہے: اول، اسے معاشرے کی طرف سے پیدا ہونے والی بے پناہ دولت کی کچھ مقدار کو دوبارہ تقسیم کرنے کا ایک منصفانہ طریقہ سمجھا جاتا ہے، اور دوم، یہ یقینی بناتا ہے کہ جن لوگوں نے نظام سے سب سے زیادہ فائدہ اٹھایا ہے وہ اس کی دیکھ بھال اور سب کی فلاح و بہبود میں متناسب طور پر زیادہ حصہ ڈالیں۔ جدید لبرلز کے لیے، دولت کی یہ دوبارہ تقسیم خیرات کا عمل نہیں ہے، بلکہ ایک منصفانہ اور فعال معاشرے کا ایک بنیادی کام ہے۔

5: تنقیدیں اور عصری مطابقت (Criticisms and Contemporary Relevance)

جدید لبرل نقطہ نظر، اگرچہ بہت سی مغربی جمہوریتوں میں غالب ہے، لیکن اسے سیاسی دائیں بازو اور بائیں بازو دونوں کی طرف سے مسلسل تنقید کا سامنا ہے۔

دائیں بازو کی طرف سے تنقیدیں: (Critiques from the Right) قدامت پسند اور آزاد خیال لوگ یہ دلیل دیتے ہیں کہ وسیع جدید لبرل مملکت غیر موثر، نوکری کشی اور انفرادی آزادی کی خلاف ورزی کرتی ہے۔ وہ یہ دلیل دیتے ہیں کہ زیادہ ٹیکس سرمایہ کاری اور جدت کی حوصلہ شکنی کرتے ہیں، اور یہ کہ سماجی تحفظ کے جال ایک "انحصار کی ثقافت" پیدا کرتے ہیں جو ذاتی ذمہ داری کو ختم کرتی ہے۔ ان کے خیال میں، حکومت کی معیشت کو منظم کرنے کی کوششیں لامحالہ وسائل کی غلط تقسیم اور مارکیٹ کی حرکیات کے نقصان کا باعث بنتی ہیں۔ وہ کلاسیکی لبرل ازم کے اصولوں کی طرف واپسی کی وکالت کرتے ہیں، جہاں مملکت چھوٹی ہے، ٹیکس کم ہیں، اور مارکیٹ کو آزادانہ طور پر کام کرنے دیا جاتا ہے۔

بائیں بازو کی طرف سے تنقیدیں (Critiques from the Left): دوسری طرف، سوشلسٹ اور زیادہ انقلابی ترقی پسند یہ دلیل دیتے ہیں کہ جدید لبرل ازم کافی نہیں ہے۔ وہ اس کی پالیسیوں کو صرف سرمایہ داری کے بنیادی مسائل کو براہ راست حل کرنے کے بجائے اسے مستحکم کرنے کے لیے ڈیزائن کردہ اصلاحات کی ایک سیریز کے طور پر دیکھتے ہیں۔ ان کا ماننا ہے کہ حقیقی مساوات اور سماجی انصاف کے لیے معاشی نظام کی زیادہ بنیاد پرست تنظیم نو کی ضرورت ہے، جو نجی ملکیت سے ہٹ کر زیادہ کمیونل یا سماجی معیشت کی طرف گامزن ہو۔ وہ جدید لبرلز کو کارپوریٹ مفادات سے سمجھوتہ کرنے کے لیے بہت زیادہ تیار رہنے اور عدم مساوات کی بنیادی وجوہات کو چیلنج نہ کرنے پر تنقید کرتے ہیں۔

ان تنقیدوں کے باوجود، جدید لبرل نقطہ نظر عالمی سیاست میں ایک طاقتور اور بااثر قوت ہے۔ اس کے بنیادی خیالات کہ مملکت کو انفرادی آزادی کی حفاظت، سماجی انصاف کو فروغ دینے، اور معاشی تحفظ کو یقینی بنانے کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے اور کیا جانا چاہیے، دنیا بھر میں حکومتوں کی پالیسیوں کو تشکیل دیا ہے اور انفرادی آزادی اور اجتماعی ذمہ داری کے درمیان مناسب توازن کے بارے میں بحثوں کو جاری رکھا ہوا ہے۔ بڑھتی ہوئی عالمگیریت، تکنیکی خلل اور بڑھتی ہوئی عدم مساوات کے دور میں، جدید لبرل منصوبہ مسلسل آزمائش اور دوبارہ تشکیل دیا جا رہا ہے، جو اس کی دیر پا مطابقت کو ثابت کر رہا ہے۔

5.8 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو گئے ہیں کہ:

- مملکت کے معنی اور مفہوم کو بیان کر سکیں۔
- مملکت کے مقاصد بیان کر سکیں۔
- مملکت کی تاریخ بیان کر سکیں۔
- مملکت کی تاریخ کے ادوار کو واضح کر سکیں۔
- مملکت کی ضرورت اور اہمیت کو سمجھ سکیں۔
- مملکت کے بنیادی فرائض کو بتا سکیں۔
- فرائض سے متعلق مملکت کے نظریات پر بحث کر سکیں۔
- روایتی نظریے کے مطابق مملکت کے فرائض کو واضح کر سکیں۔

5.9 کلیدی الفاظ (Keywords)

- مملکت: ایک طے شدہ حکمرانی کے تحت منظم سیاسی گروہ کا نام ہے۔
- نظریات: ایک ایسا خیال جو حقیقت پر مبنی ہو۔
- فرائض: ایسے کارکردگی جو کسی فرد سے امید کی جاتی ہے حالانکہ یہ قانونی بندش میں نہیں آتی ہے۔
- خدائی نظریہ: کے مطابق مملکت کی تخلیق خدا نے کی ہے جو اپنے نمائندے کے ذریعے حکمرانی کرتا ہے۔
- فلاحی مملکت: حکومت کا ایک ایسا نظام جہاں ضرورت مندوں کو سرکاری اسکیم مہیا کروائی جاتی ہے۔ اور اس کو حکومت نچلے پائیدان سے سماج میں اوپر اٹھانے کے لیے کئی مثبت قدم اٹھاتی ہے۔
- حکومت: لوگوں کا ایک جماعت جو کسی ملک پر کنٹرول یا حکمرانی کرے۔
- اقتدارِ اعلیٰ: کسی ملک کی خود کی حکمرانی کرنے کا اختیار جس میں کسی اندرونی یا باہری طاقت کا مداخلت نہ ہو۔

5.10 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

5.10.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1- مندرجہ ذیل میں سے کس پر مملکت کے کاموں کا انحصار ہے۔

- (a) مملکت کی اقتدار اعلیٰ پر (b) مملکت کی قسموں پر
(c) مملکت کی طاقت پر (d) یہ تمام سبھی

2- برادری کی مذہبی، ثقافتی، سیاسی اور معاشی ضروریات پوری کرنا کس کی خصوصیت ہے؟

- (a) وفاقی مملکت (b) مطلق العنان مملکت
(c) شہری مملکت (d) جمہوری مملکت

3- کس کی بدولت بادشاہوں کے خدائی حق کا نظریہ سامنے آیا؟

- (a) ارسطو (b) بوڈین
(c) میکاولی (d) افلاطون

4- مندرجہ ذیل میں سے کون سماجی تعلقات کے زمرے میں نہیں آتا۔

- (a) جسمانی اور معاشی ضروریات (b) تجارتی اور ثقافتی ضروریات
(c) ملکوں کے آپسی تعلقات (d) سماجی ضروریات

5- ان میں سے کون سا مملکت کا کام نہیں ہے؟

- (a) روزگار کی فراہمی (b) انسانی حقوق کا تحفظ
(c) انسان کو زندگی دینا (d) امن و امان قائم کرنا

6- ’فلاحی مملکت‘ کس صدی کی دین ہے؟

- (a) اٹھارویں صدی (b) انیسویں صدی
(c) سترہویں صدی (d) اکیسویں صدی

7- لفظ لبرل کا عروج لاطینی لفظ ’Liber‘ سے نکلا ہے۔ جس کے معنی ہیں۔

- (a) آزاد (b) بندش
(c) روکاؤٹ (d) ان میں سے کوئی نہیں

8- قدیم یونان میں مملکت کو کس نام سے جانا جاتا تھا؟

- (a) Polis (b) کامن ویلتھ

(c) ریپبلک (d) اسٹیو

9۔ قدیم ہندوستان کی مشہور کتاب ”ارتھ شاستر“ کے مصنف کون ہیں؟

(a) آریہ بھٹ (b) کوٹلیہ

(c) ناگ ارجن (d) اشوک

10۔ ’ویلتھ آف نیشن‘ کس کی کتاب ہے؟

(a) ایڈم اسمتھ (b) جان لاک

(c) سینتھم (d) ان میں سے کوئی

5.10.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. مملکت سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟
2. ریپبلک سے کیا مراد ہے؟
3. دور جدید کے تصور میں کس بات کو اہمیت دی گئی ہے؟
4. مملکت کی ضرورت کیوں محسوس ہوتی ہے؟
5. مملکت کے بنیادی فرائض کیا ہیں؟ خدائی نظریہ مملکت کے کن فرائض پر زور دیتا ہے؟

5.10.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. روایتی نظریہ کس بات پر زور دیتا ہے؟ روایتی نظریے کے استحکامی کام کیا ہیں؟
2. مملکت کے ضابطوں سے متعلق کام سے کیا مراد ہے؟
3. سماجی معاہدے اور مارکسی نظریے کے فرائض میں کیا فرق ہے؟

معروضی سوالات کے جوابات:

(c)	-5	(c)	-4	(b)	-3	(c)	-2	(a)	-1
(a)	-10	(b)	-9	(a)	-8	(a)	-7	(a)	-6

اکائی 6- مملکت کے فرائض: مارکسی تناظر

(Functions of the State: Marxist Perspective)

اکائی کے اجزاء:

تمہید	6.0
مقاصد	6.1
مملکت کی ابتدا اور نوعیت کا لبرل نظریہ	6.2
مملکت کی ابتدا اور نوعیت کا مارکسی نظریہ	6.3
مملکت کی اصل اور نوعیت کے بارے میں لبرل اور مارکسی نظریات کا موازنہ	6.4
سوشلسٹ معاشروں میں مملکت کے فرائض	6.5
سوشلسٹ معاشروں میں مملکت کے فرائض اور اس کے فرائض کا تنقیدی جائزہ	6.6
سرمایہ دارانہ معاشروں میں مملکت کے فرائض	6.7
اکتسابی نتائج	6.8
کلیدی الفاظ	6.9
نمونہ امتحانی سوالات	6.10
معروضی جوابات کے حامل سوالات	6.10.1
مختصر جوابات کے حامل سوالات	6.10.2
طویل جوابات کے حامل سوالات	6.10.3

6.0 تمہید (Introduction)

اس اکائی میں ہم "مملکت کے فرائض مارکسی تناظر" کے بارے میں تفصیل سے تذکرہ کریں گے۔ سب سے پہلے مملکت کیا ہے، کسے کہتے ہیں؟ اس کے بارے میں مختصر میں جاننا ہے کہ ماضی میں مملکت کو ایک اختتام اور فرد کو ذرائع سمجھا جاتا تھا۔ لیکن حقیقت میں مملکت ایک ذریعہ ہے اور اس کا مقصد لوگوں کی فلاح و بہبود ہے۔ مملکت لوگوں کی جان، آزادی اور املاک کی حفاظت کرتی ہے اور اسی وجہ سے ان کی سماجی، معاشی، ثقافتی اور سیاسی فلاح و بہبود کو فروغ دیتی ہے۔ مملکت کا مقصد وہ تمام مواقع پیدا کرنا ہے جو انفرادی شخصیت کی نشوونما کے لیے ضروری ہیں۔ آج کا

دور جمہوریت کا ہے اور عوام مملکت کے اختیار کو کنٹرول کرتے ہیں۔ عوام کے نمائندے عوام کی رائے میں مملکتی اتھارٹی کا استعمال کرتے ہیں۔ جس میں مملکت کے ابتدا اور نوعیت کا لبرل اور مارکسیائی نظریات، مملکت کی اصل۔ مارکسیائی نظریہ، نتیجہ میں، مملکت کی ابتدا اور اس کی نوعیت کے بارے میں مارکسی نظریات، مملکت کی اصل اور نوعیت کے بارے میں لبرل اور مارکسی نظریات کا موازنہ، مملکت کا مارکسی نظریہ، سوشلسٹ معاشروں میں مملکت کے کام جو چار قسم کے ہیں ان کے بارے میں تفصیل سے مطالعہ کرنا، سوشلسٹ معاشروں میں مملکت کے افعال اور اس کے کام کا تنقیدی جائزہ، سرمدارانہ معاشروں میں مملکت کے کام اور سوشلسٹ مملکت اور سرمایہ مملکت کے مابین موازنہ کے بارے میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

6.1 مقاصد (Objectives)

عزیز طلباء، اس اکائی میں آپ:

- مملکت کی ابتدا اور اس کی نوعیت کے لبرل نظریہ کا مطالعہ کریں گے۔
- مملکت کی ابتدا اور اس کی نوعیت کے مارکسی نظریہ کا مطالعہ کریں گے۔
- مملکت کی اصل اور نوعیت کے بارے میں لبرل اور مارکسی نظریات کا موازنہ کریں گے۔
- سوشلسٹ معاشروں میں مملکت کے فرائض کو سمجھیں گے۔
- سوشلسٹ معاشروں میں مملکت کے فرائض کا تنقیدی جائزہ لیں گے۔
- سرمایہ دارانہ معاشروں میں مملکت کے فرائض کا مطالعہ کریں گے۔

6.2 مملکت کی ابتدا اور نوعیت کا لبرل نظریہ

(Origin and Nature of the State and their Liberal Ideology)

لبرل تھیوری انسان کے لبرل تصور پر مبنی ہے جو انسان کو دنیا میں ایک آزاد ایجنٹ کی حیثیت سے، اپنی مرضی سے آزاد ہونے کی وجہ سے اہمیت دیتا ہے۔ لہذا مملکت کی ابتدا میں، یہ افراد، ان کی نوعیت، سرگرمیوں، مفادات اور مقاصد کو مناسب کردار دیتا ہے۔ مملکت کو ایک ضرورت، ایک ادارے کی حیثیت سے دیکھا جاتا ہے۔ برائی یا دوسری صورت میں۔ جو معاشرے میں امن و امان، امن اور انصاف قائم کر سکتا ہے۔ مملکت مجموعی طور پر معاشرے کے عام مفاد کی خدمت کے لیے موجود ہے۔ اسے انسانی فلاح و بہبود کی ایک ایجنسی سمجھا جاتا ہے، جو انسان کی جان و مال کو محفوظ بنائے گا۔ مملکت کو انسان کی اخلاقی اور سماجی ترقی میں مددگار سمجھا جاتا ہے۔ یہ حقوق اور آزادیوں کا تحفظ کرتا ہے اور تنازعات کو حل کرتا ہے، کسی دوسرے تنازعے سے دوچار معاشرے میں اتفاق رائے لاتا ہے۔ یہ انسانی اور سماجی بہبود کا نگہبان ہے۔ مملکت کے آغاز میں لوگوں کے کردار اور ان کی مرضی کو لبرلس نے مناسب اہمیت دی ہے۔ مملکت کی بنیاد طاقت نہیں بلکہ عوام کی مرضی ہے۔ مملکت ایک طاقت نہیں ہے بلکہ کچھ کام انجام دینے کا ایک سماجی آلہ ہے۔ یہ لوگوں کی طرف سے، لوگوں کے ذریعے، لوگوں کے لیے ہے۔ حریت پسندی مملکت اور

معاشرے میں فرق کرتا ہے اور برقرار رکھتا ہے کہ مملکت معاشرے کے لیے ہے نہ کہ دوسری صورت میں۔ مملکت کی طاقت کو محدود اور اس کی اقتدار اعلیٰ کو تکثیف سمجھا جاتا ہے۔ مملکت تمام جامع نہیں ہے، کیونکہ اس کے مقاصد اور اختیارات محدود ہیں۔ کسی زمانے میں، حریت پسندی نے کم سے کم مملکت کی حمایت کی تھی۔ جس میں پولیس کے صرف منفی کام انجام دیے جاتے تھے، لیکن اب حریت پسندی ایک مثبت، فلاحی مملکت کی حمایت کرتا ہے۔ حریت پسندی برقرار نہیں رکھتا ہے کہ مملکت محض ایک طبقے کا آلہ کار ہے۔ یہ فرض کرتا ہے کہ مملکت کے پاس تنازعات کو نرم کرنے اور تمام طبقوں کے مفادات کی فراہمی کی صلاحیت ہے۔ مملکت معاشرے کے مختلف تنازعات میں ایک جھٹکے جذب کرنے والے کے طور پر کام کر سکتی ہے۔ یہاں مملکت کی نوعیت کے حوالے سے لبرل اور مارکسزم نظریات کے درمیان بنیادی فرق موجود ہے۔ مختصر میں، مملکت کی نوعیت کے آزاد خیال کے اہم نکات مندرجہ ذیل ہیں:

- مملکت ایک انسانی ادارہ ہے، جسے انسان نے بنایا ہے۔
- مملکت کے خاتمے امن و امان، نظم و ضبط، امن، انصاف کو برقرار رکھنا اور معاشرے کے مشترکہ مفاد کی خدمت کرنا ہے۔
- مملکت عوام نے بنائی ہے اور اس کی بنیاد جمہوری ہے۔
- مملکت کے قوانین اور خود مختار طاقت کے بغیر فرد کی حقوق، آزادیاں، جان و مال محفوظ نہیں ہو سکتی۔
- مملکت اور معاشرے اور مملکت اور حکومت کے مابین ایک فرق ہے (ہو بس اور روسواسے قبول نہیں کرتے۔
- مملکت کا دائرہ اور اقتدار اعلیٰ محدود ہے ہو بس اور روسواسے اتفاق نہیں کرتے۔
- مملکت معاشرے میں اتحاد پیدا کرتی ہے اور اتفاق رائے پیدا کرتی ہے۔ یہ معاشرے میں تمام طبقوں کی دلچسپی لیتی ہے۔
- حریت پسندی مملکت کا خاتمہ کرنے یا غیر مملکت معاشرے میں یقین نہیں رکھتا ہے۔

6.3 مملکت کی ابتدا اور نوعیت کا مارکسی نظریہ

(Marxist Theory of the Origin and Nature of the State)

اگر حریت پسندی بورژوا طبقے کا سماجی اور معاشی اور سیاسی فلسفہ ہے، تو مارکسزم محنت کش طبقے کا سماجی اور معاشی اور سیاسی فلسفہ ہے جو خود سرمایہ دارانہ معاشی نظام کی پیداوار ہے۔ یہ اس بے بس، دبنگ طبقے کا ایک فلسفہ ہے جس کا بورژوا طبقہ استحصال کر رہا ہے۔ 19 ویں صدی میں، جب سرمایہ دارانہ معاشی اور سیاسی نظام و ضبط کے ناقابل برداشت استحصال کی وجہ سے مزدور طبقہ دوچار تھا، مارکسزم اس طبقے کا سائنسی فلسفہ بن کر ابھرا۔ یہ ایک فلسفہ اور مزدور طبقے کا عالمی نظریہ ہے اور اس کا مقصد اس طبقے کو ہر طرح کے استحصال سے آزاد کرنا ہے۔ یہ ایک سائنسی انقلابی فلسفہ ہے جو معاشرے میں استحصال، جبر اور نا انصافیوں سے نجات حاصل کرنے کے راستے کی نشاندہی کرتا ہے۔ مارکسزم ایک فلسفے کی حیثیت سے اس کی اصلاح کی بجائے سرمایہ دارانہ حکم کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا۔ اس کا پیغام، یوٹوپیائی سوشلزم کے برخلاف، سرمایہ دارانہ نظام کی اصلاح کے لیے سرمایہ داروں کے لیے نہیں تھا، بلکہ غیر سرمایہ دارانہ نظام کو ختم کرنے کے لیے مزدوروں کے نام پر تھا۔ اس نے مزدور طبقے کو ایک انقلابی پیغام دیا۔ فریڈرک اینگلس کے مطابق، "پروٹاریوں کے پاس کھونے کے لیے کچھ نہیں ہے ان کی زنجیروں کے۔ ان کے پاس جیتنے کے لیے

ایک دنیا ہے۔ تمام ممالک کے ورکنگ مرد متحد ہیں۔“ لہذا، مارکسزم ایک سائنسی فلسفہ اور مزدور طبقے کا طبقاتی نظریہ ہے، یہ استحصال اور ناانصافی کے خلاف انقلابی اور ترقی پسند فلسفہ ہے۔

مملکت کی اصل—مارکسیائی نظریہ (Original of State- Marxist Theory)

مارکسزم کے مطابق سیاست اور مملکت معاشی نظام کے ذیلی ڈھانچے یا کسی دیے ہوئے معاشرے کے پیداواری انداز پر مبنی سوپراسٹرکچر کا ایک حصہ ہیں۔ مملکت کے اصول کا مارکسیائی نظریہ بھی مملکت اور سیاست کے اس عمومی نظریہ پر مبنی ہے۔ اینجلس نے اپنی مشہور کتاب "دی اریجین آف فیملی، نجی املاک اور مملکت (1884) میں مملکت کی اصل کے حوالے سے واضح طور پر مارکسین خیالات دیے۔

اینجلس کا خیالات (Engels Opinion of the State)

اینجلس نے تاریخی مادیت کے سائنسی طریقہ کار کی بنیاد پر مملکت کی اصل کا تجزیہ کیا۔ مملکت کی ابتدا معاشرے کو طبقات میں تقسیم کرنے اور طبقات کی جدوجہد کے آغاز کے ساتھ ہی ہوئی ہے۔ یہ غالب معاشی طبقے یا پیداوار کے ذرائع کے مالکان کی مفاد کو پورا کرنے کے لیے طبقاتی آلہ کار کے طور پر ابھرا ہے۔ مملکت کی ابتدا معاشرے میں طبقاتی اور طبقاتی جدوجہد کی اصل سے ہوئی ہے اور یہ محض ایک غالب طبقے کے ہاتھوں استحصال کا ایک آلہ ہے۔ مملکت کی مدد سے، حکمران طبقات معاشی طور پر غریب طبقات پر اپنے اختیارات برقرار رکھتے ہیں۔ اینجلس لکھتے ہیں: "مملکت غیر ملکیت طبقے کے خلاف اپنے تحفظ کے لیے مال دار طبقے کی ایک تنظیم ہے۔"

لنین کے خیالات (Lenin Opinion of the State)

لنین مزدور طبقے کا ایک عظیم انقلابی رہنما اور جدید سوشلسٹ روس کا بانی تھا، جس نے پہلے کامیاب سوشلسٹ انقلاب کی قیادت کی اور وہاں سوشلسٹ مملکت قائم کی۔ لنین کے خیالات اینجلس کے نظریہ سے بہت ملتے جلتے ہیں، مملکت اور انقلاب (1917) لنین نے اینجلس کے اظہار کی حمایت کی ہے۔ انہوں نے کہا، "مارکس کے مطابق مملکت مرجھارہی ہے۔ جیسا کہ مملکت کے خاتمے کے انتشار پسندانہ نظریے سے الگ ہے۔"

گرامسکی کے خیالات (Gramsci Opinion of the State)

گرامسکی ایک اطالوی مارکسی رہنما تھا۔ گرامسکی مملکت کو حکمران طبقات کے ایک آلہ کے طور پر دیکھتی ہے اور "مملکت میں حکمران طبقات کی تاریخی اتحاد کا احساس ہوا ہے، اور ان کی تاریخ بنیادی طور پر ریاستوں اور مملکتوں کے گروہوں کی تاریخ ہے۔ مملکت کی اصل کے بارے میں ان کا کہنا ہے کہ ملکیتیں تین طرح کی سماجی قوتوں کی جدوجہد کے ذریعے وجود میں آتی ہیں۔ سماجی قوتیں جو قیادت فراہم کرتی ہیں، ایسی سماجی قوتیں جن کے خلاف جدوجہد کی جاتی ہے، تیسرا، کچھ معاون یا اتحادی قوتیں جو متحرک یا غیر فعال قائدین سے رضامند ہوتی ہیں۔

نتیجے میں (In Consequence) مملکت کی ابتدا اور اس کی نوعیت کے بارے میں مارکسی نظریات حسب ذیل ہیں:

- 1- مملکت کا تعلق پورے معاشرے سے نہیں ہے، یہ صرف ایک طبقاتی آلہ ہے۔
- 2- مملکت اور سیاسی نظام معاشرے کے معاشی نظام کے بنیادی ڈھانچے پر مبنی سوپراسٹرکچر کا ایک حصہ ہیں۔
- 3- مملکت شروع سے ہی موجود نہیں ہے۔ تاریخ میں ایسے معاشرے رہے ہیں جہاں مملکت کا نام معلوم نہیں تھا۔
- 4- جسمانی اور نظریاتی تسلط، اور معاشی طور پر کمزور طبقات کے استحصال کے لیے مملکت معاشی طور پر غالب طبقے کا ایک ذریعہ ہے۔
- 5- مملکت نہ ہی معاشرہ ہے اور نہ ہی معاشرے پر مسط ہے۔ یہ نہ تو خدائی ہے، نہ ہی اخلاقی نظریہ ہے، بلکہ محض ایک تاریخی بستی ہے جو معاشرے میں متعین تاریخی حالات کی وجہ سے ہے۔
- 6- مملکت نہ تو ایک فطری ادارہ ہے، اور نہ ہی یہ کسی سماجی معاہدے یا پورے معاشرے کی رضامندی سے تشکیل پایا ہے۔ بلکہ یہ معاشرے کے مادی حالات کی ترقی کے ایک خاص مرحلے پر ابھرا ہے۔
- 7- مملکت، اگرچہ طبقاتی جدوجہد کو روکنے کی کوشش کرتی ہے، لیکن طبقاتی جدوجہد کو طبقوں کو تباہ کیے بغیر ختم نہیں کر سکتی ہے۔
- 8- بعض اوقات ممکن ہے کہ یہ طبقات سے بالاتر ہو، لیکن آخری تجربے میں یہ صرف ایک خاص طبقے کے مفادات ہے۔
- 9- مملکتی اقتدار کے طبقے کی وجہ سے، اقلیت میں ہونے کے باوجود معاشی طور پر غالب طبقہ سیاسی طور پر مضبوط تر ہوتا جاتا ہے
- 10- جب، معاشی نظام میں تبدیلی یا پیداوار کے انداز کی وجہ سے، معاشرہ طبقاتی ہو جائے گا، تب مملکت بھی مٹ جائے گی۔
- 11- کسی سوشلسٹ انقلاب کے بغیر، ایک منظم مزدور طبقے کی قیادت میں، سرمایہ داری کے پیداواری انداز کو تبدیل نہیں کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی سوشلسٹ پیداوار کے ذریعے اس کا متبادل لیا جاسکتا ہے۔
- 12- مزدور طبقہ، انقلاب اور اقتدار پر قبضہ کے بعد، بورژوا مملکتی مشینری کو ختم کر دے گا اور مزدور طبقے کی مملکت، یا پرولٹاریہ کی آمریت قائم کرے گا۔ مزدور طبقے کی مملکت حکمران طبقے کے طور پر منظم ورکنگ کلاس ہوگی۔
- 13- جب غیر طبقاتی معاشرہ قائم ہوگا، مملکت، ایک طبقاتی آلہ، بیکار ہو جائے گا اور فطری موت کا شکار ہو جائے گا۔

6.4 مملکت کی اصل اور نوعیت کے بارے میں لبرل اور مارکسی نظریات کا موازنہ

(A Comparison of Liberal and Marxist Ideas about the Origin and Nature of the State)

سوال یہ ہے کہ مملکت کی ابتدا کیوں ہوئی ہے اس کے دو مختلف استحصال ہیں۔ ایک قول یا خیال کے مطابق، مملکت سماجی معاہدے، رضامندی اور اتفاق رائے کی پیداوار ہے، اور امن و امان، انصاف اور فلاحی خسمات کو برقرار رکھتے ہوئے پوری برادری کے عمومی مفاد کے لیے کام کرتی ہے۔ دوسرے خیال کے مطابق، مملکت طبقاتی تقسیم اور طبقاتی جدوجہد کی پیداوار ہے اور صرف ایک خاص طبقے کے مفادات کی خدمت کرتی

ہے کیونکہ تمام طبقات کو ایک ہی دلچسپی نہیں ہو سکتی ہے۔ دوسرا نظریہ، مملکت کو مسترد کرتا ہے، طبقات کی موجودگی سے اس کی موجودگی کو جوڑتا ہے، اور تجویز کرتا ہے کہ انقلاب اور طبقے کے بغیر معاشرے کے قیام سے مملکت کا ادارہ ختم ہو سکتا ہے۔ اس وقت سماجی علوم میں "اتفاق رائے ماڈل" اور "تنازعہ ماڈل" کے مابین بحث کافی گرم ہے۔ اتفاق رائے کا نظریہ، جس کی بنیاد پر حریت پسندی پر مبنی ہے، پارسیا کے فنکشنل اسٹراڈ افکار سے وابستہ ہے۔ اس کے نزدیک مملکت سمیت معاشرے اور سماجی اداروں کی اساس مشترکہ اقدار، اصول، عقائد، مفادات، نظریات اور ادارے ہیں۔ تنازعہ کا نظریہ تنازعہ یا جدوجہد کو اہمیت دیتا ہے اور یہ نتیجہ اخذ کرتا ہے کہ مملکت اور بہت سے دوسرے ادارے تنازعات کی پیداوار ہیں۔ مارکسزم تنازعہ (طبقاتی جدوجہد) کے نظریہ پر مبنی ہے۔ بہت سے غیر مارکسی ماہر معاشیات، جیسے آرڈر ہینڈورف نے، تنازعے کے نظریے کی بھی مختلف تجزیوں اور نتائج پر حمایت کی ہے۔ جدید سرمایہ دار معاشرے بحران سے دوچار ہیں اور ان میں تنازعہ فطری ہے۔ سماجیات اور مملکت کی زیادہ تر تحقیق بورژوا کے اندر تنازعات کی وجوہات اور ان کے حل تلاش کرنے میں مصروف ہے۔ تیسرا "فرقہ"، "کنور جنس تھیوری" کی شکل میں بھی ابھر رہا ہے۔ مملکت کی اصل اور نوعیت کا لبرل نقطہ نظر "اتفاق رائے ماڈل" پر مبنی ہے اور مارکسی نظریہ "تنازعہ ماڈل" پر مبنی ہے۔ لبرل اور مارکسی نظریات کے مابین فرق بنیادی ہے، دیگر اختلافات اس فرق کے منطقی انجام کے سوا کچھ نہیں۔

مملکت کی اصل اور نوعیت پر حریت پسندی اور مارکسزم دونوں کے خیالات کے موازنہ کے اہم نکات حسب ذیل ہیں:

- 1- مملکت کی اصل اور نوعیت کا لبرل نقطہ نظر فرضی، مبہم اور غیر واضح ہے کیونکہ مختلف فلسفیوں کے مختلف نظریات ہیں۔ مارکسیائی نظریہ قطعی، واضح، واضح سیدھے، سائنسی تجزیہ اور تاریخی اعتبار سے درست ہے۔
- 2- آزاد خیال مصنفین کا کہنا ہے کہ مملکت کی ابتدا باہمی معاہدے، سماجی معاہدے اور معاشرے کے تمام لوگوں کی خیر خواہی کی وجہ سے ہوئی ہے۔ مارکسزم مملکت کی اصل کو معاشرے میں طبقاتی تقسیم اور طبقاتی جدوجہد سے جوڑتا ہے۔
- 3- لبرل کا خیال ہے کہ مملکت ہمیشہ سے ہی کسی نہ کسی شکل میں موجود ہے۔ مارکسزم کے مطابق یہ قدیم طبقاتی معاشروں میں موجود نہیں تھا
- 4- آزاد خیال مصنفین کا خیال ہے کہ مملکت پورے معاشرے کی ہے اور اس کے عمومی مفادات کی خدمت ہے۔ مارکسزم اس طبقے کے خصوصی مفادات کی خدمت کے معاشی طور پر اس کا حوالہ دیتا ہے۔
- 5- آزاد خیال مصنفین کا خیال ہے کہ انسانی فطرت کی وجہ سے مملکت ضروری ہے۔ مارکسزم اسے مخصوص سماجی حالات کی ضرورت کے طور پر دیکھتا ہے۔

- 6- لبرل ادیب مملکت کو انسان ساختہ اورہ سمجھتے ہیں۔ مارکسزم اسے ایک تاریخی وجود کے طور پر دیکھتا ہے جو خاص تاریخی حالات میں ابھرا
- 7- لبرلس کا کہنا ہے کہ مملکت کا مقصد امن وامان، امن، آزادی اور مساوات کو برقرار رکھنا اور معاشرے کے عام مفاد کو پورا کرنا ہے۔ مارکسزم برقرار ہے کہ مملکت کا مقصد دوسرے طبقات کی قیمت پر ایک طبقے کے مفادات کی خدمت ہے۔

8- لبرلس مملکت کو ایک محدود مملکت سمجھتے ہیں۔ مارکسزم برقرار رکھتا ہے کہ مملکت محدود طاقت نہیں ہے اور وہ اس طبقے کے مفادات کے لیے ہر کام کرے گی جس کا آلہ کار ہے۔

9- لبرلس مملکت کے تنازعات کو حل کرنے اور اتحاد کو برقرار رکھنے والی فطرت پر اعتماد رکھتے ہیں، کیونکہ وہ مملکت کو سوپر اکلاں سمجھتے ہیں۔ مارکسزم اس نظریہ کو مسترد کرتا ہے کہ مملکت طبقاتی تقسیم منقسم معاشرے میں تنازعات کو حل کر سکتی ہے

10- لبرلس مملکت کی تباہی یا اس کے مرجانے کے خیال کو مسترد کرتے ہیں کیونکہ اسے ایک ضروری برائی یا فضیلت کے طور پر دیکھا جاتا ہے، جب کہ مارکسزم مملکت کا خاتمہ کرنے میں یقین رکھتا ہے۔

11- لبرلس مملکت یا حکومت کو تبدیل کرنے کے انقلابی طریقے کار کی مخالفت کرتے ہیں اور "پرامن"، "عدم تشدد" اور آئینی طریقہ سے تبدیلی لانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مارکسزم ایک انقلابی تبدیلی پر یقین رکھتا ہے اور منظم مزدور طبقے کے ذریعے انقلاب کی حمایت کرتا ہے۔

12- حریت پسندی اصلاح پسند ہو سکتا ہے، لیکن یہ انقلابی نہیں ہو سکتا۔ مارکسزم اصلاحات کی حمایت کر سکتا ہے، لیکن یہ اصلاح پسند نہیں ہو سکتا، کیونکہ وہ انقلاب پر یقین رکھتا ہے۔

مملکت کا مارکسی نظریہ (Marxist Theory of State)

مارکس نے خود مملکت کے نظریہ کو الگ سے وضع نہیں کیا ہے۔ ملی بینڈ کا کہنا ہے کہ، "مارکس نے خود کبھی بھی مملکت کے ایک جامع اور منظم نظریہ کو قائم کرنے کی کوشش نہیں کی۔" چانگ لکھتے ہیں، "اس سے پہلے کہ لینن نے اپنی 'مملکت اور انقلاب' کی اشاعت 1917 میں کی تھی، مارکسین تھیوری آف مملکت نہ صرف معاشیات بلکہ سماجیات اور سیاسیات میں بھی پوری طرح نظر انداز کیا گیا تھا۔ مختصر یہ کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ مملکت کے مارکسین نظریہ کو آہستہ آہستہ سماجی علوم میں نظر انداز کیا گیا ہے۔" لیکن ریاست پر بحث مارکس کی تقریباً تحریروں میں بکھری ہوئی ہے۔ مارکس، سرمایہ کاری کے طرز عمل کی تاریخی تجزیہ میں مصروف رہتا تھا، مملکت جیسے مخصوص امور پر توجہ نہیں دے سکتا تھا۔ لیکن انجیلز اور دیگر مارکسی اسکالرز اور انقلابی اس پہلو پر لکھ چکے ہیں۔ مارکسی تھیوری آف مملکت (نظریہ مملکت) کے اہم نکات کو مندرجہ ذیل سمجھا جاسکتا ہے:

(1) مارکس نے اپنی ابتدائی تحریروں میں یہ واضح کر دیا کہ مملکت معاشی طور پر غالب طبقے کا ایک عضو ہے اور مملکت کی طاقت کے ذریعے یہ طبقہ اقلیتی طبقہ ہونے کے باوجود اکثریت والے طبقے یعنی، محنت کش طبقہ پر سیاسی تسلط حاصل کرنے میں کامیاب ہے۔ مارکس نے لکھا، "جدید مملکت کا انگریزیکٹو پورے بورژوازی کے مشترکہ امور کے انتظام کے لیے ایک کمیٹی ہے۔" مملکت کو دوسرے طبقے پر ظلم کرنے کے لیے ایک طبقے کی منظم طاقت کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ اینجلس اور لینن نے اس مارکسی نظریہ کی مزید وضاحت کی ہے۔

(2) مارکس نے کبھی بھی برقرار نہیں رکھا کہ مملکت ایک اخلاقیات ہے اور معاشرے میں موجود تمام تنازعات کو ختم کر سکتی ہے اور اتحاد اور اہم آہندگی لاسکتی ہے۔ انہوں نے ہیگلمین کے اس نظریے پر تنقید کی کہ "مملکت زمین پر خدا کا مارچ ہے" اور اس نے برقرار رکھا کہ مملکت محض جلداد کے مالکان کی خادم ہے۔ انہوں نے کہا کہ سیاسی آزادی انسانی آزادی نہیں ہے اور کہا: "سیاسی آزادی کی حد فوری طور پر اس حقیقت میں واضح ہے کہ مملکت خود کو کسی حد تک رکاوٹوں سے آزاد کر سکتی ہے، بغیر انسان خود ہی اس سے آزاد ہو جائے گا، اور یہ کہ انسان آزاد نہ ہو، مملکت آزاد مملکت ہو سکتی ہے"۔ انہوں نے مزید کہا کہ مملکت مذہب اور قانون سے ملتی جلتی انسانی بیگانگی کا اظہار ہے۔ ۱

(3) معاشرے اور مملکت کے تعلقات کی وضاحت کرتے ہوئے، مارکس نے کہا کہ مملکت نہ تو معاشرے سے بالاتر ہے اور نہ ہی وہ پورے معاشرے کو منظم کر سکتی ہے اور مختلف مفادات کو ہم آہنگ کر سکتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں، "لہذا، یہ وہ مملکت نہیں ہے جو سول سوسائٹی کے ایٹموں کو ایک ساتھ رکھتی ہے۔ آج صرف سیاسی توہم پرستی کا تصور ہے کہ سماجی زندگی کو مملکت کے ساتھ مل کر رکھنا چاہیے، جب کہ حقیقت میں، مملکت کو شہری زندگی کا ساتھ دینا ہے"۔ وہ مزید لکھتے ہیں، "سیاسی حالات صرف سول سوسائٹی کا باضابطہ اظہار ہے"۔ اس کا سیدھا مطلب ہے کہ مملکت سماجی بد حالی کی پیداوار ہے۔ مارکس نے لکھا کہ جدید جمہوری مملکت کا نیچوڑ یہ ہے کہ "یہ نجی مفادات کی آزادانہ نقل و حرکت پر، بورژوا معاشرے کی غیر منظم ترقی پر مبنی ہے"۔ مملکت نہ تو معاشرے کے برابر ہے اور نہ ہی اس سے بالاتر، یہ صرف تاریخی ترقی کے ایک خاص مرحلے پر اس کی پیداوار ہے۔

(4) اگرچہ مملکت کے بارے میں عام طور پر مارکسیائی نظریہ یہ ہے کہ وہ غالب معاشی طبقے کے مفاد کو پورا کرتی ہے، بعض حالات میں، خاص طور پر جب معاشرے کے طبقات متوازن حالت میں ہوتے ہیں، مملکت طبقات سے بالاتر ہوتی ہے اور اپنے آپ کو تمام طبقات سے بالاتر مطلق طاقت کے طور پر قائم کرتی ہے۔ مملکت کی اس پوزیشن کو مارکس نے بونپارٹزم، 1848-1852 کے دوران فرانس میں بونپارٹ کی حکمرانی سے تعبیر کیا ہے۔ مارکس لکھتے ہیں، "لہذا، ایسا لگتا ہے کہ فرانس صرف ایک فرد کے استبداد کے نیچے پسپائی کے لیے ایک طبقے کی استبدادی سے بچ گیا ہے، اور اس سے زیادہ، اختیارات کے بغیر کسی فرد کے اختیار کے نیچے جانا ہے۔ جدوجہد کو اس طرح سے طے کیا جاتا ہے کہ رائفل کے بٹ سے پہلے ہی تمام طبقات، یکساں نامرد اور یکساں گونگا، گھٹنوں کے بل گر پڑیں"۔ لیکن اس طرح کی صورت حال میں بھی مملکت ایک طبقاتی آلہ بنی ہوئی ہے کیونکہ اس سے معاشرے کے سماجی اور معاشی اور سیاسی نظام کو بچایا جاتا ہے۔ ایسی بونپارٹسٹ مملکت کی نوعیت کی وضاحت کرتے ہوئے ملی بینڈ لکھتی ہے، "مارکس کے لیے، بونپارٹسٹ مملکت، اگرچہ یہ آزاد ہے کہ یہ کسی بھی طبقاتی طبقے سے ہو سکتی ہے، طبقاتی معاشرے میں رہ سکتی ہے۔ لیکن معاشی اور سماجی طور پر غالب طبقے کی محافظ ہے"۔

یہ کبھی کبھی ہو سکتا ہے کہ پورے نظام کو بچانے کے لیے یا طبقات کو استحصال کرنے کے دباؤ میں، مملکت حکمران طبقے کے خلاف کچھ اقدامات اٹھائے۔ ایسا ہو سکتا ہے کہ مملکت کی کچھ پالیسیاں حتیٰ کہ عام اوقات میں بھی حکمران طبقات کے مفادات کے خلاف ہو سکتی ہیں، لیکن آخری تجزیہ میں مملکت غالب معاشی طبقے کے مفاد کو پورا کرتی ہے۔

(5) کلاسوں کے خاتمے کے لیے، مارکس نظریہ انقلاب پیش کرتا ہے جو مملکت کے مارکسیائی نظریہ سے قریب سے وابستہ ہے، اور یہ نظریہ کا سب سے اہم پہلو ہے۔ مارکسیائی فلسفہ کے مطابق، فلسفہ کا کام دو گنا ہے: دنیاں کو سمجھنا اور اسے تبدیل کرنا۔ اس طرح مارکسزم نہ صرف مملکت اور معاشرے کے استحصالی نوعیت کی طرف ہماری توجہ مبذول کرواتا ہے بلکہ استحصالی نظام کو بدلنے اور استحصال سے پاک نظام کے قیام کا راستہ بھی بتاتا ہے۔ مارکسزم سرمایہ دارانہ نظام میں اصلاحات کے لیے نہیں ہے بلکہ تجویز کرتا ہے کہ ان کے سوشلسٹ انقلاب کے ذریعے ختم کرنا چاہیے اور ان کی جگہ سوشلسٹ مملکت اور معیشت کو لینا چاہیے۔ یہ سوشلسٹ مملکت عارضی رجحان ہوگی۔ یہ نجی املاک اور طبقات کو ختم کر دے گا، اور اس کے بعد یہ مٹ جائے گا۔

6.5 سوشلسٹ معاشروں میں مملکت کے فرائض (The Function of the State in Socialist Society)

سوشلسٹ معاشرے وہ ہے جہاں منظم مزدور طبقے نے سوشلسٹ انقلاب کے ذریعے اقتدار پر قبضہ کر لیا ہے اور مزدور طبقے کی مملکت یعنی پرولتاریہ کی آمریت قائم ہوتی ہے۔ مارکسی خیال یہ ہے کہ یہ مزدور طبقاتی مملکت سرمایہ دارانہ پیداوار کو ختم کرنے اور سرمایہ دارانہ ثقافتی، سماجی، اخلاقی، نظریاتی اور سیاسی ڈھانچے کو ختم کرنے اور معیشت کو ٹھوس سوشلسٹ بنیادوں پر استوار کرنے کے بعد طبقاتی معاشرہ میں مٹ جائے گی۔ اہم سوشلسٹ معاشروں میں چین، روس، کیوبا، ویتنام، کمبوڈیا اور رومانیہ شامل ہیں۔ ایسی معاشروں میں مملکت کے کام کو درج ذیل میں درجہ بندی کیا جاسکتا ہے۔

1- سیاسی فرائض (Political Function)

پرولتاریہ کی آمریت قائم کرنا: پرولتاریہ کی آمریت کی شکل میں سوشلسٹ مملکت قائم کرنا سوشلسٹ انقلاب کا پہلا کام ہے۔ اس کی وجہ کافی آسان ہے۔ انقلاب کے بعد، مملکتی طاقت مزدور طبقے کے ہاتھ میں آجاتی ہے۔ سرمایہ دار طبقے اور اس کے اتحادیوں کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کو ختم کرنے کے لیے، مزدور طبقے کو آمریت کی شکل میں خود کو منظم کرنا ہوگا اور اس سے پرولتاریہ کی آمریت قائم ہوگی۔ اسٹالن لکھتے ہیں: "پرولتاری انقلاب، اس کی تحریک، اس کی کامیابی اور اس کی کامیابیوں نے صرف پرولتاریہ کی آمریت کے ذریعے گوشت اور خون حاصل کیا۔" سرمایہ دار طبقے، انقلاب کے بعد بھی، کافی طاقتور ہے اور پرولتاریہ کی آمرانہ استعماری کی صرف منظم طاقت، اسے بے رحمی سے کچل سکتی ہے۔ مارکس نے لکھا: "سوشلزم انقلاب کے مستقل مزاجی، پرولتاریہ کی طبقاتی آمریت کا اعلان ہے، کیونکہ تمام طبقاتی امتیازات کے خاتمے کے لیے ضروری منتقلی مرحلہ، پیداوار کی تمام شرائط کا خاتمہ جس کی بنیاد پر وہ ہیں، خاتمہ پیداوار کے ان تمام تعلقات کے جو پیداوار کے ان حالات سے مطابقت رکھتے ہیں۔"

2- کلاسوں کا خاتمہ (Abolition of Classes)

یہ سوشلسٹ مملکت کا سب سے بنیادی کام ہے۔ اسے نجی املاک، سرمایہ دار طبقے اور اس کے ذیلی ڈھانچے کی اقتصادی بنیاد یا قیمت کا خاتمہ کرنا ہے۔ نہ صرف ذیلی ڈھانچے بلکہ سوپراسٹرکچر یعنی سیاسی، سماجی، اخلاقی اور قانونی کو توڑنا ہوگا اور ان کی جگہ سوشلسٹ نظام کو تبدیل کرنا ہوگا۔

ایک طبقاتی معاشرہ یا کمیونسٹ معاشرے کا قیام سوشلسٹ مملکت کا بنیادی سیاسی کام ہے اور اس کا مقصد جدوجہد کرنے والے طبقے میں اتفاق رائے پیدا کرنا ہے۔

3۔ مثبت فرائض (Positive Function)

سوشلسٹ مملکت نے نہ صرف کلاسوں کو ختم کرنے کے تباہ کن فنکشن کو انجام دیا ہے بلکہ اس میں بہت سے تعمیری مثبت فرائض بھی انجام دینے ہیں۔ چانگ لکھتے ہیں: "پرولتاریہ آمریت سے مراد بورژوازی کے زبردستی دبانے سے ہے جو بورژوازی کی مزاحمت کی وجہ سے ضروری ہے۔ پھر بھی یہ صرف اس تباہ کن مرحلے میں شامل نہیں ہے۔ اس کے تعمیری مرحلے کے طور پر سوشل ازم کا قیام ہے۔" مارکس اور اینجلس سوشلسٹ مملکت کے مثبت فرائض کی توثیق نہیں کر سکے اور ان کی تفصیل لینن، اسٹالن، ماؤ اور دیگر مارکسسٹوں نے کی ہے، کیونکہ سوشلسٹ انقلاب کے بعد ان افعال کی وضاحت کرنے کی ضرورت پیدا ہوئی۔ سوشلسٹ مملکت کے نمایاں کاموں میں سے ایک یہ ہیں: سرمایہ داری کے ہیڈواری طرز کی جگہ لے لے، جو نجی ملکیت پر مبنی ہے، سوشلسٹ کے ساتھ؛ صحت مند استحصال سے پاک معاشرے کا قیام؛ مزدور طبقے کے مفادات کا تحفظ؛ سوشلسٹ لائن کے ساتھ ساتھ پیداوار کو تسلیم کرنا؛ سوشلسٹ ثقافت، اخلاقیات، تعلیم اور سماجی نظام کا قیام۔

4۔ معاشی فرائض (Economic Function)

استحصال سے پاک سوشلسٹ معیشت کا قیام جو پیداوار کے اسباب کی سماجی ملکیت پر مبنی ہے سوشلسٹ مملکت کا اولین معاشی کام ہے۔ اس سے معاشی نظام بدل جائے گا جو منافع اور نجی املاک پر مبنی ہے۔ ایک سوشلسٹ مملکت مکمل طور پر مختلف طرح کے معاشی فرائض انجام دیتی ہے اور ان میں سے کچھ یہ ہیں: (i) نجی املاک کا خاتمہ اور پیداوار کے اسباب کی سماجی ملکیت کا قیام۔ یہ صنعتوں کی سماجی کاری کے ذریعے کیا جاتا ہے۔ (ii) سوشلسٹ طرز پیداوار کی تشکیل، جس کا مقصد نفع نہیں بلکہ سماجی بہبود اور معاشرے کی مادی ضروریات کی تسکین ہوگی۔ (iii) پیداوار میں اضافہ اور پوری آبادی کی مادی زندگی کو تقویت بخش۔ (iv) زمین اصلاحات اور کوآپریٹو اور مملکتی کاشت کاری کا قیام۔ (v) صنعتی اور زرعی ترقی نئے سائنسی اور تکنیکی ذرائع کے استعمال کے ذریعے۔ (vi) منصوبہ بند معیشت کا قیام۔ سرمایہ دارانہ معاشروں میں منصوبہ بندی کے برعکس، اس کا مقصد سماجی تقاضوں کے مطابق پیداوار کو منظم کرنا ہے۔ سرمایہ دارانہ معاشروں میں بیکار پیداوار اور کٹے گلے کا مقابلہ ہے۔ مکمل منصوبہ بند معیشت میں اس سے گریز کیا جاتا ہے۔ (vii) مزدور طبقے کو فلاحی خدمات کا بندوبست کرنا۔ اس میں مزدوروں کے لیے کام کے اوقات، آرام، تعطیلات اور پینشن کا باقاعدہ انتظام شامل ہے۔

5۔ ثقافتی، سماجی اور اخلاقی فرائض (Cultural, Economic and Moral Functions)

سوشلسٹ مملکت نہ صرف معاشی افعال انجام دیتی ہے بلکہ بہت سارے سماجی و ثقافتی فرائض بھی انجام دیتی ہے۔ ایک نئے سوشلسٹ معاشرے میں، سوشلسٹ ثقافت اور اخلاقیات کو فروغ دیا جاتا ہے اور سرمایہ دارانہ اخلاقی، سماجی اور ثقافتی ڈھانچہ تباہ ہو جاتا ہے۔ سرمایہ دارانہ معاشرے افراد کی ذاتی دلچسپی اور خود غرض سماجی، ثقافتی اور اخلاقی اصولوں پر مبنی ہے۔ ان کی جگہ ایک نئی سوشلسٹ ثقافت، اخلاقیات اور سماجی

اصولوں نے لے لیا ہے۔ یہ سوشلسٹ مملکت کا ایک مشکل اور طویل المیعاد کا ہے کیونکہ سرمایہ دارانہ خود ساختہ اخلاقیات اور ثقافت اور آر تھوڈوکس نظریات کو راتوں رات تبدیل نہیں کیا جاسکتا۔

6۔ سوشلسٹ ثقافت اور اخلاقیات کا قیام

ایک سوشلسٹ مملکت ایک سوشلسٹ اخلاقیات قائم کرے گی جس میں بے لوث اور سوشلسٹ نقطہ نظر ہے۔ سب کی فلاح و بہبود کو خود کی فلاح و بہبود اور ترقی کے لیے شرط سمجھا جائے گا۔

7۔ بین الاقوامی فرائض (International Functions)

سوشلسٹ مملکتیں پرولتاری بین الاقوامیت پر یقین رکھتی ہیں۔ "تمام ممالک کے محنت کش ایک ہو جاتے ہیں" اور سوشلسٹ مملکتیں پوری دنیا میں عوام اور محنت کش طبقے کی ترقی پسند تحریکوں کی مدد کرتی ہیں۔ ہندوستان کی قومی تحریک کو سوشلسٹ روس اور ویتنام کی مدد ملی، ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے سامراجیت کے خلاف جنگ میں سوشلسٹ روس اور چین دونوں کی مدد حاصل کی۔ ایک سوشلسٹ مملکت دنیا کے انقلاب پسندوں کو سیاسی پناہ کا حق دیتی ہے (جیسے ریاست ہائے متحدہ امریکہ جیسے سامراجی طاقت رجعت پسند افراد ہونے والے بادشاہوں کو پناہ دیتا ہے۔ بین الاقوامی شعبے میں وہ امن، ترقی اور انصاف کی بحالی کے لیے کام کرتے ہیں، اور ان کا مقصد اپنی طاقت یا اثر و رسوخ میں اضافہ کرنا نہیں ہے۔ تاہم، کبھی کبھی یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سوویت روس اس راہ سے ہٹ گیا ہے اور سوشلسٹ کمبوڈیا کے ساتھ ویتنام کے تنازعے کی طرف اس کی حوصلہ افزائی اس شک کو تقویت بخشتی ہے کہ اب سوویت روس اپنی بین الاقوامی ذمے داریوں کو پورا نہیں کر رہا ہے۔

6.6 سوشلسٹ معاشروں میں مملکت کے فرائض اور تنقیدی جائزہ

(Functions of the State in Socialist Society and their Criticism)

مارکسی نظریہ کی تنقیدی جائزہ ان ممالک میں مملکتوں کی کامیابیوں اور ناکامیوں کی بنیاد پر کی جاسکتی ہے۔ بحث کے کچھ اہم پہلو اس طرح ہیں:

(1) معاشی پیش رفت (Economic Development)

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ روس اور چین میں منصوبہ بند معیشت اور پیداوار کے سوشلسٹ طرز عمل تیزی سے صنعتی اور زرعی ترقی کا باعث بنے ہیں۔ ان معاشروں میں معاشی محاذ پر ہونے والی پیش رفت نے یہاں تک کہ لبرل معاشی ماہرین کو منصوبہ بند معیشت کے تصور کو محدود حمایت دینے پر مجبور کر دیا ہے۔ تاہم، اکثر یہ کہا جاتا ہے کہ سوشلسٹ ممالک میں اب بھی آمدنی میں تفاوت موجود ہے اور مراعات کی ایک اسکیم، جو سرمایہ دارانہ معیشتوں میں نمایاں ہے، وہاں متعارف کروائی گئی ہے۔ ان تنقیدوں کے باوجود، اس میں کوئی شک نہیں کہ معاشی محاذ پر سوشلسٹ مملکتوں کی کارکردگی قابل تحسین رہی ہے۔

(2) پرولتاریہ کی آمریت کو کمیونسٹ پارٹی کی آمریت میں تبدیل کرنا

(The Dictatorship of Proletariat changes in the Dictatorship of Communist Party)

یہ اکثر کہا جاتا ہے کہ سوشلسٹ ممالک میں پرولتاریہ کی آمریت کے بجائے کمیونسٹ پارٹیوں کی آمریت سامنے آئی ہے۔ مملکت کے امور میں حصہ لینے کی وجہ سے مزدور طبقے کو انکار کر دیا گیا ہے اور ایک نیا اشرافیہ — انتہائی اشرافیہ ابھرا ہے، اور یہ کمیونسٹ پارٹی کے قائدین پر مشتمل ہے۔ عوام اور پارٹی کے مابین فاصلے دن بدن بڑھتے جا رہے ہیں اور ایک مرکزی، انتہائی منظم، درجہ بندی، نظم و ضبط پارٹی نے ایسے معاشروں میں سارے اختیارات اکٹھا کر لیے ہیں اور یہ مزدور طبقے کے نام پر کارکنوں پر حکمرانی کر رہی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ لینن اور اسٹالن نے پارٹی کے اتحاد، نظم و ضبط اور مرکزیت پر زور دیا اور یوں پارٹی کی قیادت اپنے آپ میں ایک طبقہ بن گئی۔ یہ محنت کش طبقے سے الگ ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ سوویت روس میں سماجی اور معاشی نظام کی ہر سطح پر محنت کش طبقے کی خود ساختہ اور فعال شمولیت زیادہ نہیں ہے۔ لیکن چین میں، مزدوروں کی نسبتاً زیادہ شرکت دیکھنے کو ملتی ہے اور یہ فرض کیا جاتا ہے کہ مزدوروں کے شعور کی سطح میں ترقی کے ساتھ، مزدور طبقے کو زیادہ سے زیادہ شرکت کی جائے گی۔ تاہم، اگر اس کا موازنہ لبرل معاشروں سے کیا جائے تو سوشلسٹ معاشروں میں صنعتوں میں مزدوروں کی شمولیت بہت زیادہ ہے۔

(3) مملکت اور دفتر شاہی (State and Bureaucracy)

لینن نے سوشلسٹ مملکتوں میں بیوروکریسی میں اضافے کے خلاف بار بار متنبہ کیا۔ لیکن اس کے باوجود، صنعتی اور دیگر شعبوں میں کارکنوں کی خود نظم و نسق کے بجائے، بیوروکریسی اور ٹکنالوجی ترقی کر رہی ہے۔ ماہرین انتظامیہ اور صنعتوں پر کنٹرول رکھتے ہیں۔ بیوروکریسی اور ٹکنالوجی کی ترقی نے سوشلسٹ انقلاب کی کامیابیوں کو عملی طور پر مٹا دیا ہے اور اس اضافی قیمت کو جو سوشلسٹ معاشروں میں بیوروکریسی اور ٹیکنوکریٹس کے اس نئے طبقے کے ذریعے لبرل معاشروں میں سرمایہ داروں کو حاصل ہے۔ اس طرح، بیوروکریسی میں اضافے کے ساتھ ہی، اپنی ذاتی مفادات کے حامل نئے طبقے کی سوشلسٹ معاشروں میں ترقی ہوئی ہے اور کارکنوں کے ذریعے صنعتوں کے خود نظم و نسق کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ یہ برقرار ہے کہ سوشلائزیشن کے بجائے سوشلسٹ معاشروں میں جو کچھ ابھر رہا ہے وہ بیوروکریٹائزیشن ہے۔ سوشلسٹ معاشروں کے اس پہلو پر بہت سے مارکسی کھلاڑوں نے بھی حملہ کیا ہے۔

(4) سوشلسٹ معاشرہ اور بیگانگی (Socialist Society and Alienation)

مارکس نے سرمایہ دارانہ نظام کے اپنے تجربے میں اجنبائی کے تصور کو اہمیت دی۔ یہ برقرار ہے کہ سوشلسٹ معاشرے میں بھی بیگانگی کا مسئلہ باقی ہے اور انسان اپنے جوہر کے ساتھ نہیں جی سکتا۔ نجی املاک کو سماجی املاک میں نہیں بلکہ محض سرکاری ملکیت میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ فرد اور معاشرے کے مابین فرق اب بھی کافی وسیع ہے اور یہاں تک کہ سوشلسٹ معاشروں میں بھی انسان خود سے اور معاشرے سے بیگانہ ہوتا

ہے۔ تاہم، یہ کہا جاتا ہے کہ سوشلسٹ معاشروں میں بیگانگی کا یہ مسئلہ زیادہ خطرناک نہیں ہے۔ بورژوا کلچر کی باقیات ابھی بھی موجود ہیں اور انفرادی اور سماجی مفادات اس حد تک ہم آہنگ نہیں ہو سکے جس کی توقع کی جا رہی تھی۔

(5) مملکت سے دور مرجھانا (Withering away of the State)

سوشلسٹ مملکتوں کی ایک اور بہت ہی اہم تنقید یہ ہے کہ مستقبل قریب میں ان معاشروں میں مملکت کے مٹ جانے کے امکانات نہیں ہیں۔ پروفیسر اسٹوجانووک نے سوشلسٹ مملکتوں خصوصاً روس کے مارکسی نقطہ نظر سے اس پہلو پر تنقید کی ہے۔ وہ کہتے ہیں: "اگرچہ مارکسزم ایک انتہائی بنیاد پرست انداد شماریاتی تصورات میں سے ایک کے طور پر تیار ہوا تھا، مناسب ترامیم کے ساتھ اسے ایک اعداد و شمار کے نظریہ میں ڈھالا گیا تھا۔" وہ ان لوگوں پر سخت حملہ کرتے ہیں جو کمیونسٹ معاشرے میں مملکت کی دیکھ بھال کے حامی ہیں اور اس کو "سوشلسٹ اور کمیونزم کا شماریاتی افسانہ" قرار دیتے ہیں۔ ان پر حملہ کرتے ہوئے، وہ کہتے ہیں: "وہ لوگ، سوشلسٹ شماریات کے نظریاتی لوگ، اس مفروضے پر عمل پیرا ہیں کہ کمیونزم کی تعمیر ایک متفقہ مملکت کی بنیاد پر ہو سکتی ہے۔ اس طرح، سوشلزم کے شماریاتی افسانہ کے علاوہ، یہاں اشتراکیت کے اعداد و شمار کی بھی روایت ہے۔ سوویت روس پر حملہ کرتے ہوئے، وہ کہتے ہیں: "اکتوبر انقلاب کے انحطاط کے ساتھ ہی ایک نیا استحصالی طبقاتی نظام تشکیل دیا گیا، ایک ایسا نظام جس نے خود کو سوشلزم کے طور پر ختم کرنے کی کوشش کی۔" ان کا کہنا ہے کہ روس میں مملکت سوشلسٹ مملکت نہیں ہے بلکہ ایک بیوروکریٹک سوشلسٹ مملکت ہے۔

6.7 سرمایہ دارانہ معاشروں میں مملکت کے فرائض (Functions of State in Capitalist Societies)

سرمایہ دارانہ معاشرہ ایک ایسا ہے جو پیداواری سرمایہ داری کے انداز پر مبنی ہے، جہاں سرمایہ دارانہ (ایک اقلیتی طبقہ) پیداواری ذرائع کا مالک ہے اور پیداوار کا مقصد منافع ہے اور مزدور (اکثریت والے طبقے) مزدوری کے لیے اجرت کے لیے بیچ دیتے ہیں۔ ایسے معاشرے میں سیاست، ثقافت، اخلاقیات اور سماجی اصولوں کا تعین سرمایہ کاری کے طرز عمل سے ہوتا ہے اور معاشرے کو سرمایہ دار اور مزدوروں میں تیزی سے تقسیم کیا جاتا ہے۔ چوں کہ ان دونوں طبقوں کے مفادات ایک دوسرے کے مخالف ہیں، ان کے مابین طبقاتی جدوجہد بنیادی ہے۔ مغربی لبرل جمہوریتیں ریاست برائے متحدہ امریکہ (USA)، انگلینڈ، فرانس، جرمنی، اٹلی وغیرہ ایسی معاشروں کی مثال ہیں۔ مارکسیائی نظریہ کے مطابق، یہ تمام بورژوا جمہوریتیں ہیں چوں کہ ان تمام معاشروں میں مملکت سرمایہ دارانہ سماجی اور معاشی اور سیاسی نظم و ضبط کو برقرار رکھتی ہے اور سرمایہ دار طبقے کے مفاد کو پورا کرتی ہے۔ چاہے سرمایہ دار فیصلہ سازی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں یا نہیں۔ چاہے صدر یا وزیر اعظم اس طبقے سے تعلق رکھتے ہوں یا نہیں چاہے پولیس، بیوروکریسی، اور فوج سرمایہ دار طبقے کے ممبروں کے زیر انتظام ہیں یا نہیں یہ بے راہروی ہے۔ جدید سرمایہ دارانہ معاشروں میں، سرمایہ داری کے پیداواری نظام کو منظم کرنے کے لیے، معاشی امور میں قومی مداخلت، لائسنسنگ اور قیمتوں پر قابو پانا ضروری ہے۔ مارکسزم کا کہنا ہے کہ ان اقدامات کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مملکت سرمایہ دارانہ نظام کو ختم کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ یہ مملکتی اقدامات 20 ویں صدی میں سرمایہ دارانہ معیشت کی تاریخی تقاضے ہیں۔ اب سرمایہ دارانہ معیشت 18 ویں صدی میں آزاد بازار کے

توازن کو آگے بڑھا نہیں سکتی اور وہ افراط زر، افسردگی اور بے روزگاری کا شکار ہے جو سرمایہ دارانہ معیشت کی لازمی مصنوعات ہیں۔ معیشت میں مملکتی مداخلت کا مقصد سرمایہ داروں کے مجموعی مفادات کا تحفظ کرنا ہے۔ سرمایہ دارانہ مملکت کے ذریعے نیشنلائزیشن سماجی کاری کا باعث نہیں ہے بلکہ اس سے بیوروکریٹائزیشن اور مملکتی اجارہ داری سرمایہ دارانہ نظام ہوتا ہے۔ مملکتی اجارہ داری سرمایہ داری ایک خطرہ پیدا کرتا ہے کہ مملکت فاشزم کی طرف مائل ہو سکتی ہے۔ اس طرح مملکت کے معاشی اور فلاحی کاموں سے سرمایہ دارانہ مملکت کی نوعیت تبدیل نہیں ہوتی ہے اور اس سے آزاد بازار سرمایہ کے بجائے باقاعدہ سرمایہ دارانہ نظام کا قیام ہوتا ہے۔ ملی بینڈ لکھتے ہیں، "حقیقت میں معاشی زندگی میں مملکتی مداخلت کا مطلب بڑے پیمانے پر سرمایہ دارانہ کاروبار کو مدد فراہم کرنا ہے۔ کسی بھی شعبے میں 'ولیفیئر مملکت' یا فلاحی مملکت کا تصور یہاں کے مقابلے میں زیادہ درست اور مخالف معنی نہیں رکھتا ہے

6.8 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

عزیز طلباء، اس اکائی میں آپ نے:

- مملکت کی ابتدا اور اس کی نوعیت کے لبرل نظریہ کا مطالعہ کیا۔
- مملکت کی ابتدا اور اس کی نوعیت کے مارکسی نظریہ کا مطالعہ کیا۔
- مملکت کی اصل اور نوعیت کے بارے میں لبرل اور مارکسی نظریات کا موازنہ کیا۔
- سوشلسٹ معاشروں میں مملکت کے فرائض کو سمجھا۔

6.9 کلیدی الفاظ (Keywords)

- سرپلس ویلیو : ایک ایسا ویلیو جس کو مزدور طبقہ بناتے ہیں لیکن فائدہ کیپٹلیسٹ کو ملتا ہے۔
- سرمایہ دار : ایسا گروہ جس کا کارخانے پر مالکانہ حق ہوتا ہے۔
- سوشلسٹ مملکت : ایسی مملکت جس کا مقصد عوام کی فلاح و بہبود کے لیے کام کرنا ہے۔
- طبقاتی جدوجہد : دو گروہ کے درمیان اپنے اپنے مفاد کو حاصل کرنے کی لڑائی۔
- مارکسزم : سماجی، معاشی اور سیاسی فلسفہ جس میں سماج برابری پر مبنی ہو اس فلسفہ کے بانی کارل مارکس ہیں۔

6.10 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

6.10.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1- آرڈر ہیرینڈورف کس نظریہ کے ماہر معاشیات ہیں؟

- (a) مارکسی (b) غیر مارکسی (c) دونوں (d) کوئی نہیں

2۔ بونا پارٹے کی حکومت 1848 سے 1852 تک کس ملک میں تھی؟

- (a) فرانس میں (b) ہولینڈ میں
(c) انگلینڈ میں (d) امریکہ میں

3۔ صدر الینڈے کس ملک کے صدر تھے؟

- (a) ویتنام کے (b) روس کے
(c) چین کے (d) چلی کے

4۔ مملکت زمین پر خدا کا مارچ ہے،" یہ کس کا قول ہے؟

- (a) مارکس کا (b) لینن کا
(c) ہیگل کا (d) اسٹالن کا

5۔ سیاسی حالات صرف سول سوسائٹی کا باضابطہ ہے،" یہ قول کس نے لکھا ہے؟

- (a) مارکس نے (b) ہیگل نے
(c) اسٹالن نے (d) لینن نے

6۔ انتونیو گرامسکی کہاں کا ایک مارکسی رہنما تھا؟

- (a) رومانیہ کا (b) روس کا
(c) چین کا (d) اطالوی کا

7۔ ایک مشہور کتاب "کنبہ کی اصل، نجی ملکیت اور مملکت" کا مصنف کون ہے؟

- (a) اینجلس (b) مارکس
(c) لینن (d) اسٹالن

8۔ ایک مشہور کتاب "کنبہ کی اصل، نجی ملکیت اور مملکت" کب شائع ہوئی؟

- (a) 1884 (b) 1885
(c) 1886 (d) 1887

9۔ گرامسکی کو فاشسٹ ڈکٹیٹر موسولینی نے کب گرفتار کیا تھا؟

- (a) 1924 (b) 1925
(c) 1926 (d) 1927

10- یہ کس کا خیال ہے کہ "مملکت کا تعلق پورے معاشرے سے نہیں ہے، یہ صرف ایک طبقاتی آلہ ہے؟
 (a) مارکسین نظریہ کا (b) سرمایہ دارانہ نظریہ کا

(c) دونوں کا (d) کسی کا نہیں

6.10.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. مملکت کا مارکسی نظریہ کے بارے میں چانگ کیا کہتے ہیں؟
2. مملکت کی ابتدا اور نوعیت کا لبرل نظریہ کا مختصر بیان کریں۔
3. مملکت کی ابتدا اور نوعیت کا مارکسی نظریہ پر روشنی ڈالیں۔
4. ایجنلس کا مملکت پر مختصر خیالات کا ذکر کیجیے۔
5. مملکت کی اصل اور نوعیت کے بارے میں لبرل اور مارکسی نظریات کے کم سے کم دو موازن کریں۔

6.10.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. سوشلسٹ معاشروں میں مملکت کے افعال اور اس کے کام کا تنقیدی جائزہ لیجیے۔
2. سرمایہ دارانہ معاشروں میں مملکت کے کام پر روشنی ڈالیے۔
3. مارکس کے نظریہ مملکت کا تنقیدی جائزہ لیجیے۔

معروضی سوالات کے جوابات:

(b)	-5	(b)	-4	(d)	-3	(a)	-2	(b)	-1
(a)	-10	(c)	-9	(a)	-8	(a)	-7	(d)	-6

اکائی 7- شہریت: تصورات اور نظریہ

(Citizenship: Concept & Theory)

اکائی کے اجزاء:

تمہید	7.0
مقاصد	7.1
شہریت کے تصورات	7.2
دستور میں شہریت کی توضیحات	7.3
اچھی شہریت کے لازمی عناصر	7.4
اچھا شہری بننے کی راہ میں رکاوٹیں	7.5
بھارت میں شہریت حاصل کرنے کا طریقہ	7.6
شہریت کا نظریہ	7.7
بھارت میں شہریت کو لیکر حالیہ بحث	7.8
اکتسابی نتائج	7.9
کلیدی الفاظ	7.10
نمونہ امتحانی سوالات	7.11
معروضی جوابات کے حامل سوالات	7.11.1
مختصر جوابات کے حامل سوالات	7.11.2
طویل جوابات کے حامل سوالات	7.11.3

7.0 تمہید (Introduction)

دنیا کا ہر شخص کسی نہ کسی ملک کا شہری ہوتا ہے۔ حالانکہ قدیم زمانے سے لے کر جدید زمانے تک شہریت ایک ارتقا عمل سے گزرا ہے۔ آج دنیا کے سبھی ممالک کے حدود مقرر ہیں۔ اس لیے شہریت کا تصورات کی اہمیت اور بھی زیادہ ہو گئی ہے۔ شہریت حاصل ہونے سے مراد ہے کہ آپ جس ملک میں رہتے ہیں اس ملک کے دستور اور قانون نے کچھ حقوق دیے ہیں۔ اور اس حقوق کے بغیر کوئی بھی شخص اپنا ترقی ممکن نہیں

کر سکتا۔ حقوق کے علاوہ ملک کا دستور اور قانون اپنے شہری سے کچھ فرائض کو انجام دینے کی توقع بھی کرتا ہے۔ بڑھتی آبادی اور گھٹتے وسائل کو دیکھتے ہوئے آج دنیا کے بیشتر ممالک شہریت کے قانون میں کئی ٹھوس اقدامات اٹھائے ہیں۔ جس سے کی غیر قانونی طریقے سے آئے ہوئے لوگوں کو اس کے اپنے ملک میں واپس بھیجا جاسکے۔

7.1 مقاصد (Objectives)

عزیز طلباء، اس اکائی میں آپ:

- شہریت کے تصورات کا مطالعہ کریں گے۔
- دستور میں شہریت کی توضیحات کی جانکاری حاصل کریں گے۔
- اچھی شہریت کے لازمی عناصر کو جانیں گے۔
- اچھا شہری بننے کی راہ میں رکاوٹوں کا مطالعہ کریں گے۔
- بھارت میں شہریت حاصل کرنے کا طریقہ کا مطالعہ کریں گے۔
- بھارت میں شہریت کو لیکر حالیہ بحث کا مطالعہ کریں گے۔

7.2 شہریت کے تصورات (Concept of Citizenship)

جمہوریت میں عوام ہی سب کچھ ہے۔ اس لیے ہمارا آئین تمام تر اختیارات عوام ہی کو دیتا ہے۔ بھارت کے آئین کے تمہید (Preamble) میں بیان کیا گیا ہے کہ عوام ہی نے آئین کو نافذ کی، اختیار کی اور اپنے حوالے کیا ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ملک کی قسمت کا فیصلہ کرنے والے بھی عوام ہی ہے۔ وہی اس بات کا فیصلہ کر سکتے ہیں کہ وہ اپنی حکومت اپنے مفاد کے لیے کس طرح چلائیں گے۔

علم تمدن کی زبان میں ہم لفظ شہری کا استعمال کرتے ہیں، نہ کہ لفظ عوام، لفظ عوام سے مراد ہے کہ وہ تمام تر لوگ جو ملک میں رہتے ہیں چاہے وہ ملکی ہو یا غیر ملکی۔ غیر ملکی (Non-Resident) لوگوں کو نہ تو ووٹ دینے کا اور نہ ہی سول حقوق حاصل ہوتا ہے۔ لہذا ملک کے انتظامیہ یا حکومت میں ان کا کوئی تعاون یہ حصہ نہیں ہوتا۔ صرف ملک کے شہری کو ہی یہ حق حاصل ہے کہ وہ کس نمائندہ یا پارٹی کو ووٹ دے یا نہیں دے۔ خود ہی الیکشن میں شرکت کرے۔ جائیداد حاصل کر سکے۔ یہاں تک کہ حکومت اور ملازمتوں میں بھی تعاون یا حصہ داری پاسکے۔ مختصر طور پر کہا جاسکتا ہے انہیں ملک کے سیاسی، معاشی، سماجی اور سول حقوق حاصل ہوتے ہیں۔

لہذا شہری وہ شخص ہے جو شہری اور سیاسی حقوق کا حامل ہوتا ہے۔ غیر ملکی جن میں سفرائی مملکت (State Diplomats) بھی شامل ہے۔ صرف وہ شہری حقوق کے حامل ہوتے ہیں۔ لیکن سیاسی حقوق میں ان کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی بھی غیر ملکی ملک میں

قائم شدہ عدالتوں سے انصاف پانے کا حق رکھتا ہے۔ وہ پولیس کی مدد اور پناہ حاصل کر سکتا ہے۔ لیکن وہ چنانچہ میں حصہ نہیں لے سکتے، ووٹ نہیں دے سکتے، وہ حکومت کی ملازمتوں میں داخل نہیں ہو سکتے، اور نہ ہی حکومت کو کسی بھی موضوع پر تنقید کر سکتے ہیں۔

7.3 دستور میں شہریت کی توضیحات (Citizenship Provision in Constitution)

دستور ہند کے دوسرے حصہ (Part - II) میں دفعہ 5 سے دفعہ 11 تک ہندوستانی شہریت کے بارے میں بیان کیا گیا ہے۔ حالانکہ بھارت کا دستور نہ تو شہریت سے متعلق نہ تو پائیداری (Permanent) اور نہ ہی کوئی طویل فراہمی کی بات کرتا ہے۔ یہاں تک کہ دستور نہ تو شہریت حاصل کرنے کی مشکلات اور نہ ہی شہریت کی خاتمہ پر دستور پارلیمنٹ کو یہ اختیار دیتی ہے کہ وہ شہریت کے سلسلے میں قانون بنائے اور اس پر تفصیل سے روشنی ڈالے۔ اسی کے مد نظر بھارت کے پارلیمنٹ نے شہریت قانون 1955 (Citizenship Act 1955) پاس کیا۔ تب سے لے کر آج تک اس میں کئی بار ترمیم کیا جا چکا ہے جیسے 1957، 1960، 1985، 1986، 1992، 2003، 2005، 2015 اور ابھی حال ہی میں 11 دسمبر، 2019 کو حکومت ہند نے شہریت قانون میں ترمیم کی، اور اس کو پاس کیا۔ جس کے تحت بھارت کا شہری وہ شخص ہوگا۔

- وہ شخص جس کے پاس بھارت کا ڈومیسائل (Domicile) ہو۔
- وہ شخص پاکستان ہجرت (Migrated) کر گیا، لیکن پھر وہ بھارت واپس آچکا ہو۔
- وہ شخص جو پاکستان سے ہجرت کر بھارت آگیا ہو۔
- وہ شخص جو بھارت کے نسب (Origin) سے تعلق رکھتا ہو، لیکن وہ بیرونی ملک میں رہائش ہو۔

دیگر دستور فراہمی شہریت کے مطلق مخالف ہے۔

- کوئی بھی شخص اگر وہ دوسرے ملک کی شہریت حاصل کر لیتا ہے تو وہ بھارت کا شہری نہیں ہوگا۔ دفعہ 9 (O)
- ہر ایک شخص جو بھارت کا شہری ہے، اس کے شہریت تب تک برقرار رہتی ہے جب تک کے پارلیمنٹ اس سے مطلق کوئی نہیں بنادیتی ہے۔ (دفعہ 10 (O))
- ہندوستان کے پارلیمنٹ کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ شہریت سے مطلق یا شہریت حاصل کرنے، یا شہریت کے خاتمہ یا کوئی اور بھی شہریت کے بارے میں معاملات پیش آتے ہو تو بھارت کے دستور کے دفعہ 11 کے تحت پارلیمنٹ کو ایسا کرنے کا اختیار حاصل ہے۔

7.4 اچھا شہری کے لیے لازمی عناصر (Essentials Elements for Good Citizens)

اچھا شہری کے لیے کچھ لازمی عناصر ہیں جس کی یہاں وضاحت کرنا ضروری ہے۔ بھارت کے آئین نے اپنے شہریوں کو حقوق اور فرائض دونوں فراہم کیے گئے ہیں اس لئے ایک اچھا شہری ہونے سے مراد ہے کہ اپنے حقوق کے ساتھ ساتھ فرائض کو بھی پورا کرنا لازمی ہوتا ہے۔

بے ایمان، خود غرض، سماج مخالف لوگ، سماج کے لیے لعنت اور ریاست کے لیے مفید نہیں ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس تندرست، ایماندار، انسان دوست، ہمدرد شہری ملک کا سرمایہ ہوتے ہیں۔ اچھے شہری کے لیے مندرجہ ذیل خصوصیات کچھ اس طرح سے ہیں۔

1- اچھی تندرستی (Sound Health)

شہریوں کو جسمانی اور دماغی طور پر تندرست ہونا بہت ضروری ہے۔ بغیر جسمانی اور دماغی تندرستی کے وہ اپنی روزی روٹی نہیں کما سکتے اور۔ ملک کی مدد کرنے کے بجائے وہ ملک پر بوجھ بن جاتے ہیں۔

2- بلند کردار (High Moral Character)

اچھا شہری کے لیے دوسری اہم صفت ہے بلند اور اعلیٰ اخلاق یا کردار کا ہونا۔ چور، ڈکیت، چیزوں میں ملاوٹ کرنے والے، کریمینل، اسمگلر ملک کے بدترین دشمن ہیں۔ یہ لوگ اپنی ذاتی مفاد اور خود غرضی کے لیے ملک کی معشیت کو بری طرح برباد کرتے ہیں۔ اسی طرح چور، ڈاکو، بد عنوان یہ سبھی اپنی حرکتوں سے سماج کو بہت نقصان پہنچاتے ہیں۔ وہ غدار جو ملک کے رازدار دوسرے ملکوں تک پہنچاتے ہیں۔ ملک کے بدترین اور ذاتی دشمن ہیں۔ اچھا شہری ان حرکات کی نہ صرف مذمت کرتا ہے بلکہ ان کو ہونے سے روکنے کی کوشش بھی کرتا ہے۔ اور اطوار و اخلاق کا بہترین معیار قائم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

3- ذاتی مفاد کو نظر انداز کر کے عوام کی خدمت (Avoid individual interest serve to the people)

اچھا شہری ہمیشہ عوام کی خدمت کو انجام دیتا ہے۔ دوسروں کی خدمت کے لیے وہ اپنی ذاتی مفاد کو نظر انداز کر، وہ کمزور اور مجبوروں کی مدد کرتا ہے۔ انسانی ہمدردی کے کاموں میں جیسے تعلیمی ادارے قائم کرنا، دوسرے فلاحی تنظیم کو بھی قائم کرنا اور تعلیم اور دیگر فلاحی تنظیم میں حکومت اور دیگر عوام جو اس کام میں ملوث رہتے ہوئے بھی ان سبھی کو بھی تعاون کرتے ہیں۔ وہ جس سماج کا کارکن اور لازمی حصہ ہے۔ وہ اس کو بہتر اور متحد بنانے کی پوری کوشش کرتا ہے۔

4- فرائض کے بارے میں پورا شعور رکھنا (Awareness about duties)

عموماً یہ دیکھا گیا ہے کہ عوام اپنے حقوق کی طرف زیادہ دھیان دیتے ہیں۔ اور یہ بالکل بھول جاتے ہیں کہ ہر حق کے ساتھ ان کے اوپر ایک فرض کی ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے۔ عمدہ شہری نہ صرف اپنے فرائض انجام دینے کا پوری پوری کوشش کرتا ہے۔ وہ قانون اور ضوابط کے بھی پابند ہوتے ہیں۔ وہ وقت پر محصول بھی ادا کرتا ہے۔ اور دوسرے شہریوں کے حقوق میں دخل اندازی نہیں کرتا ہے۔

5- حق رائے دہندگی کا مناسب استعمال کرنا (Use of voting rights properly)

اچھا شہری کو چاہئے کہ وہ الیکشن میں اپنے ووٹ کا استعمال کرے۔ لیکن اکثر ایسی خبریں پڑھنے اور سننے کو ملتا ہے، کہ اس بار الیکشن میں صرف 60 فیصد ہی عوام نے اپنے حق رائے دہندگی کا استعمال کیا۔ اس سے یہ پتا چلتا ہے کہ عوام جمہوریت کے اتنے عظیم اور متبرک حق سے بے

توجہی برتتے ہیں۔ الیکشن کے وقت یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ عوام اچھے امیدوار یا اچھی سیاسی پارٹی کو ووٹ نہیں دیتے، بلکہ وے ذات پات، مذہب، علاقائی اور لسانی تعصبات کا شکار ہو جاتے ہیں۔ وہ اپنے ووٹ کی حقیقی قیمت سے بالکل باخبر رہتے ہیں۔ اچھا شہری ہمیشہ اپنے ووٹ کا صحیح استعمال کرتے ہیں، اور ووٹ دیتے وقت کبھی بھی ذات پات، مذہب، جنس، علاقہ اور زبان کو ترجیح نہیں دیتے ہیں۔

6۔ وطن کی محبت (Love to country)

وطن کی محبت اور اس کی اہمیت اپنی ذات سے زیادہ بالاہ اور برتر ہوتی ہے۔ جنگ یا کسی اور ہنگامی حالات میں ملک کی طرف سے کسی بھی ذمہ دار عہدے پر فائز ہوتے وقت یا قانون ساز اسمبلی کا ممبر ہوتے وقت جب اچھا شہری قوم اور ملک کی وفاداری کی حلف برداری کرتا ہے وہ محض نمائش نہیں ہوتی ہے، یا صرف برائے نام حلف برداری نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ اس وفاداری کو اپنی زندگی اور عمل کے تمام شعبوں میں برتتا ہے۔ ملک سے محبت کا ذکر ہمارے دستور میں بھی ہے۔ ملک سے محبت کا قطعی یہ مطلب نہیں کہ ہم دوسرے ملکوں سے نفرت کریں۔ کیونکہ بھارت دنیا میں ایک ایسا ملک ہے جس کا تاریخ سے اور جمہوریت کو زندگی رکھنے میں ہم نے ہمیشہ دنیا کی قیادت کی ہے۔ اس ایک اچھا شہری اپنے وطن کو پیار کرتے ہوئے دوسرے ملکوں کے اقتدار اعلیٰ کی عزت و احترام کرنا چاہیے۔ جس سے کہ بین الاقوامی تناؤ کے امکانات کو ختم کیا جاسکے۔

7.5 اچھا شہری بننے کی راہ میں رکاوٹیں (Obstacle in the way to be a good citizens)

مملکت کا تقاضہ ہے کہ ہر شخص اچھا شہری ہو۔ لیکن اس کے راستے میں متعدد رکاوٹیں ہیں۔ جس کا ذکر یہاں لازمی ہے۔

1۔ بے نیازی (Indifference)

کچھ لوگ قومی جمہوریت سے اتنے بے نیاز ہوتے ہیں کہ ووٹ دینے کی ظمحت بھی نہیں اٹھاتے۔ ان کا خیال ہے کہ اگر وہ ووٹ نہیں دیں گے تو اس سے کوئی بڑا نقصان نہیں ہوگا۔ اگر سبھی شخص یہ سمجھ لے تو ووٹ دینے والے کوئی بھی نہ ہوگا۔ کبھی کبھی لوگ ایسا بھی سمجھتے ہیں کہ اگر وہ اپنا اظہار و خیال ظاہر کرے تو اسے کون سنے گا۔ اور اس کی طرف کون متوجہ ہوگا۔ لیکن ایسا ہر گز نہیں ہے، جمہوریت میں ایک ایک ووٹ قیمتی ہے، اور کبھی کبھی تو ایک ووٹ سے کسی امیدوار کی فتح و شکست کا بھی فیصلہ ہوتا ہے۔ اس لیے اگر عوام صحیح سے ووٹ نہ کرے تو حکومت کو عوام کے رد عمل (Reactions) کا اندازہ کیسے ہوگا۔

2۔ ناخواندگی (Illiteracy)

علم انسان کو مکمل بناتا ہے۔ تعلیم سے انسان کو حقوق اور فرائض کا علم ہوتا ہے۔ اس سے انسان روشن ضمیر کو جاتا ہے۔ اندھے عقیدوں کا خاتمہ ہوتا ہے۔ ماحول اور حالات کے تجزیے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ اور صحیح نتیجہ پر پہنچنے کی اہلیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کے برعکس لاعلمی اور ناخواندگی لعنت ہے۔ اس سے تو ہم پرستی پیدا ہوتی ہے۔ فکر کرنے کی صلاحیت سرے سے پیدا نہیں ہوتی ہے۔ ناخواندگی کی وجہ سے وہ غلط

جذبات، اندھا عقیدہ اور فرقہ وارانہ جذبات کا شکار ہو جاتا ہے۔ ناخواندہ اور لاعلم ہونے کی وجہ سے انسان غلط روی اختیار کر لیتا ہے۔ ووٹ دینے کا صحیح فیصلہ نہیں کر پاتا۔ جس سے جمہوریت کو نقصان ہوتا ہے۔

3۔ غربت (Poverty)

انسان اپنی کابلی، مواقع نہ حاصل ہونے یا بے روزگاری ان دونوں کی وجہ سے غریب ہوتا ہے۔ جو شخص ہر وقت اپنے اور اپنے خاندان کی روزی روٹی پیدا کرنے کی فکر میں لگا رہتا ہے، وہ سماج، سماجی معاملات، سیاسی معاملات میں حصہ لینے کی بات سوچ بھی نہیں سکتا۔ غربت کی وجہ سے انسان یا تو جرائم پیشہ میں گرفت ہو جاتا ہے یا بد کرداری یا بد اخلاقیوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ سماج میں غلط کام کو کبھی کبھی غربت کی وجہ سے بھی انجام دیتے ہیں۔ اس لیے ایک اچھا شہری کو چاہیے کہ وہ غربت دور کرنے کے لیے زیادہ سے زیادہ مواقع مہیا کرے۔ اور روزگار حاصل کرنے کے لیے ہمیشہ فکر مند رہے۔

4۔ فرقہ بندی (Sectarianism)

گروپ بندی فکر اور اظہار خیال کی آزادی کا فطری نتیجہ ہے۔ یہ بہت ہی مبارک اور اچھی چیز ہے۔ اور اس عمل سے فوائد بھی ہوتے ہیں۔ لیکن جب اس سے فرقہ بندی جنم لیتی ہے تو یہ سماج کے لیے لعنت بن جاتی ہے۔ جب گروپ بندی یکساں سیاسی اور معاشی فکر کی بنیاد پر ہوتی ہے تو سیاسی پارٹی عالم وجود میں آتی ہے۔ جمہوریت کے کامیابی کے لیے یہ بہت فائدہ مند ثابت ہوتا ہے۔ جب تک مختلف قسم کی ذاتیں یا تنگ دل لوگ محدود مقاصد کے لیے گروپ بندی کرتے ہیں تو فرقہ بندی جنم لیتی ہے۔ یہ وسیع قومی سیاسی بیداری کو اور شعور کو تباہ کر دیتی ہے۔ لہذا یہ نقصان اور تباہ کن تنظیم ہوتی ہے۔

دستور ساز اسمبلی کے لیے یہ مشکل ہو گیا کہ تمام ضروری پسندیدہ باتوں کو دستور میں شامل کرے، اور تمام غیر ضروری اور ناپسندیدہ چیزوں کو خارج از بحث اور خارج از عمل کر دے۔ اس کا ثبوت اس بات سے ملتا ہے کہ جب ہندوستان کی شہریت کا مسئلہ زیر بحث آیا تو 140 ترمیمات عمل میں لائی گئی تھی۔

دستور نے شہریت کے واضح اور ضروری اصولوں کی تعریف کی اور ان کے اصولوں کی بنیاد پر یہ بھی اعلان کیا کہ کس قسم کے لوگوں کو ہندوستان میں شہریت حاصل ہوگی۔ بہر حال اس مسئلے کے فیصلے کے لیے ایک طویل قانون پارلیمنٹ نے پاس کیا۔ جسے قانون شہریت 1955 (Citizenship Act) کہتے ہیں جس کے مطابق مندرجہ ذیل قسم کے لوگ بھارت میں شہریت حاصل کر سکتے ہیں۔ اس قانون کے تحت پانچ طریقے سے شہریت حاصل کی جاسکتی ہے۔ پیدائشی طور پر، نسلی طور پر، رجسٹری کے ذریعہ، قومیت اور علاقے کی شمولیت کے ذریعہ۔

7.6 بھارت میں شہریت حاصل کرنے کا طریقہ (Procedure to be Citizenship in India)

1- پیدائشی طور پر (By Birth)

ہر وہ شخص جو ہندوستان میں 26 جنوری، 1950 کے بعد اور یکم جولائی 1987 تک بھارت میں پیدا ہوا ہے وہ ہندوستانی شہری ہوگا۔ چاہے اس کے ماں باپ کسی بھی ملک کے شہری ہوں۔ ویسے شخص بھی بھارت کے شہری ہونگے جو یکم جولائی 1987 کے بعد پیدا ہوا ہو۔ بشرطے کہ ان کے ماں باپ دونوں میں سے کوئی ایک اس کے پیدا ہونے کے وقت بھارت کا شہری رہا ہو۔ اس کے علاوہ تیسرا شرط جو شخص 3 دسمبر، 2004 یا اس کے بعد پیدا ہوا ہے، وہ بھی بھارت کا شہری ہوگا۔ لیکن شرط یہ ہے کہ اس کے پیدا ہونے کے وقت دونوں (ماں اور باپ) کا بھارت کا شہری ہونا لازمی ہے۔ لیکن اس میں غیر ملکی سفر ای یا غیر ملکی باشندوں کے بچے شامل نہیں ہوں گے۔

2- نسلی طور پر (By Descent)

وہ شخص جو 26 جنوری، 1950 یا اس کے بعد لیکن 10 دسمبر، 1992 سے پہلے نسلی طور پر بھارت کا شہری ہوگا۔ اگر وہ بھارت سے باہر کیوں نہ پیدا ہوا ہے۔ بشرطے کہ اس کے اس باہر پیدا ہونے کے دوران اس کے والد بھارت کا شہریت حاصل ہو۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص 10 دسمبر، 1992 یا اس کے بعد کسی بیرونی ملک میں پیدا ہوا ہو اور اس کے پیدا ہونے کے دوران اس کے ماں اور باپ دونوں بھارت کا شہری ہوں تو وہ شخص بھی بھارت کا شہری ہوگا۔ تیسرا شرط اگر کوئی شخص 3 دسمبر، 2004 کے بعد باہری ملک میں پیدا ہوا ہے تو وہ نسلی طور پر بھارت کا شہری نہیں ہوگا۔ شہری ہونے کے لیے اس کے پیدا ہونے کے ایک سال کے اندر بھارتی سفر ای میں بھارت کے حکومت کے اجازت کے بعد اس کا رجسٹری ہوا ہو۔

3- رجسٹری کے ذریعہ (By Registration)

بھارت کے قانون کے اصول و ضوابط کی تکمیل کرنے کے بعد کوئی بھی بھارت کا شہری کچھ شرائط کو پورا کرنے کے بعد ہو سکتا ہے۔ بشرطے کہ وہ اپنی رجسٹری شہری کی حیثیت سے کرا لے۔

بھارتیہ توضیحات (Indian Origin) کا ویسا شخص ہو جو، کم سے کم سات سال سے بھارت میں رہ رہا ہو۔ وہ رجسٹری کے ذریعہ بھارت کا شہری ہو سکتا ہے۔

• ایسا شخص جو اوٹ بھارت (Undivided India) کے باہری ملک میں رہتا ہے، وہ رجسٹری کے ذریعہ بھارت کا شہری ہو سکتا ہے۔

• ایسا شخص جس کی شادی ہندوستانی شہری سے ہو ہو، اور وہ رجسٹری کے ارضی دینے سے پہلے کم سے کم سات سالوں سے بھارت میں رہتا ہو وہ رجسٹری کے ذریعہ بھارت کا شہری ہوگا۔

- ایسے شخص کے چھوٹے بچے جو ہندوستانی شہری ہوں۔ اوپر بتائے گئے سبھی درجہ حاصل شخص کو بھارت کا شہریت حاصل کرنے سے پہلے اسے وفاداری کا حلف لینا لازمی ہے۔

4۔ قومیت کے ذریعہ (By Naturalization)

ہر وہ شخص جو درخواست دے کہ وہ ہندوستان کا شہری بننا چاہتا ہے اور حکومت اسے اس کے لیے سند دے دے تو وہ ہندوستان کا شہری ہو جاتا ہے۔ لیکن اس کے لیے کچھ شرائط کی ادائیگی لازمی ہے، جو مندرجہ ذیل ہیں:

- وہ شخص جو اپنے ملک کی شہریت کھو چکا ہو اور بھارت میں مرکزی حکومت کو اپنی شہریت چھوڑ دینے کی اطلاع دے چکا ہو۔
- وہ درخواست دینے سے قبل کم سے کم ایک سال سے بھارت میں رہ رہا ہو۔
- وہ شخص جو بھارت کا شہری بننا چاہتا ہو اس کے اخلاق و کردار اچھا ہونا چاہیے۔
- وہ آئین میں موجود 8 ویں فہرست میں شامل زبان کا یا کسی علاقائی زبان کا اچھی معلومات رکھنے والا ہو۔

اس کے علاوہ آئین ایسے شخص کو بھی شہریت حاصل کرنے میں خاص رعایت دیتی ہے جو سائنس، ادب، آرٹ، عالمی سطح پر امن کے لیے کام کیا اور عوامی ترقی کے لیے عمدہ کام کیا ہو۔

5۔ علاقے کی شمولیت کے ذریعہ (By Incorporation of Territory)

وہ تمام افراد جو کسی ایسے علاقے میں رہتا ہو جو بعد میں کسی وقت بھی وہ علاقہ ہندوستان میں شامل ہو جاتا ہے تو وہ تمام افراد خود بخود بھارت کا شہری ہو جائیں گے۔ مثال کے طور پر جب پونڈی چیری بھارت کا اٹوٹ حصہ بن گیا تب 1962 میں بھارتی حکومت نے شہریت قانون 1955 کے تحت فرمان جاری کر دیا۔ اس کے بعد پونڈی چیری کے سبھی افراد کو بھارت کی شہریت دے دی گئی۔

اسی طرح سے وہ شخص ہندوستان کا شہری باقی نہیں رہتا ہے جو یہاں کی شہریت کو ترک کر دے۔ اور کسی دوسرے ملک کا شہری بن جائے۔ حکومت رجسٹری کیے گئے اور قومیت کے ذریعہ شہری بنے ہوئے لوگوں کو حق شہریت سے محروم کر سکتی ہے۔ اگر ان کی شہریت ملک کی مفاد میں نہ ہو۔ بیشتر وفاقی حکومت (Federal Government) کے برعکس ہمارے یہاں وحدانی شہریت یا یکساں شہریت کا طریقہ ہے۔ امریکہ میں ہر شہری اپنی ریاست کے علاوہ وہ وفاق کا بھی شہری ہوتا ہے۔ اس لیے وہاں ہر شہری کو دوہری شہریت (Dual Citizenship) حاصل ہے۔ جبکہ ہمارے یہاں صرف واحد شہریت کا ہی نظام ہے، چاہے وہ شخص کسی بھی ریاست سے کیوں نہ تعلق رکھتا ہو۔ اس سے ریاستوں کے درمیان کی غیر فطری مزاحمت ختم ہو گئی۔ اور اس سے عوام کو آزادانہ طور پر تمام ملک میں نقل و حرکت کے موقع حاصل ہو گئے ہیں۔

7.7 شہریت کا نظریہ (Theory of Citizenship)

شہریت کا نظریہ کو سمجھنے کے لیے شہریت کے ارتقا پر غور کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ شہریت کے ارتقا کو سمجھے بغیر شہریت کے نظریہ کو سمجھنا ممکن نہیں ہے۔

شہریت کی ارتقا کو جاننے کے لیے قدیم یونانی مملکت کے پس منظر میں جانا لازمی ہے۔ کیونکہ شہریت کی تصور سب سے پہلے یونان میں دیکھنے کو ملتا ہے۔ اور یونانیوں کے یہاں جس طرح کا شہریت موجود تھا وہ آج کے جدید دور سے محطف ہوا کرتا تھا۔ جدید دور میں شہریت اکثریت عوام کو حاصل ہے۔ جب کہ قدیم یونان میں اس کے برعکس چند طبقہ کو ہی شہریت حاصل تھا۔ چوں کہ یونانی مملکت میں پوری آبادی کو تین منطف طبقات میں بانٹا جاتا تھا۔ پہلا طبقہ جو غلاموں کا تھا اس کی آبادی اکثریت میں تھی۔ دوسرا طبقہ غیر ملکیوں کا تھا جو قدیم کے یونان تجارت و کامرس میں شامل تھے۔ اس وقت تجارت و کامرس کا ایک عظیم مرکز ہوا کرتا تھا۔ اس لیے یونانی مملکت میں غیر ملکیوں کی بھی تعداد اچھی خاصی تھی۔ لیکن غیر ملکیوں کو شہر کی سیاسی زندگی میں حصہ لینے کا حق حاصل نہیں تھا، وجہ انہیں شہریت حاصل نہیں تھی۔

آبادی کا تیسرا حصہ وہاں کے شہریوں کا تھا۔ یہ وہ لوگ تھے جو شہری مملکت کی سیاسی زندگی میں حصہ لینے کے اہل تھے۔ اس طرح یونانی مملکت میں شہری ہونے کا مطلب وہاں کی سیاسی زندگی میں حصہ لینے کی اہلیت تھی جو پیدائشی طور پر حاصل ہوا کرتی تھی۔ لیکن اس کے علاوہ بھی یونانی مملکت میں کچھ ایسے بھی طبقات تھے جن کو شہریت کا درجہ حاصل نہیں تھا۔ ان میں عورت اور بچے بھی شامل تھے۔

لفظ 'شہریت'، لاطینی زبان 'Civis' سے نکلا ہے۔ جو یونانی 'Polis' کے جیسا ہوتا ہے۔ Polis یونانی City-State کو کہا جاتا تھا۔ جو بھی شخص اس Polis کا رکن ہوتا ہے اسی کو شہریت بھی حاصل ہوتی تھی۔ شہریت کو ارتقا کے تنازل میں دیکھنے سے پتا چلتا ہے کہ شہریت ایک طریق ارتقا ہے، جس میں لگاتار قدیم یونان سے لے کر رومن، وسطی اور جدید دور تک تبدیلیاں آتی رہی ہیں۔

شہریت کے ارتقا جس میں شہریت کا نظریہ بھی شامل ہے، موٹے طور پر چار عہدوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

1۔ پہلا عہد قدیم یونانی و رومن: قدیم یونان کی مملکت میں متعدد شہریت (Active Citizenship)۔ جس کو Civic Republican بھی کہا جاتا تھا۔ یہ ایک طرح سے 'Common Good' کا خیال بھی ہے۔ جو Civic Republic سے جڑا ہے۔ جس میں سیاسی حصہ داری، پبلک اسپرٹ اور Civic Virtue یہ سبھی متعدد شہریت کی اہم خصوصیات ہیں۔ یونانی انتظامہ میں دو طرح کا نظام تھا۔ پہلا آیتھینس، دوسرا اسپارٹہ۔ حالانکہ دونوں کے طریق حکومت میں مختلف فرق تھے۔ ایک جمہوریت کا پیر و کار تو دوسرا حاکم مطلق (Dictator)۔ اس کے باوجود دونوں کے درمیان ایک برابری کا متعدد شہریت کی موجودگی رہی ہے۔

یونانی مفکرین ارسطو اپنے مشہور کتاب 'پولٹیکس' (Politics) میں لکھتے ہیں کہ انسان کے لیے سیاست ایک اہم موضوع ہے۔ آگے اس کتاب میں وہ کہتے ہیں کہ انسان ایک سیاسی جانور ہے (Man is a Political Animal)۔ کیونکہ سیاست میں متحد حصہ داری خاص

معاملہ ہے۔ سیاسی حصے داری اور سیاسی زندگی کے باوجود یونانی شہریت اخراجیت (Exclusion) پر مبنی ہے۔ کیونکہ اکثریت آبادی کو شہریت کا درجہ حاصل نہیں تھا۔

دورِ رومن: یونانی دور سے آگے بڑھتے ہوئے رومن دور میں پہنچے تو اس دور میں شہریت کے تصور میں مختلف تبدیلیاں دیکھنے کو ملتی ہیں۔ چونکہ رومن استعماریت (Imperialism) میں شہریت کا دائرہ پہلے کے مقابلے میں تھوڑا وسیع ہو جاتا ہے۔ اور جنگ یا فتح کے وجوہات سے آبادی کی بڑی تعداد شہریت میں شامل ہو جاتی تھی۔ اور شہریت یونانی دور کے مقابلے زیادہ شمولیت (Inclusion) تھا۔ حالانکہ یہ شمولیت (Inclusion) ایک ہی دفعہ نہیں ہوا کرتا تھا بلکہ زمرہ بندی کے تحت لوگوں کو اس میں شامل کیا گیا۔ اور یہ ایک غیر متحرک شہریت (Passive Citizenship) تھی۔ جس میں مختلف گروہ، تمدن اور نسل کے لوگ شامل ہوئے۔ یہ ایک طرح کا استعماریت (Imperialism) نہ کی جمہوری شمولیت جس میں معاشیت بھی ساتھ ساتھ ہوتا ہے۔ یہاں شہریت کے ماہرین ٹی۔ ایچ۔ مارسل کا ذکر لازمی ہو جاتا ہے کیوں مارسل کا شہریت کے اُپر بہترین کام کیا ہے۔ مارسل شہریت کے ارتقا کو حقوق کے ارتقا کے حوالے سے بات کرتے ہیں۔ جس کو تین مختلف عرصہ کے ذریعہ جانا جاتا ہے۔

1- سول حقوق کا ارتقا (Evolution of Civil Rights): سول حقوق کے تحت مختلف حقوق آتے ہیں، جیسے خیال ظاہر کرنے کا حق، میڈیا کی آزادی، یکجہ ہونے کا حق وغیرہ یہ سارے حقوق 18 ویں صدی کی نشاندہی ہے۔ یہ سول حقوق اپنی فطرت میں منفی ہوتے ہیں۔ کیونکہ یہ کوئی مثبت مضمون (Contents) فراہم نہیں کرتا۔ لیکن یہ حقوق لوگوں کو کچھ تحفظ (Security) ضرور فراہم کرتی ہے۔

2- سیاسی حقوق (Political Rights): اس کا ارتقا 19 ویں صدی میں ہوتا ہے۔ اس حقوق میں ووٹ ڈالنے کے حق کے ساتھ نمائندگی، سیاسی حصے داری وغیرہ کئی سارے حقوق شامل ہیں۔

3- آخری عرصہ جو 20 ویں صدی کا ہے سماجی حقوق (Social Rights) کی بات ہونے لگتی ہے۔ مارسل کے مطابق 20 ویں صدی میں ہی فلاحی ریاست (Welfare State) کا ارتقا ہوتا ہے۔ جس میں لوگوں کے فلاح و بہبود کی مملکت متوجہ ہوتی ہے۔ اس دور میں سماجی حقوق کے ارتقا کے ساتھ معاشیت کا بھی عروج ہوتا ہے، اور یہ شہریت کے ارتقا کا بھی دور ہے۔ سماجی حقوق کی خاصیت ہے کہ شہریت کے لیے برابری کا درجہ سبھی کو حاصل ہے۔

جدید لبرل شہریت کا تصور (Theory of Modern Liberal Citizenship): مارسل کے مطابق جدید لبرل کے دو خاص نظریہ (Principles) ہیں پہلا مساوی (Equality) عمومیت (Universality)۔ عمومیت میں کہا گیا کہ قانون کی فطرت بالعموم ہونا ہے۔ اس لیے شہریت کی تصدیق بھی عمومیت (Universal) ہوتا ہے۔ شہریت میں برابری اور عمومیت شہریت کا جدید لبرل طول و عرض (Dimension) ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ اس دور میں شہریت کا تصور مثالی ہے، اور اس دور میں بھی شہریت کے تنقید ہوتے رہے ہیں۔ خاص

طور پر مساوات کو لیکر استراکی سماج کے رکن Communitarian اور کثیر الشقاقی کے بانی (Multiculturalist) شہریت کے جدید لبرل طول و عرض کی تنقید کی ہے۔

آگے چل کر کارل مارکس نے بھی جدید لبرل شہریت کا پر جوڑ طریقے سے تنقید کرتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ جدید لبرل رواج مساوی حقوق کی اور آزادی کی بات کرتے تو ہیں، لیکن حقیقت میں یہ سبھی فائدہ (Privilege) صرف اور صرف ایک خاص طبقہ کو حاصل ہوتا ہے۔ جس کو مارکس سرمایہ دار گروہ (Capitalist Class) کہتے ہیں۔

3- عہد جدید (Modern Period): شہریت کے تیسرے عہد دور جدید ہے۔ کیونکہ عہد رومن میں شہری کو قانونی حیثیت حاصل ہوا تھا۔ جب کی یونانی دور میں شہریت کا قانونی شکل نہیں تھا۔ شہریت کا یہ قانونی شکل عہد رومن کی خصوصیات ہے۔ اور یہی خصوصیات عہد جدید میں بھی مسلسل بنا رہا۔ غیر متحرک شہریت کے بانی زین بوداں (Jean Bodin) کو مانا جاتا ہے۔ جس نے شہریت کو قانون اور تحفظ کی (Law and Security) حیثیت سے دیکھا۔ یہاں تک کہ کلاسیکی سیاسی مفکرین نے بھی اس تنازل میں ہی شہریت کو دیکھنے کی کوشش کی ہے۔ مثال کے طور پر، تھامس ہابز کے مطابق تحفظ (Security) کے معنی ہیں زندگی جینے کی آزادی، موٹیسکیو کے مطابق خاندان کی زندگی اور گھر کی حفاظت، جب کہ جان لاک کے مطابق Security کے معنی میں جائیداد کی حفاظت اور ضمیر (Conscience)۔

بغیر سیاسی حصہ داری کے بھی افراد کو شہریت حاصل ہوا۔ اس دور میں متعدد شہریت سے غیر متحرک شہریت تک قانون حیثیت کے مطابق حاصل ہوا۔ جدید دور میں بھی Security اور غیر متحرک کا غلبہ بنا رہا۔ پرانی یادیں Nostalgia فرانسیسی انقلاب سے لیکر امریکی انقلاب، میکاولی اور روسو کے تحریر (Writings) میں بھی پایا جاتا ہے۔ روسو کے حساب سے Civic Virtue اور حصے داری (Participations) شہریت کی پہچان کے لیے اہم عناصر ہے۔ فرانسیسی انقلاب نے فطری زمرہ بندی (شہریت کے تنازل) میں ختم کر دیا اور برابری کی بات سامنے آئی، جو Civic Virtue کو آگے بڑھاتا ہے۔

18 ویں صدی سے 20 ویں صدی تک آتے آتے ایک نیا سماجی سیاق و سباق Social Context کا آغاز ہے۔ جب سرمایہ داری (Capitalism) کا عروج پورے طور پر لبرل خیال میں شہریت کے مطابق مخطف نظریہ کا آغاز ہوتا ہے۔

اگر شہریت کے نظریہ سے مطلق بات کی جائے تو سب سے عمدہ کام شہریت کو لیکر ٹی۔ ایچ۔ مارشل (T.H. Marshal) نے کیا ہے۔ جس نے اپنی کتاب 'Citizenship in Social Class' میں شہریت کو لیکریہ وضاحت کرتے ہیں کہ شہریت کے تصورات کا مسلسل عروج Class Structure میں تبدیلی، جدید سرمایہ داری اور اس کا فائدہ ایک خاص سماجی گروہ کو ہی ملتا ہے۔

دوسرا تنقید حقوق نسواں Feminist گروہ کی طرف سے لبرل تزکرہ (Discourse) کو لیکر ہے۔ آگے یہ گروہ لکھتے ہیں۔ سماج میں برابری کی بات ہوتی تو ہے، لیکن حقیقت کچھ اور ہے۔ مرد اور عورت کے درمیان غیر برابری کا پایا جانا بالکل عام بات ہے۔ چوں کہ سماج میں چاروں

طرف مردوں کا ہی غلبہ ہے اس لئے اس میں کوئی حیرانی کی بات نہیں ہے۔ اگر پبلک اسپیر (Public Sphere) کی بات کی جائے تو یہاں بھی اکثریت حصے داری مردوں کے حق میں ہے، نہ کے عورتوں کے۔

7.8 بھارت میں شہریت کو لیکر حالیہ بحث (Recent Debate on Citizenship)

بھارت میں شہریت کے مدے کو لیکر بحث کوئی نیا نہیں ہے۔ گزشتہ کئی برسوں سے شہریت کو لیکر بحث چلی آرہی ہے۔ لیکن سال 2014 کے بعد سے شہریت کا معاملہ کافی گرمی رہا ہے۔ کیونکہ بھارتیہ جنتا پارٹی کے سال 2014 کے الیکشن کے Manifesto میں شہریت کو ایک خاص موزوں بنایا۔ جس میں یہ بتایا گیا تھا کہ بھارت میں پڑوسی ملک سے آئے دن Infiltrators غیر قانونی طریقے سے بھارت میں داخل ہوتے آرہے ہیں اس لئے اگر۔ بی۔ جے۔ پی۔ کی حکومت اقتدار میں آتی ہے تو ایسے لوگوں کی پہچان کران کو ملک سے باہر نکالینگے۔ ایسا ہوا بھی بھارتیہ جنتا پارٹی اکثریت نشست کے ساتھ اقتدار میں آئی۔ اور سال 2016 میں بھارتیہ شہری ترمیم بل 2016 کو پارلیمنٹ میں پیش کیا گیا۔ کئی دور کے بحث و مباحثہ (Debate or Discussion) کے بعد آخر دونوں ایوان، لوک سبھا اور راجیہ سبھا نے اس بل کو پاس کر دیا، جواب یہ قانونی شکل اختیار کر چکی ہے۔ نیا شہری قانون 2019 کے مطابق پڑوسی ملک سے آئے مذہبی اقلیتی طبقہ، مسلمانوں کو چھوڑ کر بودھ، سکھ، ہندو، کر سچن، پارسی، جین بنگلہ دیش، پاکستان اور افغانستان ملک سے 31 دسمبر 2014 سے پہلے بھارت میں آئے ہوئے طبقات کو موجودہ حکومت۔ ان مذہبی گروہوں اگر وہ یہاں کی شہریت حاصل کرنے کے خواہشمند ہوں تو بھارت کی حکومت ان کو بغیر کاغذات کے بھی شہریت کا درجہ عطا کرے گی۔ اس پر کچھ دانشور اور پڑے لکھے لوگوں نے بل اور قانون کی مخالفت کی اور اپنی رد عمل کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اس طرح کا کوئی بھی قانون مذہب کی بنیاد پر مبنی ہے اور یہ مسلمان اقلیتی گروہ کے ساتھ تفریق کرتا ہے تو غیر آئینی ہے۔ اور اگر حکومت واقعی مخطف اقلیتوں کو شہریت کا درجہ دینے کے لیے سنجیدہ ہے تو مسلمانوں کو بھی اس میں شامل کیا جانا چاہیے۔ حکومت نے ان سوالوں کے جواب میں یہ کہ دیا کہ یہ تینوں ملکوں میں مسلمان کی حکمرانی ہے۔ اور جب آپ اقتدار پر قابض ہوتے ہیں تو آپ کا استحصال نہیں ہوتا اور ان ممالک میں مسلمان اکثریت میں ہے تو ان کے مذہبی ظلم و ستم کا شکار ہونے کا سوال ہی نہیں ہوتا۔ بلکہ ایسے ملک میں دوسرے مذہبی اقلیتی گروہ کے ساتھ مذہبی ظلم و ستم (Religious Persecution) عام بات ہے۔ ہر ایک دن ایسے لوگوں کے ساتھ ظلم اور زیادتی ہوتی رہتی ہے۔ جس سے اپنے تنگ آکر یہ لوگ اپنے ملک کو چھوڑ کر بھارت میں داخل ہونے پر مجبور ہوئے۔ اس لیے ایسے لوگوں کی حفاظت اور ان کے حقوق کا خیال رکھنا بھارت جیسے جمہوری ذمہ دار ملک کی اخلاقی ذمہ داری ہے۔

حالانکہ جب موجودہ حکومت نے یہ تنازعہ بل (Disputed Bill) پیش کیا تو پورے ملک میں ایسا لگا جیسے آگ لگ گئی ہو۔ اور اس تفریق شہری قانون کا اختلاف پورے ملک میں شروع ہوا۔ حلائی شروعات میں اس تحریک کا مرکز جامعہ ملیہ اسلامیہ تھا۔ کیونکہ اس اور آگے چل کر یہ دلی کے شاہین باغ میں اس کا مرکز منتقل ہوا۔ اور دھیرے دھیرے پورے ملک میں کئی شاہین باغ تیار ہو گئے۔ ملک میں اس کے خلاف احتجاج میں کئی جانیں بھی گئیں۔ اور کئی لوگ زخمی بھی ہوئے اور کچھ لوگوں کو جیل بھی جانا پڑا۔ اس اختلاف کے باوجود حکومت نے اس قانون کو واپس

نہیں لیا۔ لیکن مارچ 2020 میں کرونا وائرس (Corona Virus) کی آمد سے سبھی پروٹسٹ سائٹ (Protest Sight) ختم ہو گئے۔ اور یہ ابھی ٹھنڈے بستے میں ہے۔ لیکن حکومت کبھی کبھی یہ کہتی ہے کہ ہم ملک میں اس قانون کو نافذ کریں گے۔ اور جو بھی باہری Infiltrators اس کے لیے NRC لائینگے۔ اور جو بھی افراد اپنا شہریت ثابت نہیں کریگا اس کو Detention Centre میں ڈالینگے۔

جھگڑے کا جڑ اس قانون میں یہ ہے کہ مسلمانوں کو چھوڑ کر دیگر اقلیتی طبقات کو اگر اس کے پاس شہریت ثابت کرنے کے دستاویز نہیں بھی ہونگے تو وہ اس ترمیمی قانون کے تحت شہری ہو جائینگے۔ صرف مسلم اقلیتی گروہ کو ہی شہریت کا درجہ حاصل نہیں ہوگا۔ اگر وہ شہریت کے دستاویز نہیں دیکھا پاتے ہیں تو۔ قانون کے جانکار اور روشن خیال لوگوں کا کہنا ہے کہ اس طرح کا قانون مسلمانوں کے ساتھ امتیازی سلوک کرتا ہے۔ کیونکہ شہری قانون 1955 کے مطابق کوئی بھی شخص بھارت میں پیدا ہوا ہے وہ اس ملک کا شہری ہوگا۔ اس کے باوجود بھارت کے آئین میں شہریت کو لیکر کئی خاص باتیں بتائی گئی ہے۔ جس کو پورا کر کوئی بھی افراد بھارت کا شہری ہو سکتا ہے۔ چاہے وہ کسی بھی ملک، مذہب یا نسل کا ہو۔ کیونکہ اس قانون سے پہلے بھارت کا آئین خاص کر مذہب کے نام پر کسی طرح کا کوئی امتیازی سلوک نہیں کرتا۔

بھارت دنیا کا سب سے بڑا جمہوری اور ذمہ دار ملک رہا ہے۔ اس کی تاریخ اور روایت کو دنیا تسلیم کرتی ہے۔ اس ملک کا ایک شنہر اتار بخ خاص کر پناہ گزین (Refugee) کے لیے رہا ہے۔ جو کوئی بھی اس ملک میں آیا اور یہاں کا ہونا چاہا، بھارت نے خوشی خوشی اور باعزت طریقے سے اس کو اپنا شہری بنایا اور گلے لگایا۔ صرف اتنا ہی نہیں بھارت نے تو اپنے آئین میں سماج کے پچھڑے، دبے کچلے کے ساتھ اقلیتی طبقات کے لیے کچھ اہم تحفظ کی توضیحات کیے۔ جس کے اکثریتی طبقہ ان کے ساتھ امتیازی سلوک نہ کر پائے۔ آئین کے کئی سارے دفعات جیسے 25-30 صرف اقلیت طبقہ کو ہی حفاظت فراہم کرتا ہے۔

ان سارے تحفظ کے باوجود حکومت نے ایوان میں حاصل اکثریت نشست (Majority Seats) کا فائدہ اٹھا کر سماج کے پچھڑے اور اقلیتی طبقات کے ساتھ امتیازی سلوک کر رہی ہے۔ جو کسی بھی، سلیتھی جمہوریت کے لیے اچھی علامت نہیں ہے۔ اگر واقعی حکومت سب کا ساتھ اور سب کا وکاس اور خوش اس، حاصل کرنا چاہتی اور بھارت کو آئین بھر بھارت بنانا چاہتی ہے تو بھارت کے پچھڑے اور اقلیتی طبقات کو بھی ساتھ لیکر چلنا ہوگا۔ اور آئین کے ذریعہ اقلیت کو ملی آزادی حقوق کو تحفظ فراہم کرنا ہوگا۔ جو بھی اس ملک میں پیدا ہوا ہے اس کو اپنا شہری تسلیم کرنا چاہیے۔

7.9 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

عزیز طلباء، اس اکائی میں آپ نے:

- شہریت کے تصورات کا مطالعہ کیا۔
- دستور میں شہریت کی توضیحات کی جانکاری حاصل کیا۔
- اچھی شہریت کے لازمی عناصر کو جاننا۔

- اچھا شہری بننے کی راہ میں رکاوٹوں کا مطالعہ کیا۔
- بھارت میں شہریت حاصل کرنے کا طریقہ کا مطالعہ کیا۔
- بھارت میں شہریت کو لیکر حالیہ بحث کا مطالعہ کیا۔

7.10 کلیدی الفاظ (Keywords)

شہری	:	ایسا شخص جسکو کسی ملک کا باشندہ ہونے کا قانونی حیثیت حاصل ہو۔
کثیرالسنفیتی	:	مختلف مذہب، نسل و تمدن کے گروہ کا ایک ساتھ مل جل کر رہنا۔
مستعد شہری	:	ایسا شہری جس کا سیاست میں حصہ داری ہو، جو مملکت کے پالیسی اور پروگرام میں شرکت کرتا ہو۔
غیر ملکی	:	وہ شخص جو کسی ملک میں رہتا ہو، مگر اسے شہری جیسے حقوق حاصل نہ ہو۔
عوام	:	وہ تمام تر لوگ جو کسی ملک میں رہتے ہوں، چاہے وہ ملکی ہو یا غیر ملکی۔
دوہری شہریت	:	ایسا شخص جس کو دو یا اس سے زائد ملک کی شہریت حاصل ہو۔

7.11 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

7.11.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1۔ درج ذیل میں سے کس ملک میں 'دوہری شہریت' کا نظام ہے۔

- (a) بھارت (b) نیپال
(c) امریکہ (d) سری لنکا

2۔ بھارت کے دستور نے کس سال شہریت سے مطلق ایک طویل قانون پاس کیا؟

- (a) 1953 (b) 1954
(c) 1955 (d) 1956

3۔ 'Man as a Political Animal' یہ کس مشہور مفکرین کا قول ہے؟

- (a) ارسطو (b) افلاطون

(c) میکا دلی (d) کوٹلیا

4-'Citizenship in Social Class' اس کتاب کے مصنف کون ہیں؟

(a) ٹی۔ ایچ۔ مارشل (b) میکا دلی

(c) افلاطون (d) ان میں سے کوئی نہیں

5-Citizenship Act 1955 کے مطابق مندرجہ ذیل میں سے کتنے طریقے سے بھارت میں شہریت حاصل کی جاسکتی

(a) 3 (b) 4

(c) 5 (d) 6

6- دستور ہند کے کتنے سے کتنے دفعہ (Article) تک میں شہریت کے بارے میں بیان کیا گیا ہے؟

(a) 3 سے 9 (b) 4 سے 10

(c) 5 سے 11 (d) 10 سے 15

7- دستور ہند کے کس حصے میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ 'عوام ہی نے دستور کو نافذ کیا ہے' اختیار کیا اور اپنے حوالے کیا ہے۔

(a) تمہید (b) بنیادی حقوق

(c) بنیادی فرائض (d) ان میں سے کوئی

8- دستور ہند کس دفعہ کے تحت کوئی بھی شخص اگر وہ دوسرے ملک کی شہریت حاصل کر لیتا ہے تو وہ بھارت کا شہری نہیں ہوگا؟

(a) 6 (b) 8

(c) 9 (d) 11

9- ابھی حال ہی میں حکومت ہند نے شہریت قانون کو ترمیم کر اسے پاس کر دیا ہے، وہ تاریخ اور سال کیا ہے؟

(a) 11.12.2019 (b) 10.10.2018

(c) 11.12.2020 (d) 21.12.2019

10- بھارت کا پہلا شہری کسے مانا جاتا ہے؟

(a) وزیر اعظم (b) صدر جمہوریہ

(c) گورنر (d) ان میں سے کوئی

7.11.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. شہریت کیا ہے؟ دستور میں شہریت کے لیے کیا توضیحات کیے گئے ہیں۔
2. ٹی۔ ایچ۔ مارشل کے شہریت کا نظریہ پر روشنی ڈالیے۔
3. ایک اچھا شہری کیسا ہوتا ہے وضاحت کیجیے۔
4. اچھا شہری بننے کی راہ میں کیا کیا روکاؤں ہیں۔ بیان کیجیے۔
5. شہریت کے نظریہ پر مختصر نوٹ لکھیے

7.11.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. شہریت کے تصورات پر روشنی ڈالیے۔
2. اچھی شہریت کے لازمی عناصر پر غور و فکر کریں۔
3. بھارت میں شہریت کو لیکر حالیہ بحث پر روشنی ڈالیے۔

معروضی سوالات کے جوابات:

(c)	-5	(a)	-4	(a)	-3	(c)	-2	(c)	-1
(b)	-10	(a)	-9	(c)	-8	(d)	-7	(c)	-6

اکائی 8- اقتدار اعلیٰ: مفہوم، خصوصیات اور اقسام

(Sovereignty: Meaning, Characteristics and Types)

اکائی کے اجزاء:

تمہید	8.0
مقاصد	8.1
اقتدار اعلیٰ کا مفہوم	8.2
اقتدار اعلیٰ کی تعریف	8.3
اقتدار اعلیٰ کا ارتقاء	8.4
اقتدار اعلیٰ کی خصوصیات	8.5
اقتدار اعلیٰ کی اقسام	8.6
اکتسابی نتائج	8.7
کلیدی الفاظ	8.8
نمونہ امتحانی سوالات	8.9
معروضی جوابات کے حامل سوالات	8.9.1
مختصر جوابات کے حامل سوالات	8.9.2
طویل جوابات کے حامل سوالات	8.9.3

8.0 تمہید (Introduction)

اقتدار اعلیٰ مملکت کا ایک اہم عنصر ہے سیاسیات میں یہ تصور قدیم زمانے سے موجود ہے کہ اقتدار اعلیٰ کے بغیر مملکت کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔ اقتدار اعلیٰ سیاسیات کا سب سے اہم تصور ہے۔ یہ کسی مملکت میں حکمرانی کرنے کی اعلیٰ طاقت جو مطلق اور لامحدود مستقبل، ناقابل انتقال، ناقابل تقسیم، ناقابل تسخیر اور نہ ہی لین دین کرنے والی ایک اعلیٰ طاقت سے ہے۔ اقتدار اعلیٰ حکمرانی کے اعلیٰ نظام میں موجود رہتی ہے کسی بھی مملکت کو مملکت کہلانے کے لیے چار لازمی عناصر میں سب سے زیادہ اہم اقتدار اعلیٰ ہے۔ عام طور پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ مملکت جس میں اقتدار اعلیٰ موجود ہوتی ہے ایک آزاد مملکت ہوتی ہے اور جس مملکت میں اقتدار اعلیٰ موجود نہیں ہوتی ہے وہ ماتحت یا غلام مملکت ہوتی ہے۔

جدید زمانہ میں مملکت کے چار لازمی عناصر ہوتے ہیں۔ متعین علاقہ، آبادی، حکومت اور اقتدار اعلیٰ اس میں اقتدار اعلیٰ سب سے اہم ہے اسے مملکت کی زندگی کا خون یا طاقت یا روح کہا جاسکتا ہے۔ جس طرح خون یا روح کے بغیر انسان کے جسم کا وجود باقی نہیں رہ جاتا، اسی طرح اقتدار اعلیٰ کے بغیر مملکت کے وجود کا تصور نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اقتدار اعلیٰ ہی وہ طاقت ہے جو مملکت کے وجود کو قائم رکھتی ہیں۔ چونکہ یقیناً اپنی ٹھوس شکل میں مملکت اور اقتدار اعلیٰ ایک دوسرے کی مترادف ہیں۔ اقتدار اعلیٰ مملکت کا سب سے بلند اور بالا اختیار ہے جس کے ذریعہ مملکت کی تخلیق ہوتی ہے اور مملکت کا وجود برقرار رہتا ہے۔ اقتدار اعلیٰ کی وجہ سے ہی مملکت داخلی پہلو سے برتر اور خارجی پہلو سے آزاد ہوتا ہے یہ مملکت کی ایک ضروری ناگزیر سے اسی اور قانونی حیثیت ہے۔ اقتدار اعلیٰ مملکت کی برتر طاقت ہے جو اس میں ہمیشہ موجود رہتی ہے۔ اسی طاقت کے زور پر مملکت اپنے علاقہ کے باشندوں اور اداروں کو حکم دیتا اور خود کسی کے حکم کی تعمیل کرنے کا پابند نہیں ہوتا ہے۔ اسی طاقت کی بنیاد پر مملکت کو سماج کے دیگر گروہوں جیسے سماجی، معاشی، مذہبی، ثقافتی، تجارتی وغیرہ سے علیحدہ کرتا ہے۔ لاسکی کے الفاظ میں ”اقتدار اعلیٰ کی وجہ سے ہی مملکت دیگر سبھی طرح کے گروہوں سے مختلف ہے۔“ اس کی بنیاد پر اقتدار اعلیٰ مملکت کا اعلیٰ عنصر ہی نہیں بلکہ مملکت کی روح کہا جاسکتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اقتدار اعلیٰ میں وہ اہم عنصر ہے جو مملکت کو دیگر انسانی گروہوں سے الگ کرتا ہے۔ اقتدار اعلیٰ لفظ کی اصطلاحات سب سے پہلے فرانسیسی مفکر Jean Bodin نے اپنی کتاب *Des Republics* میں پیش کیا تھا۔ جدید زمانہ میں سب سے زیادہ بہتر اقتدار اعلیٰ سے متعلق اصول جان آسٹن John Austin نے پیش کیا ہے۔ آسٹن نے اس سلسلے میں مزید کہا ہے کہ اگر کسی معاشرے میں عام طور پر لوگوں کی اکثریت کسی خاص سربراہ کے حکم کی تعمیل کرتی ہے اور اس مخصوص سربراہ کو عام طور پر کسی دوسرے سربراہ کے حکم کی تعمیل نہیں کرنی پڑتی ہے تو اس معاشرہ میں وہ مخصوص فرد خود مختار ہے اور وہ معاشرہ ایک آزاد مملکت ہے۔ اقتدار اعلیٰ کا تصور سیاسیات کا مرکزی خیال بن گیا ہے۔ یہ ایک قانونی تصور ہے۔ اسے مملکت کا سب سے اہم لازمی عنصر سمجھا جاتا ہے۔

8.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد طلباء اس لائق ہو جائیں گے

- اقتدار اعلیٰ سے متعلق معلومات حاصل کر سکیں گے۔
- اس اکائی سے طلباء کو اقتدار اعلیٰ کے معنی و مفہوم سے روبرو ہوں گے۔
- اقتدار اعلیٰ کے ارتقاء اس کی خصوصیات اور اسکی قسموں پر تفصیلی بحث کر پائیں گے۔
- اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد طلباء اقتدار اعلیٰ کا وجود اور مملکت میں کیوں ضروری ہے، اس سے واقف ہو جائیں گے۔

8.2 اقتدار اعلیٰ کا مفہوم (Meaning of Sovereignty)

اقتدار اعلیٰ سے مراد ہے کہ ایک ملک کے اوپر حکمرانی کرنے کا اختیار ایسی ملک کی حکومت کو حاصل ہونا چاہئے جن کو انتخاب سے لے کر اور ملک کی حکمرانی کرنے اور سارے فیصلہ لینے کے تمام اختیار حکومت کو حاصل ہوں اور اس میں کسی ملک کی کوئی مداخلت نہیں ہونی چاہئے۔ آسان زبان میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اقتدار اعلیٰ وہ اختیار ہے جو حکومت کو اندرونی طور پر عظیم اور بیرونی طور پر آزاد بناتا ہے۔ اقتدار اعلیٰ لفظ لاطینی زبان کے لفظ *Superanus* سے ماخوذ ہے جس کے معنی برتر اور ادا ہونا، اپنے فیصلہ خود لینا یعنی اپنے آپ کو منظم کرنے کے لیے کسی اور پر انحصار نہ کرنا، بالادستی یا عظیم اختیار کے ہیں۔ 1576 میں فرانسیسی مفکر جین بودن (Jean Bodin) کی تصنیف "Six Book Concerning the Republic of State" کی اشاعت سے اقتدار اعلیٰ لفظ عام ہوا۔ حالانکہ یہ اصطلاح جدید ہے لیکن اس خیال کا سراغ قدیم یونان سے لگایا جاسکتا ہے۔ مفکرین مملکت کی اعلیٰ طاقت پر یقین رکھتے تھے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ مملکت کے اوپر کوئی اور طاقت نہیں ہے، وہ لامحدود غیر منقولہ اور بے لگام طاقت ہے مملکت کے اندر یا باہر کوئی دوسری طاقت کے گرفت میں نہ ہو۔

جدید مملکت خود مختار مملکت ہوتی ہے۔ یہی وہ عنصر ہے جو مملکت کو دیگر انسانی برادریوں جیسے گھرانے، چرچ اور اسکول وغیرہ سے ممتاز کرتا ہے۔ اس کا مقام مملکت کی اعلیٰ طاقت میں ہے۔ اقتدار اعلیٰ مملکت کی اعلیٰ طاقت ہے جس کے ذریعہ وہ اس کے ماتحت رہنے والے تمام طاقتوں اور برادریوں پر اعلیٰ اختیار رکھتی ہے۔ ان سے اپنے مقاصد پر عمل پیرا ہونے پر مجبور کرتی ہے اور ایسا نہ کرنے پر سزا دے نے کا اختیار رکھتی ہے۔ اسی اقتدار اعلیٰ کی بنیاد پر مملکت کسی دباؤ کے بغیر کسی اور ریاست کے ساتھ اپنے طور پر تعلقات قائم کرتی ہیں یعنی خود مختار مملکت کے اندر اور باہر کسی بھی قسم کی طاقت کا پابند نہیں ہے۔

اس طرح ایک تصور کی حیثیت سے اقتدار اعلیٰ قدیم ہندوستانی مملکتوں میں انجان صورت موجود تھی لیکن مملکتوں کی بالادستی قائم تھی یہ بالادستی اندرونی اور بیرونی نقطہ نظر سے بھی قائم رہی یعنی وہ کسی دوسری مملکت کے حوالے نہیں کرتے تھے۔ مملکت کے ذریعہ بنائے گئے قانون برتر تھے۔ اس کو قبول نہ کئے جانے پر سزا دی جاتی تھی۔ دوسرے لفظوں میں خود مختار مملکت کی تمام خصوصیات شروعاتی مملکتوں میں موجود تھیں۔

سیاسی فلسفہ اور سیاسیات کے تحت مملکت کا مطالعہ کیا جاتا ہے مملکت کے چار اہم عناصر ہوتے ہیں:

1. آبادی
2. علاقہ
3. حکومت
4. اقتدار اعلیٰ

اقتدار اعلیٰ بھی ایک سیاسی تصور ہے جسے مملکت کا ایک لازمی عنصر تسلیم کیا جاتا ہے۔ اور سیاسیات کے مطالعہ میں اسے اکثر مرکزی اہمیت حاصل ہے۔ گیٹل (Getel) کے مطابق اقتدار اعلیٰ کا تصور جدید سیاسیات کی بنیاد ہے مملکت کو خود مختار کہنے کا مطلب یہ ہوا کہ مملکت کمیٹیوں میں بالاتر اور آخری اختیار ہوتا ہے۔ مملکت کے ذریعہ بنائے گئے قانون کسی بھی دیگر کمیٹیوں کے ذریعہ بنائے گئے قانون سے اوپر ہوتا ہے۔

جین بون پہلا سیاسی مفکر ہے جس نے اقتدار اعلیٰ کے تصور پر علیحدہ اپنی فکر ظاہر کی ہے اور اسے ایک لازمی عنصر تسلیم کیا ہے جو مملکت کو دیگر تنظیموں سے علیحدہ کرتا ہے۔ بون کی سیاسی فکر کا اثر پالیسی پر بھی ہوا۔ بون سے پہلے یونانی مفکر ارسطو نے مملکت کے برتر اختیار کے متعلق اپنی رائے پیش کی ہے۔ اس طرح اقتدار اعلیٰ مملکت کا آخری اختیار ہے۔

8.3 اقتدار اعلیٰ کی تعریف (Definition of Sovereignty)

مختلف دانشوروں نے اقتدار اعلیٰ کی مندرجہ ذیل تعریفیں بیان کی ہیں۔

- جین بوڈن (Jean Bodin) کے مطابق ”اقتدار اعلیٰ مملکت کی رعایا اور شہریوں کے اوپر وہ برتر قوت ہے جو دوسرے قانون کے ماتحت نہیں ہیں۔“
- ایڈورڈ جینکنز (Edward Jenks) کے مطابق، ”اقتدار اعلیٰ مملکت کا وہ معیار ہے جس کی وجہ سے وہ خود کو بیرونی طاقت سے باندھ سکتا ہے۔“
- برگیس (Burgess) کے مطابق ”اقتدار اعلیٰ پر افراد اور اس کی انجمنوں پر مملکت کی بنیادی بے لامحدود اختیار ہے۔“
- ویلوپی (Willoughby) کے مطابق ”اقتدار اعلیٰ مملکت کا اعلیٰ اختیار ہے۔“
- ووڈرو ولسن (Woodrow Wilson) کے مطابق ”اقتدار اعلیٰ وہ طاقت ہے جو قانون بناتی ہے اور ان کو نافذ کرتی ہے۔“
- لاسکی (Laski) کے مطابق ”اقتدار اعلیٰ قانونی طور پر ہر فرد اور انجمن سے برتر ہے۔ وہ ہر ایک قانون کے مطابق کام کرنے کے لیے مجبور کر سکتا ہے۔“
- گریشیس (Gracious) کے مطابق ”اقتدار اعلیٰ ایک ایسی سیاسی طاقت ہے جو اس کے بس میں ہوتی ہے جس کے اعمال دوسرے کے ماتحت نہیں ہیں اور جن کی مرضی سے کوئی خلاف ورزی نہیں کر سکتا ہے۔“
- ڈوگوٹ کے مطابق ”اقتدار اعلیٰ مملکت کو حکم دینے والی طاقت ہے یہ مملکت کی حیثیت سے منظم مملکت کی مرضی ہے یہ مملکت کی زمین پر بسنے والے تمام لوگوں کو غیر مشروط اجازت دینے کا حق ہے۔“
- سولٹائے (Soltay) کے مطابق ”اقتدار اعلیٰ مملکت کے ذریعہ حکمرانی کرنے کی اعلیٰ قانونی طاقت ہے۔“
- روسو (Rousseau) کے مطابق ”عوامی قرارداد اقتدار اعلیٰ ہے۔“

- جان آسٹن (John Austin) کے مطابق ”اگر ایک برتر انسان جو اسی طرح کے برتر کی اطاعت کا عادی نہ ہو اور ایک دے گئے سماج کی اکثریت سے عادتاً اطاعت حاصل کرنے ہو تو وہ برتر انسان اس سماج میں مقتدر اعلیٰ ہوگا۔“
- گارنر (Garnar) کے مطابق ”اقتدار اعلیٰ مملکت کی ایسی خصوصیت ہے جس کی وجہ سے اپنی مرضی کے علاوہ کسی اور تک محدود نہیں ہوتی ہے۔“
- پولک (Pollock) کے مطابق ”اقتدار اعلیٰ وہ برتر اختیار ہے جو نہ تو عارضی ہوتی ہے اور منتقل کیا جاسکتی ہے اور نہ ہی کسی قواعد و ضوابط کے تابع ہوتا ہے اور نہ کسی دوسرے اختیار کو جوابدہ ہوتی ہے۔“
- گلکرسٹ (Gilchrist) کے مطابق ”اقتدار اعلیٰ مملکت کا اعلیٰ اختیار ہوتی ہے۔“

مندرجہ بالا تعریفوں کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اقتدار اعلیٰ مملکت کی اعلیٰ طاقت ہے یہ مملکت کی ایک خصوصیت ہے۔ یہ مملکت کی ایسی طاقت ہے جس کے اختیار پر وہ اپنے زمین پر اپنی احکامات اور قانون کی اطاعت کرا سکے اور بین الاقوامی معاملوں میں دیگر ملکوں کے ساتھ ایک اکائی کے طور پر کسی طرح کا لین دین، دوستی کا معاہدہ اور جنگ کرا سکے۔ مملکت اپنی اقتدار اعلیٰ کی وجہ سے ہی قانونی طاقت کا استعمال کرا سکتی ہے۔ اقتدار اعلیٰ مملکت کی طاقت اور اعلیٰ مرضی بھی ہے بغیر اقتدار اعلیٰ کے مملکت کا ہونا ناممکن ہوتا ہے۔ مملکت کی رکنیت لازمی ہوتی ہے اور مملکت کے احکامات کی خلاف ورزی کرنے والے کو مملکت سزا دینے کا حق رکھتی ہے۔ اصولی طور پر اس پر پابندی عائد نہیں کی جاسکتی اور اقتدار اعلیٰ مملکت کی برتر طاقت ہوتی ہے۔ جو مملکت دیگر گروہوں، تنظیموں، انجمنوں سے بالاتر ہوتی ہے۔ اقتدار اعلیٰ کے دو پہلو ہوتے ہیں۔ ایک داخلی اور دوسرا خارجی۔ داخلی اقتدار اعلیٰ سے مراد یہ ہے کہ مملکت کے اندر تمام فرد، ایسی تنظیم یا گروہ نہیں ہو سکتا جو اسکی برابری کا دعوہ کرے۔ یہ تمام افراد اور ادارے مملکت کے ماتحت ہوتے ہیں۔ یہ اقتدار اعلیٰ مملکت کے اندر تمام افراد پر اپنا حق جتاتے ہیں، داخلی اقتدار اعلیٰ سے مراد ہے کہ مملکت کسی بھی بیرونی کنزول سے آزاد ہوتی ہے یعنی مملکت کسی دوسرے ملک کے داخلی معاملات میں مداخلت نہیں کر سکتا ہے۔

خارجی اقتدار اعلیٰ سے مراد ہے کہ مملکت کسی بھی باہری دباؤ سے آزاد ہوتا ہے۔ اس کا مطلب قومی آزادی سے ہے ہر مملکت دوسرے مملکت سے آزاد ہے اور دوسرے حکام کے تابع نہیں ہے۔ یہ بات اور ہے کہ کوئی ملک اقوام متحدہ کی رکنیت قبول کرے اور رضا کارانہ طور پر کوئی بین الاقوامی ذمہ داریاں قبول کرے۔ اسی طرح ہر آزاد مملکت کو اپنی داخلی پالیسیوں کا فیصلہ کرنے اور اپنی مرضی کے مطابق اقتدار کے کسی بھی بلاک میں شامل ہونے کی آزادی ہے۔ داخلی اور خارجی اقتدار اعلیٰ کے مابین عام طور پر فرق بھی کیا جاتا ہے بین الاقوامی قانون کے ماہرین کا یہ خیال ہے کہ داخلی اقتدار اعلیٰ ایک مملکت کے آبادی کے متعلق قانون سازی کرنے اور نافذ کرنے کا حق رکھتا ہے جبکہ خارجی اقتدار اعلیٰ دیگر مملکت کے ساتھ تعلقات قائم کرنے کا حق رکھتا ہے جس میں جنگ کا اعلان اور امن کی کوشش شامل ہے اقتدار اعلیٰ کی مندرجہ بالا تعریفیں اقتدار اعلیٰ کا روایتی نظریہ کو پیش کرتی ہے جو مندرجہ ذیل مدعوں پر زور دیتے ہیں۔

- اقتدار اعلیٰ مملکت کی ایک اہم خصوصیت ہے اور یہ مملکت کا ایک اہم جز ہے اس کے بغیر مملکت کا وجود باقی نہیں رہ جاتا۔
- یہ مملکت کی برتر مرضی ہے۔

- اقتدار اعلیٰ کا اختیار مطلق اور لامحدود ہے۔
- اقتدار اعلیٰ قانون تشکیل دیتا ہے جس کا اختیار عوام سے حاصل کیا جاتا ہے۔
- اقتدار اعلیٰ مملکت کی قانونی طاقت ہے۔
- اقتدار اعلیٰ کسی فرد یا افراد کی تنظیم میں موجود ہوتی ہے۔

8.4 اقتدار اعلیٰ کا ارتقاء (Development of Sovereignty)

اقتدار اعلیٰ کی اصطلاح اور اس کے ارتقاء کی تاریخ طویل ہے۔ مملکت کی اعلیٰ طاقت پر ایک طویل تنازعہ ہے۔ یہ تنازعہ 11 ویں صدی میں عروج پر پہنچ گیا تھا اور 14 ویں صدی میں پوپ گرے گری ہشتم اور ہے زی ہشتم کے مابین کافی تنازعہ کھڑا ہوا۔ 14 ویں صدی میں جدید مملکت کی بنیاد رکھی گئی۔ سیاسیات کے مشہور مفکر میکاولی نے مملکت کے اعلیٰ طاقت کا اصول قائم کیا۔ اس کا خیال تھا کہ مملکت کی طاقت بالاتر ہے۔ چرچ کے علاوہ دیگر تمام تنظیمیں مملکت کے ماتحت ہیں لیکن میکاولی نے اقتدار اعلیٰ کی اصطلاح پیش نہیں کی تھی۔ میکاولی کے جانشین بودن نے اپنی کتاب 'Six Book Concerning Republic' میں سب سے پہلے اقتدار اعلیٰ کے اصول کی وضاحت کی ہے۔ لیکن انہوں نے مملکت کی طاقت پر کچھ کنٹرول قبول کر لیا۔ اس کی ترقی کی ایک طویل تاریخ ہے۔ قدیم زمانہ سے لیکر اب تک سبھی مفکروں نے اقتدار اعلیٰ سے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ سیاسیات کے بانی ارسطو نے اپنی کتاب 'Politic's' میں مملکت کے لیے ایک اعلیٰ طاقت کی ضرورت محسوس کیا تھا۔ قدیم رومن مفکروں نے اپنے غور فکر میں ایک اعلیٰ طاقت کا ذکر کیا ہے۔ اس وقت تک مملکت کی طاقت کو بالاتر اور مطلق العنان کے طور پر قبول نہیں کیا گیا تھا۔ صحیح معنوں میں اور غیر واضح الفاظ میں تھامس ہوبس نے اپنی ”فطری ریاست نظام“ میں بادشاہ کے لیے اقتدار اعلیٰ قائم کیا۔ تھامس ہوبس نے اپنی کتاب Leviathan میں اس کی پیش گوئی کی ہے کہ بادشاہ سب سے اہم ہے اور اس کی مرضی ہی قانون ہے۔ سماجی معاہدہ کے دے گر مفکر جان لاک آئینی اقتدار اعلیٰ کے اصول کو پے ش کیا اور مملکت اور بادشاہ کے اقتدار اعلیٰ کو غلط قرار دیا جین جیکس روسو نے مقبول اقتدار اعلیٰ کے اصول کو پے ش کر اسے جدید جمہوری نوعیت فراہم کی۔ اس کے مطابق اقتدار اعلیٰ ”عام مرضی“ میں موجود ہوتی ہے۔ روسو کے بعد مائیکسکو اور بنتھم نے اقتدار اعلیٰ کے اصول کے ارتقاء میں مدد کی ہے۔ بنتھم نے اقتدار اعلیٰ کا ذکر قانون بنانے والی اعلیٰ اقتدار کے طور پر پیش کیا ہے اور بتایا ہے کہ قانون کے ذرائع قدرتی قوانین نہیں ہیں بلکہ اقتدار اعلیٰ ہے۔ قدیم اقتدار اعلیٰ کے تصور کے ارتقاء میں فرانسیسی انقلاب میل کا پتھر ثابت ہوا اس انقلاب نے اقتدار اعلیٰ کی حمایت اس بنیاد پر کی ہے کہ برتر طاقت عوام میں موجود ہوتی ہے لہذا اس پر پابندی لگانے کی ضرورت نہیں ہے۔ صنعتی انقلاب اور فلاحی مملکت کے خیالات نے مملکت کے کام کے دائرہ میں بہت زیادہ اضافہ کیا۔ جس سے مطلق اقتدار اعلیٰ کا تصور غالب ہوا۔ 18 ویں اور 19 ویں صدی میں اقتدار اعلیٰ کو مضبوط حمایت حاصل ہوئی۔ ہیگل، گرین اور بوسانکے کا نام اہم ہے۔ ہیگل نے مملکت کو برتر تسلیم کیا ہے۔ ہیگل کا خیال ہے کہ مملکت زمین پر خدا کا اوتار ہے۔ انہوں نے انسان کو مکمل طور سے مملکت کے ماتحت کر دیا ہے اس طرح ہیگل نے کہا ہے کہ انسان کو آزادی حاصل ہو سکتی ہے جبکہ وہ مملکت کے قانون کو قبول کرے۔

مملکت داخلی اور خارجی اقتدار اعلیٰ دونوں نوعیت میں اعلیٰ ہوتا ہے اس لیے ہیگل کی اقتدار اعلیٰ مطلق اور لامحدود تھی اس پر اخلاقیات اور بین الاقوامی قانون کا بھی کوئی کنٹرول نہیں تھا۔ گرین اور بوسانکے نے بھی فلسفیانہ بنیاد پر مملکت کے اعلیٰ اقتدار کی حمایت کی ہے۔ لیکن اقتدار اعلیٰ کو قانونی حیثیت کا سہرا مشہور برطانوی فقیہ جان آسٹن کو جاتا ہے۔ دوسری طرف عصری دنیا میں اقتدار اعلیٰ کا یہ تصور جائز ہے۔

8.5 اقتدار اعلیٰ کی خصوصیات (Characteristics of Sovereignty)

اقتدار اعلیٰ کی حسب مندرجہ ذیل خصوصیات ہیں۔

1. مطلق اور لامحدود (Absolute and Unlimited)

2. مستقل (Permanent)

3. آفاقی (Universal)

4. ناقابل انتقال یا منتقل (Inalienable)

5. ناقابل تقسیم (Indivisible)

6. محدود (Exclusive)

7. اتحاد (Unity)

8. ناقابل تسخیر (Imperceptible)

9. اصلیت (Original)

1- مطلق اور لامحدود (Absolute and Unlimited)

مطلق اور لامحدود اقتدار اعلیٰ کی پہلی خصوصیت ہے۔ اقتدار اعلیٰ جو چاہے وہ کر سکتا ہے۔ یہ کسی کے تابع نہیں ہوتی ہے۔ مملکت کی اقتدار اعلیٰ مطلق اور لامحدود ہوتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اقتدار اعلیٰ برتر، مکمل، مطلق اور لامحدود ہوتی ہے۔ اس کی لامحدودیت کے دو پہلو ہیں، داخلی اور خارجی۔ داخلی اور خارجی طور پر اقتدار اعلیٰ آزاد ہے۔ اس لیے مملکت داخلی طور پر کوئی بھی قانون تشکیل کر سکتی ہے۔ کسی بھی قانون کو تبدیل کر سکتی ہے اور ان کا انکار کرنے والوں کو سزا دے سکتی ہے۔ خارجی طور پر بھی اقتدار اعلیٰ آزاد ہوتی ہے۔ اس لیے وہ خارجہ پالیسی کی تشکیل آزادانہ طور پر کر سکتی ہے۔ جنگ اور معاہدہ کے متعلق بھی اس کا فیصلہ آخری ہوتا ہے۔ کوئی بھی مملکت اور نہ ہی کوئی بین الاقوامی ادارہ اس کے متعلق مداخلت کر سکتا ہے۔ اسے قانون کے ذریعہ بھی محدود نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اقتدار اعلیٰ کے اوپر کسی دوسری طاقت کی حاکمیت پر غلبہ یا کنٹرول نہیں ہوتا ہے۔ وہ خود کسی کی اطاعت نہیں کرتی ہے۔ بلکہ مملکت میں سب اس کی اطاعت کرتے ہیں۔ وہ داخلی اور خارجی طور پر مکمل طور سے آزاد ہے۔ وہ کسی بھی دوسری طاقت کے احکامات پر عمل کرنے کی پابند نہیں ہے۔ لیکن ملک کے اندر رہنے والے تمام لوگ اس کے احکامات پر عمل کرتے ہیں۔ اگر ایک طاقت اقتدار اعلیٰ کو محدود کرتی ہے تو محدود طاقت اقتدار اعلیٰ بن جاتی ہے۔ اس کے علاوہ نظریاتی نقطہ نظر

سے اقتدار اعلیٰ مطلق اور لامحدود ہوتی ہے لیکن عملی طور پر اقتدار اعلیٰ پر رسومات، رواج، روایات، رائے عامہ، اخلاقی اور فطری قانون، مذہب اور عقیدہ اور بین الاقوامی قانون، بین الاقوامی ادارے وغیرہ مطلق اختیار پر تحدید عائد کرتے ہیں مملکت کے دستور پر چند ایک پابندیاں عائد کرتا ہے تاکہ شہریوں کے بنیادی حقوق کو پامال ہونے سے بچایا جاسکے۔ بلنشلی کا خیال ہے کہ ”دنیا میں مکمل آزادی جیسے کوئی چیز نہیں ہے یہاں تک کی مملکت سے زیادہ کوئی طاقتور نہیں ہے کے وں کہ خارجی طور پر یہ دوسرے مملکت کے حقوق پر پابندی عائد کرتی ہے اور اندر سے خود اپنے فطرت اور اراکین کے اختیار کے ذریعہ محدود ہے۔ یالیں کے مطابق اقتدار اعلیٰ مطلق ہے مملکت کے تمام دنیاوی اور مذہبی فرد پر اقتدار اعلیٰ کی مطلق العنانی موجود ہوتی ہے۔“

2- مستقل/دائمی (Permanent)

دائمی اقتدار اعلیٰ کی بنیادی خصوصیت ہے۔ اقتدار اعلیٰ اور مملکت ایک دوسرے کے لیے ضروری ہیں۔ جب تک ایک آزاد مملکت کا وجود باقی رہتا ہے۔ اقتدار اعلیٰ باقی رہتا ہے جب تک مملکت باقی رہتا ہے جیسے مملکت ایک مستقل ادارہ ہے ویسے ہی اقتدار اعلیٰ بھی مستقل ہوتی ہے جب تک مملکت قائم رہے گائب تک اقتدار اعلیٰ بھی قائم رہے گا۔ اقتدار اعلیٰ کا خاتمہ مملکت کا خاتمہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ بادشاہ کی موت، حکومت کا تختہ پلٹنے اور اقتدار اعلیٰ کی تباہی کا باعث نہیں ہوتا ہے۔ کسی مملکت میں اقتدار اعلیٰ کی تبدیلی سے مملکت کا خاتمہ نہیں ہوتا ہے۔ اس لیے برطانیہ میں یہ محاورہ مشہور ہے کہ بادشاہ کی وفات بادشاہ سلامت رہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ بادشاہ کی موت سے بھی بادشاہت ختم نہیں ہوتی ہے۔ مملکت کے ایک بادشاہ کی موت سے اقتدار اعلیٰ کا خاتمہ نہیں ہوتا بلکہ یہ مملکت کے دوسرے فرد میں منتقل ہو جاتا ہے۔ اقتدار اعلیٰ مستقل ہوتی ہے اس کے بغیر مملکت کا تصور نہیں کیا جاسکتا مملکت کا خاتمہ اقتدار اعلیٰ کا خاتمہ ہے اقتدار اعلیٰ کبھی ختم نہیں ہوتی اس سے متعلق گارنر کا خیال ہے کہ دائمی سے مراد یہ ہے کہ جب تک مملکت قائم رہتی ہے تب تک اقتدار اعلیٰ قائم رہتی ہے۔ صرف مملکت کے خاتمہ ہونے پر ہی اقتدار اعلیٰ کو ختم کیا جاسکتا ہے کسی حکمران کی وفات یا ہنگامی برطرفی اور مملکت کے تنظیم نو کی وجہ سے اقتدار اعلیٰ کا خاتمہ نہیں ہوتا ہے۔

3- آفاقی (Universal)

مملکت آفاقی ہے اور اقتدار اعلیٰ عالمی طور پر قابل اطلاق ہے لیکن مملکت اپنی خواہش سے کسی خاص شخص کو کچھ خاص حقوق دے سکتی ہے یا وہ کسی صوبے کو اقتدار اعلیٰ فراہم کر سکتی ہے۔ ہر فرد اور فرد کی ہر انجمن مملکت کی اقتدار اعلیٰ کے تابع ہے۔ افراد کی کوئی انجمن یا گروہ خواہ یہ امیر ہو یا طاقتور، اقتدار اعلیٰ کے اختیاری کی نافرمانی نہیں کر سکتا۔ اقتدار اعلیٰ کسی کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کرتی ہے اور کسی کو بھی چھوٹ نہیں دیتی ہے اقتدار اعلیٰ سے آزاد ہونے کا دعوہ کوئی نہیں کر سکتا ہے۔ یہ صرف غیر ملکی سفارتخانوں اور بیرونی ممالک کے سفارتی نمائندوں کو صرف دو ٹوک بنیادوں پر چھوٹ فراہم کرتا ہے۔ اس سے قانونی مملکت میں کسی بھی طرح مملکت کی اقتدار اعلیٰ پر پابندی نہیں ہے۔ مملکت غیر ملکیوں کو دیئے گئے سفارتی مراعات کو ختم اور واپس لے سکتی ہے گلاسٹ کے مطابق ”کسی مملکت جو دوسرے ملکوں کے سفیر اور سفارت خانہ ہوتے ہیں ان پر اسی ملک کے قانون اور اقتدار اعلیٰ نافذ ہوتی ہے جس مملکت میں وہ ہوتے ہیں اقتدار اعلیٰ کی آفاقیت کا مطلب یہ ہے کہ مملکت خود مختار انسان

کے ذاتی اور عوامی زندگی کے ہر پہلو کے لیے قانون تشکیل کر سکتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ مملکت کی خود مختار طاقتیں مملکت کے ہر کونے میں یکساں طور پر جائز اور قابل عمل ہیں۔

4۔ ناقابل انتقال یا منتقل (Inalienable)

ناقابل انتقال اقتدار اعلیٰ کی اہم خصوصیت ہے۔ اقتدار اعلیٰ کو منتقل یا تفویض نہیں کیا جاسکتا ہے۔ یہ غیر منحرف اور لامحدود ہے اس کو کسی دوسرے کو سپرد نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اقتدار اعلیٰ ہمیشہ مملکت سے منسلک ہوتی ہے لہذا مملکت اسے کسی دوسرے کو تفویض نہیں کر سکتا ہے۔ اسے دوسرے کو تفویض کرنے کا مطلب ہے کہ مملکت کا وجود ختم ہو جائے گا۔ مملکت اور اقتدار اعلیٰ ایک دوسرے کے لیے ضروری ہے۔ لیکن جب مملکت اپنا کوئی حصہ یا علاقہ کسی دوسرے مملکت کو منتقل کر دیتا ہے تو اس کے مطلب ہر گز نہیں ہوتا کہ مملکت اپنی اقتدار اعلیٰ سے دستبردار ہو چکا ہے Liber کہتا ہے کہ اقتدار اعلیٰ کو منتقل نہیں کیا جاسکتا جس طرح ایک درخت اپنی نشوونما کا حق یا کوئی شخص اپنی زندگی یا شخصیت کو منتقل نہیں کر سکتا ہے بالکل اسی طرح جیسے کوئی شخص اپنے آپ کو خود کو قتل کیے بغیر اپنی زندگی منتقل نہیں کر سکتا اسی طرح مملکت بھی منتقل نہیں ہو سکتا۔ یہ جب تک اپنے آپ کو تباہ نہیں کر لیتا تب تک وہ اقتدار اعلیٰ ہے۔

5۔ ناقابل تقسیم (Indivisible)

اس کا مطلب ہے اقتدار اعلیٰ کو تقسیم نہیں کیا جاسکتا ہے۔ یہ مکمل اور ہر جگہ موجود ہوتی ہے اور اس کے ٹکڑے نہیں کئے جاسکتے ہیں۔ ایک مشہور قول ہے کہ اقتدار اعلیٰ کو تقسیم کرنا مملکت کا خاتمہ کرنا ہے۔ جس طرح آدھا انسان بے آدھا (Triangle) نہیں ہو سکتا ہے اسی طرح آدھی اقتدار اعلیٰ نہیں ہو سکتا ہے۔ اقتدار اعلیٰ مملکت کی زندگی اور روح ہے۔ جب تک خود مملکت اپنے آپ کو تباہ و برباد نہیں کر لیتا تب تک اقتدار اعلیٰ کو تقسیم نہیں کیا جاسکتا ہے۔ مملکت اپنے آپ سے اقتدار اعلیٰ کو علیحدہ نہیں کر سکتا ہے۔ گیٹیل نے کہا ہے کہ اگر ”اقتدار اعلیٰ مطلق نہیں ہے تو کسی بھی مملکت کا وجود باقی نہیں رہے گا اگر اقتدار اعلیٰ کو تقسیم کر دیا جائے تو ایک سے زیادہ مملکت موجود رہیں گی جے سے 1971 میں ہندوستان پاکستان کے ذریعہ پاکستانی طاقت کے دو ٹکڑوں میں تقسیم ہو گئی جس سے ایک نئے ملک بنگلادیش وجود میں آیا۔ کالچن نے لکھا ہے اقتدار اعلیٰ ایک شے ہے اس کو تقسیم کرنے کا مطلب ہے اسے تباہ کرنا ہے اقتدار اعلیٰ مملکت کا برتر اختیار ہے۔ آدھی اقتدار اعلیٰ کہنا تباہی متضاد ہے جتنا آدھا انسان یا کسی مملکت یا آدھا (Triangle) کہنا۔ آسٹن، ہابس اور دیگر مفکروں کا بھی ایسا ہی خیال ہے۔

6۔ محدود (Exclusive)

اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک مملکت کے اندر صرف ایک اقتدار اعلیٰ ہو سکتا ہے۔ ایک مملکت میں دو اقتدار اعلیٰ نہیں ہو سکتے ہیں۔ اس کی سر زمین میں اقتدار اعلیٰ کا کوئی حریف نہیں ہوتا ہے اگر کسی مملکت میں دو خود مختار یا اقتدار اعلیٰ کو قبول کر لیا جائے تو اس سے مملکت کا اتحاد خطرہ میں پڑ جائے گا۔ یہاں تک کہ اگر وہاں ایک سے زیادہ اقتدار اعلیٰ ہونے پر تنازعہ ہو گا تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ ایک دوسرے کو خارج کر دے گا۔ یہاں ایک مشہور قول ہے کہ یہاں تک کہ اگر دو سوار بھی ہوں تو لگام ایک ہی کے ہاتھ میں ہو گی۔ فارسی میں ایک قول ہے کہ ایک میان

میں دو تلوار نہیں ہو سکتی ہیں خاص طور سے اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی مملکت کے اندر ایک دوسرا مملکت نہیں ہو سکتا ہے کیوں کہ مملکت کا اتحاد برباد ہو جائے گا کسی نے بہت درست فرمایا ہے کہ دس بھیکاری ایک کمبل میں سو سکتے ہیں لیکن دو بادشاہ ایک بادشاہت میں نہیں رہ سکتے۔

7۔ اتحاد (Unity)

اتحاد اقتدار اعلیٰ کی روح ہے۔ اقتدار اعلیٰ مملکت کی تعریف کے مطابق متحد ہونا چاہیے۔ ایک خود مختار مملکت کو تقسیم نہیں کیا جاسکتا ہے خود مختار مملکت اسی طرح متحد ہے جس طرح انسان کا جسم ایک دوسرے اجزاء سے متحد ہے۔

8۔ ناقابل تسخیر (Imprescriptible)

اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ایک طویل عرصہ تک اقتدار اعلیٰ کا استعمال نہیں کیا گیا ہو تو اس کا نہ تو خاتمہ ہو سکتا اور نہ کھویا جاسکتا ہے۔ غیر ملکی طاقت کے ذریعہ قابو پانے کی وجہ سے ہو سکتا ہے کہ لوگوں نے کچھ عرصہ کے لیے اقتدار اعلیٰ کا استعمال نہیں کیا ہو۔ لیکن خود مختار اقتدار کے عدم استعمال کی وجہ سے اقتدار اعلیٰ کا خاتمہ نہیں ہوتا ہے یہ صرف نسل در نسل منتقل ہو سکتا ہے۔ ہمیں اس کا علم ہونا چاہیے کہ جب تک مملکت قائم رہتی تب تک اقتدار اعلیٰ قائم رہتی ہے۔ چاہے اس کی مدت کتنی ہی طویل کیوں نہ ہو۔

9۔ اصلیت (Originality)

اقتدار اعلیٰ کی سب سے اہم خصوصیت اس کا اصلی کردار ہے۔ یہ عوام کی جانب سے حاصل ہوتی ہے۔ چونکہ عوام مقتدر اعلیٰ ہوتے ہیں، وہ منتخب حکومت کو اقتدار اعلیٰ منتقل کرتے ہیں یعنی وہ اختیار جو انہیں حکومت چلانے، قانون نافذ کرنے اور نہ ماننے والوں کو سزا دینے کا حق ہوتا ہے۔ یہی وہ اصل اقتدار اعلیٰ ہے جو بالا خصوصیات سے لیس ہے۔ اقتدار اعلیٰ مملکت کی بنیادی طاقت ہے یعنی اسے یہ طاقت کسی دوسرے سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ مملکت خود ہی اسے حاصل کر کے استعمال کرتی ہے۔ جبکہ اقتدار اعلیٰ ہی اعلیٰ طاقت ہے یہ نہ تو کسی کو تفویض کی جاسکتی اور نہ ہی کسی سے حاصل کی جاسکتی ہے۔

8.6 اقتدار اعلیٰ کی قسمیں (Types of Sovereignty)

اقتدار اعلیٰ کی قسموں کو لے کر مفکروں کے درمیان بہت زیادہ اختلافات موجود ہیں۔ اقتدار اعلیٰ سے متعلق مفکر کبھی بھی ایک رائے نہیں رہے ہیں۔ اس بنیاد پر مفکروں نے اقتدار اعلیٰ کی مختلف قسمیں بیان کی ہیں۔ ان اختلافات کی بنیاد اقتدار اعلیٰ کی نوعیت رہی ہے۔ اقتدار اعلیٰ کا حقیقت میں صرف ایک ہی پہلو ہو سکتا ہے جسے مملکت کا اختیار یا طاقت کہا جاتا ہے۔ مختلف مفکروں نے اقتدار اعلیٰ کی مندرجہ ذیل قسمیں بیان کی ہیں:

1. برائے نام یا نمائشی اقتدار اعلیٰ (Nominal or Titular Sovereignty)

2. حقیقی اقتدار اعلیٰ (Real Sovereignty)

3. قانونی اقتدار اعلیٰ (Legal Sovereignty)

4. سیاسی اقتدار اعلیٰ (Political Sovereignty)

5. قانونی اور حقیقی اقتدار اعلیٰ (Dejure and Defacto Sovereignty)

6. عوامی اقتدار اعلیٰ (Popular Sovereignty)

1- برائے نام یا نمائشی اقتدار اعلیٰ (Nominal or Titular Sovereignty)

برائے نام یا نمائشی اقتدار اعلیٰ وہ ہوتا ہے جس کے نام پر حکمرانی کی جاتی ہو اور تمام اختیارات اس کو سپرد کردئے جائیں لیکن حقیقت میں اس اختیار کا وہ استعمال نہیں کرتا ہو۔ اس کے پاس تمام اختیارات علامتی ہوتے ہیں اور قومی فیصلے اسی کے نام سے کیئے جاتے ہیں ایسی حالت میں مملکت کے تمام حقیقی اختیارات کسی دوسرے شخص یا ادارے سے تعلق رکھتے ہوں اس قسم کی اقتدار اعلیٰ پارلیمانی جمہوریتوں میں موجود ہوتی ہے اس کی سب سے بہتر مثال برطانیہ اور ہندوستان ہے برطانیہ میں بادشاہ یا ملکہ برائے نام یا نمائشی اقتدار ہے اور پارلیمنٹ ہی مقتدر اعلیٰ ہے۔ ہندوستان میں صدر جمہوریہ برائے نام اقتدار اعلیٰ ہے جبکہ وزیراعظم اور اسکی کابینہ کو حقیقی اقتدار اعلیٰ حاصل ہے۔ برطانیہ میں بادشاہ یا ملکہ کے اختیار محدود اور غیر قانونی ہوتے ہیں اس طرح حقیقی اختیار عوامی نمائندوں کے ہاتھوں میں موجود ہے۔ بادشاہ یا ملکہ کے ہاتھ میں برائے نام اختیار موجود ہے۔ لاویل (Lowell) نے اقتدار اعلیٰ سے متعلق اپنے خیال کا اظہار کیا ہے کہ ابتدائی اصول کے مطابق بادشاہ کے مشیر وزراء ہوتے ہیں۔ ان کا فرض مشورہ دینا ہوتا اور بادشاہ فیصلہ کرتا ہے۔ لیکن اب حالات تبدیل ہو گئے ہیں۔ اب بادشاہ مشورہ دیتا ہے اور وزیر فیصلہ کرتے ہیں۔

2- حقیقی اقتدار اعلیٰ (Real Sovereignty)

حقیقی اقتدار اعلیٰ وہ اقتدار اعلیٰ ہوتا جس کے ذریعہ حکمرانی کے تمام اختیارات حقیقت میں کسی فرد یا ادارہ کے ذریعہ استعمال کئے جاتے ہیں اس طرح کے اقتدار اعلیٰ کو حقیقی اقتدار اعلیٰ کہتے ہیں۔ برطانیہ اور ہندوستان میں حقیقی اقتدار اعلیٰ کا استعمال وزیراعظم اور اسکی کابینہ کے ذریعہ کیا جاتا ہے۔ آج بھی برطانیہ میں تمام اختیارات بادشاہ یا ملکہ کے ہاتھوں میں ہیں لیکن عملی طور پر ان تمام اختیارات کا استعمال برطانیہ کے وزیراعظم اور کابینہ اور پارلیمنٹ کے ذریعہ انجام دیا جاتا ہے اور بادشاہ اور ملکہ برائے نام صدر ہیں جبکہ حقیقی اقتدار اعلیٰ کابینہ اور پارلیمنٹ کو حاصل ہے۔ یہ فرق ہندوستان کی حکمرانی میں بھی موجود ہے جہاں دستور تمام اختیارات صدر جمہوریہ کو فراہم کرتا ہے جس کا استعمال وہ خود یا اپنے ماتحت کے ذریعہ استعمال کرتا ہے لیکن حقیقت میں اس کا استعمال ہندوستانی وزیراعظم اور اسکی کابینہ کرتی ہے۔ اس طرح صدر جمہوریہ برائے نام اقتدار اعلیٰ ہے اور وزیراعظم اور اسکی کابینہ حقیقی اقتدار اعلیٰ ہے۔

3- قانونی اقتدار اعلیٰ (Legal Sovereignty)

قانونی اقتدار اعلیٰ کا مطلب ہے وہ اقتدار اعلیٰ ہے جس کو قانون کے تحت سب سے زیادہ اختیار حاصل ہوتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں کہا جاسکتا ہے کہ اس کا حکم ہی قانون ہے یعنی مملکت کے تمام قانون اسی کی روشنی میں طے کئے جاتے ہیں، اس قسم کی اقتدار اعلیٰ کو اپنی حفاظت فراہم کی

جاتی اور تمام لوگوں کو اس کے قوانین کو تسلیم کرنا ہوتا ہے۔ اس کی خلاف ورزی کرنے والے سزا کے مستحق ہوتے ہیں اسکی موزونیت پر کوئی سوال نہیں اٹھا سکتا ہے قانونی اقتدار اعلیٰ اپنے شہریوں کے حقوق فراہم کرتی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ شہریوں کے حقوق قانونی اقتدار اعلیٰ کی مرضی پر منحصر رہتے ہیں اور کسی بھی وقت وہ واپس لے سکتے ہیں۔ قانونی اقتدار اعلیٰ کی مندرجہ ذیل خصوصیات ہوتی ہیں۔

- قانونی اقتدار اعلیٰ ہمیشہ قطعی اور متعین ہوتی ہے۔
- یہ ایک شخص یا ادارہ میں موجود ہوتی ہے۔
- یہ منظم، عین مطابق اور قانون سے واقف ہوتی ہے۔
- شہریوں کے حقوق قانونی اقتدار اعلیٰ کا تحفہ ہے۔
- مملکت کی مرضی کا اظہار صرف قانونی اقتدار اعلیٰ کے ذریعہ ممکن ہے۔
- قانونی اقتدار اعلیٰ مطلق ہے اس پر کوئی سوال نہیں اٹھا سکتا ہے۔

برطانیہ میں پارلیمنٹ خود مختار ہوتی ہے۔ یہاں پارلیمنٹ آئینی طور پر مملکت کو خود مختار اختیارات کا استعمال کرنے کے لیے طاقت فراہم کرتا ہے۔ برطانیہ میں پارلیمنٹ جو کسی بھی عنوان پر قانون تشکیل کر سکتی ہے اس لیے کہا جاتا ہے کہ برطانیہ کے پارلیمنٹ میں صرف عورت کو آدمی اور آدمی کو عورت بنانے کے علاوہ دیگر بہت سے کام کو انجام دیا جاسکتا ہے۔ اس طرح قانونی اقتدار اعلیٰ کے اختیار مطلق، لامحدود ہیں۔ امریکہ میں قانونی اقتدار اعلیٰ آئینی حکام پر مشتمل ہے جو دستور میں ترمیم کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔

4- سیاسی اقتدار اعلیٰ (Political Sovereignty)

بہت سے سیاسی مفکرین، سائنسدانوں اور مصنفین نے قانونی تصور کو بہت ہی تنگ اور گمراہ کن قرار دیا ہے ان میں ڈائسی (Dicey) نے کہا ہے کہ ”قانونی اقتدار اعلیٰ کے پیچھے ایک سیاسی اقتدار اعلیٰ ہوتا ہے جس کے سامنے قانونی اقتدار اعلیٰ کو جھکنا پڑتا ہے“ سیاسی اقتدار اعلیٰ سے مراد عوام کے رائے ہے یہ قانونی اقتدار اعلیٰ کی سنگ بنیاد ہے اسے عدالتوں نے تسلیم کیا ہے۔ اس پر رائے عامہ کا کنٹرول رہتا ہے۔ قانونی اقتدار اعلیٰ کے پیچھے ایک اور طاقت ہے جو قانون سے واقف نہیں ہے یہ سیاسی اقتدار اعلیٰ ہے۔ عملی طور پر قانونی اقتدار اعلیٰ کا مطلق اور لامحدود اختیار کہیں موجود نہیں ہے یہاں تک کہ ایک آمر آزاد اور خصوصی طور پر کام نہیں کر سکتا ہے۔ قانونی اقتدار اعلیٰ کے پیچھے اصل طاقت ہیں اسے سیاسی خود مختاری کہا جاتا ہے۔ لہذا سیاسی اقتدار اعلیٰ سے مراد رائے دہندگان اور مملکت میں ان تمام اثرات سے ہے جو عوامی رائے کو قائم کرتے ہیں جمہوریت میں رائے دہندگان، اخبار، کانفرنسوں، احتجاج، نمائندہ کمیٹیوں، تنظیموں، ہڑتالوں اور بااثر گروہ وغیرہ کے ذریعہ سے قانون تشکیل کرنے والی اختیار کے اوپر اثر ڈالا جاتا ہے اور کنٹرول کیا جاتا ہے۔ اس طرح عوامی رائے کی طاقت کو سیاسی اقتدار اعلیٰ کہا جاسکتا ہے۔

جیسا کہ پروفیسر گلکرسٹ نے کہا ہے کہ ”سیاسی اقتدار اعلیٰ مملکت میں اثر و رسوخ کا ایک مجموعی حصہ ہے۔ جو قانون کے پیچھے ہے۔ سیاسی اقتدار اعلیٰ قانون سے واقف نہیں ہوتی ہے“ جدید نمائندوں کی جمہوری جماعتوں میں سیاسی اقتدار اعلیٰ کی نشاندہی اکثر وہ بے شراپے عوام کے ساتھ یا انتخابی حلقوں یا عوام کی رائے سے کی جاتی ہے۔ قانونی اقتدار اعلیٰ سیاسی اقتدار اعلیٰ کی مرضی کے خلاف، نہیں کر سکتی ڈانسی کا قول ہے کہ ”سیاسی اقتدار سیاسی طور پر خود مختار ہوتا ہے جسے وکلاء تسلیم کرتے ہیں اس کے پیچھے ایک اور اقتدار اعلیٰ ہوتی ہے جس کے سامنے قانونی اقتدار سر تسلیم خم کرتا ہے جو بالآخر مملکت کے ہسٹری اس کی اطاعت کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر ایسے مملکت میں جہاں رائے دہندگان سیاسی اداروں کا انتخاب کرتے ہیں ان کے رائے دہندگان برطانیہ میں انتخابی طاقتور ایوان کا انتخاب کرتا ہے۔ لہذا پارلیمنٹ نے رائے دہندگان کے مطالبات اور ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے قانون سازی کرتا ہے۔ ڈائیس نے کہا ہے، ”کہ وہی اختیار سیاسی اقتدار اعلیٰ ہے جسکی مرضی کو آخر میں مملکت کے شہری قبول کرتے ہیں۔ گارنر نے بھی وضاحت کی ہے کہ قانونی اقتدار اعلیٰ کے پیچھے ایک دوسرا اختیار بھی ہے جو قانونی طور سے نا معلوم اور غیر منظم ہیں اور جس میں اتنی قوت نہیں ہوتی ہے کہ وہ مملکتوں کی مرضی کو قانونی حکم کے طور پر ظاہر کر سکے۔ لیکن پھر بھی جو اختیار ہے جس کے سامنے قانونی اقتدار اعلیٰ کو سر تسلیم خم کرتا ہے وہ سیاسی اقتدار اعلیٰ ہے۔ سیاسی اقتدار اعلیٰ قانونی اقتدار اعلیٰ کی طرح نہ تو منظم ہے اور نہ اس کو دیکھا جاسکتا ہے یہ غیر واضح ہے گلکرسٹ کا خیال ہے کہ سیاسی اقتدار اعلیٰ مملکت کی ان متاثرین کا گروہ ہے جو قانون کے پیچھے رہتی ہے۔

5- قانونی اور حقیقی اقتدار اعلیٰ (Dejure and de facto Sovereignty)

قانونی اقتدار اعلیٰ وہ اقتدار اعلیٰ ہوتا ہے جو ملک کے آئین، قائم قانون و روایتوں کے مطابق عہدہ پر فائز ہوتا ہے۔ اس لیے اس کو حکم دینے اور اس کو قبول کرانے کا قانونی اختیار ہوتا ہے جبکہ اقتدار اعلیٰ وہ اقتدار اعلیٰ ہوتا ہے جو مملکت برتر عہدہ پر غیر قانونی یا غیر آئین طریقہ سے فائز ہو جاتا ہے۔ اور بعد میں اپنی مرضی کو زبردستی مملکت کے تمام لوگوں پر نافذ کرنے لگتا ہے اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ قانونی اقتدار اعلیٰ کی بنیاد قانون ہوتا ہے جبکہ حقیقی اقتدار اعلیٰ کی بنیاد طاقت ہوتی ہے وہ اپنی طاقت کی بنیاد پر عوام سے اپنی حکم کی تعمیل کراتی ہے چاہے اسے حکمرانی کرنے یا حکم کی تعمیل کرانے کا قانونی اختیار ہو یا نہیں ہو۔ برائس کے الفاظ میں افراد کا گروہ جو اپنی اور لوگوں کی مرضی کو نشر کر سکتا ہے چاہے وہ قانون کے مطابق ہو یا قانون کے مخالف ہو وہ حکمران ہو۔ مختصر میں حقیقی حکمران یا خود مختار جس کا حقیقت میں حکم کی تعمیل کی جاتی ہے۔ برائس کا خیال ہے کہ قانونی اقتدار اعلیٰ ہی حقیقی اقتدار اعلیٰ بھی ہو سکتا ہے اور ایک بہتر مملکت میں یہی ہونا بھی چاہیے۔ آسٹن نے قانونی اقتدار اعلیٰ اور حقیقی اقتدار اعلیٰ میں کوئی فرق نہیں کیا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ قانونی اقتدار اعلیٰ اور حقیقی اقتدار اعلیٰ لفظ حکومت کے لیے استعمال کئے جاسکتے ہیں اقتدار اعلیٰ کے لیے ان کا استعمال نہیں کیا جاسکتا کیوں کہ اقتدار اعلیٰ کا دار و مدار اطاعت میں مشتمل ہے اس لیے حقیقی اقتدار اعلیٰ کو غلط نہیں کہا جاسکتا۔

قانونی اقتدار اعلیٰ اور حقیقی اقتدار اعلیٰ کے مابین فرق جنگ یا انقلاب کے وقت واضح طور پر سامنے آتے ہیں۔ جنگ اور انقلاب مقبول قانونی اقتدار اعلیٰ کو برطرف کر دوسرے خود مختار حکمران کو فائز کر دیتی ہے ایسے حالات میں عوام کے لیے یہ مسائل پیدا ہو جاتے ہیں کہ وہ مقبول قانونی

اقتدار اعلیٰ کے حکم کی تعمیل کریں یا پیدا ہوئے طاقتور حقیقی اقتدار اعلیٰ کے حکم کی تعمیل کریں تاریخ میں ایسی بہت زیادہ مثالیں موجود ہیں جب حقیقی خود مختار حکمران نے حقیقی اقتدار اعلیٰ اپنے ہاتھوں میں لے لی ہیں جیسے روس میں 1917 کے بالشویک انقلاب کے بعد بالشویک جماعت نے لینن کی قیادت میں اقتدار پر اپنا پورا قبضہ حاصل کر لیا۔ بالشویکوں کے ذریعہ تار کو برطرف کر دیا گیا۔ اس طرح قانونی خود مختار حکمران تار تھے جبکہ حقیقی اقتدار اعلیٰ لینن کے قبضہ میں آگئی۔ ایسی تاریخ میں اور بھی کئی مثالیں موجود ہیں۔ برطانیہ میں کرامویل (Cromwell) نے طویل پارلیمنٹ کو درخواست کر کے حقیقی اقتدار اعلیٰ حاصل کیا۔ اسی طرح فرانس میں نے پولین، پاکستان میں ایوب خاں، کچی خاں، ضیاء الحق اور شیخ مشرف وغیرہ نے حقیقی اقتدار اعلیٰ حاصل کی یہی اقتدار اعلیٰ جب طویل عرصہ تک قائم رہ جاتی ہے تو دھیرے دھیرے وہ عوامی رضا مندی حاصل کر کے قانونی ہو جاتی ہے۔ عام طور پر حقیقی اقتدار اعلیٰ دھیرے دھیرے قانونی اقتدار اعلیٰ کی شکل اختیار کر لے تی ہے۔ کیوں کہ کوئی بھی خود مختار صرف طاقت کے بنیاد پر زیادہ عرصہ تک اپنا وجود قائم رکھنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا ہے۔ کسی جمہوری مملکت میں امن قائم رکھنے کے لیے قانونی اقتدار اعلیٰ اور حقیقی اقتدار اعلیٰ ایک ہی مقام میں ہونا ضروری ہے۔ اسی طرح 1949 میں Mao Tse Tung کے قیادت میں قانونی خود مختار چے انگ کانٹیک کو چین کو کمیونسٹ پارٹی کے ذریعہ برطرف کر دیا گیا اور وہاں Mao Tse Tung کی قیادت میں حقیقی اقتدار اعلیٰ قائم ہو گیا۔ اسی طرح 1975 میں بنگلہ دیش 1976 میں ارجنٹائن اور لبنان 1978 افغانستان 1979 میں ایران اور 1980 میں یوگاندہ میں فوجی تختہ پلٹ کر اسی طرح کے حالات پیدا ہو گئے تھے۔

6- عوامی اقتدار اعلیٰ (Popular Sovereignty)

عوامی اقتدار اعلیٰ کا مطلب یہ ہے کہ عوامی انتظامیہ کی طاقت جب حکمرانی کی حتمی طاقت لوگوں کے ذریعہ استعمال کیا جاتا ہے اسے ہی عوامی اقتدار اعلیٰ کہتے ہیں۔ اس میں عوام کی طاقت سب سے اہم ہے۔ گارنر کے مطابق ”عوامی اقتدار سے مراد صرف یہی ہے کہ جن مملکتوں میں جہاں کسی بالغ کو رائے دیہی حق حاصل ہوتا ہے فی الحال اقتدار اعلیٰ کی یہ شکل قابل قبول ہے۔ روس کو عوامی اقتدار اعلیٰ کا بہترین حامی سمجھا جاتا ہے۔ روس کے مطابق کوئی بھی عوامی انتظامیہ اپنی مرضی کو فرمان کے طور پر اظہار کر سکتا ہے لیکن قانون مرضی عام کا اظہار ہوتا ہے روس نے اپنی کتاب ’Social Contract‘ میں عوامی اقتدار اعلیٰ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ عوام آخری اور برتر اختیار کی مالک اور تمام اختیار کا ذریعہ ہے اس کے مطابق اقتدار اعلیٰ کسی فرد مخصوص یا فرد گروہ کی اختیار یا طاقت نہیں ہے بلکہ یہ پورے سماج کی مرضی ہوتی ہے۔ اس طرح سیاسی حکمرانی یا اختیار عوام کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔“ عوامی اقتدار اعلیٰ کا نظریہ لوگوں کو اعلیٰ اختیار کی حیثیت قرار دیتا ہے۔ عوام ہی صحیح اور غلط کا فیصلہ کرتی ہے عوام کسی فطری یا ایسی قانون کی پابند نہیں ہوتی ہے میں حکومت صرف لوگوں کی بھلائی کے ایک آلہ کے طور پر موجود ہے۔ اسے راست طور پر عوام کو ذمہ دار ٹھہرایا جاتا ہے۔ یہ صرف ملک کے قانون کے بنیاد پر اختیار استعمال کر سکتے ہیں اس میں عوام کی مرضی کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ہے عوامی اقتدار اعلیٰ جدید جمہوریت نظام کا بنیاد ہے لہذا عوامی رائے عامہ کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ہے۔

عوامی اقتدار اعلیٰ کی تجویز یہ ہے کہ حکمران طبقہ کے ذریعہ سرکاری کام ہمیشہ عوام کے فلاح بہبود کے لیے کرنا چاہے کیوں کہ اس کا وجود تبھی تک برقرار رہے گا جب تک اسے عوام کی اکثریت حاصل ہے۔ گلکرسٹ کے مطابق ”عوامی اقتدار اعلیٰ عام طور پر کسی انفرادی حکمران یا طبقے سے زیادہ عوام کی طاقت ہے۔“

8.7 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

عزیز طلباء اس اکائی میں آپ نے:

- اقتدار اعلیٰ سے متعلق معلومات حاصل کی۔
- اقتدار اعلیٰ کے معنی و مفہوم کو سمجھا۔
- اقتدار اعلیٰ کے ارتقاء اس کی خصوصیات اور اسکی قسموں پر تفصیلی بحث کی۔
- اقتدار اعلیٰ کی اہمیت کو سمجھا۔

8.8 کلیدی الفاظ (Keywords)

اقتدار اعلیٰ: کسی ملک کی خود کی حکمرانی کرنے کا اختیار جس میں کسی اندورنی یا باہری طاقت کا مداخلت نہ ہو

حکومت: لوگوں کا ایک جماعت جو کسی ملک پر کنٹرول یا حکمرانی کرتا ہو

حقیقی اقتدار اعلیٰ: وہ اقتدار اعلیٰ ہوتا جس کے ذریعہ حکمرانی کے تمام اختیارات حقیقت میں کسی فرد یا ادارہ کے ذریعہ استعمال کئے جاتے ہیں

قانون: کسی مملکت یا ملک قانون جو سبھی فرد کے لیے لازمی قبول کرنا ہوتا ہے

8.9 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

8.9.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1۔ اقتدار اعلیٰ لفظ کی اصطلاحات سب سے پہلے کس مفکر نے پیش کی تھی۔

Jean Bodin (b)

John Austin (a)

Garnar (d)

Laski (c)

2۔ اقتدار اعلیٰ یعنی Sovereignty کس زبان سے اخذ کیا گئے ہے۔

French (b) English (a)

German (d) Latin (c)

3۔ "Six Book Concerning The Republic State" کتاب کے مصنف کون ہیں؟

Garnar (b) Rossea (a)

Jean Bodin (d) John Austin (c)

4۔ مندرجہ ذیل میں کون اقتدار اعلیٰ کی لازمی خصوصیت نہیں ہے؟

مستقل (a) مطلق اور لامحدود (b)

ناقابل تقسیم (c) دولت (d)

5۔ یہ کس مفکر کا قول ہے کہ اقتدار اعلیٰ "عام مرضی" میں موجود ہوتی ہے؟

John Locke (b) Hobbes (a)

ان میں سے کوئی نہیں (d) Rousseau (c)

6۔ قانونی اقتدار اعلیٰ کہاں موجود ہوتی ہے؟

ایک شخص یا ادارہ میں (a) دستور (b)

مملکت (c) گروہ میں (d)

7۔ سیاسی اقتدار اعلیٰ سے کیا مراد ہے؟

عوام کی رائے (a) حکومت کی پالیسی (b)

سیاسی نمائندوں (c) ان میں سے کوئی نہیں (d)

8۔ یہ کس مفکر کا قول ہے کہ اقتدار اعلیٰ کو منتقل نہیں کیا جاسکتا ہے؟

Gilchrist (b) Liber (a)

Laski (d) John Austin (c)

9۔ کس مفکر کو عوامی اقتدار اعلیٰ کے تصور کا بہترین حامی سمجھا جاتا ہے؟

(a) Hobbes (b) Locke

(c) Rousseau (d) Holland

10۔ اقتدار اعلیٰ کس کا لازمی عنصر ہے؟

(a) سماج (b) مملکت

(c) حکومت (d) علاقہ

8.9.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. اقتدار اعلیٰ سے کیا مراد ہے۔
2. اقتدار اعلیٰ کی کوئی پانچ تعریف بیان کیجئے۔
3. قانونی اقتدار اعلیٰ سے کیا مراد ہے وضاحت کیجئے۔
4. عوامی اقتدار اعلیٰ پر مختصر نوٹ لکھئے۔
5. برائے نام یا نمائشی اقتدار اعلیٰ اور حقیقی اقتدار اعلیٰ میں کیا فرق ہے۔

8.9.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. اقتدار اعلیٰ کی قسمیں بیان کے جئے۔
2. اقتدار اعلیٰ کے ارتقاء پر تفصیلی نوٹ لکھئے۔
3. اقتدار اعلیٰ کی اہم خصوصیات کی وضاحت کیجئے۔

معروضی سوالات کے جوابات:

(c)	-5	(d)	-4	(d)	-3	(c)	-2	(b)	-1
(b)	-10	(c)	-9	(a)	-8	(a)	-7	(b)	-6

اکائی 9—وحدانی نظریہ اور تکثیریت نظریہ (Monistic Theory and Pluralist Theory)

اکائی کے اجزاء:

تمہید	9.0
مقاصد	9.1
اقتدار اعلیٰ کی تعریف	9.2
اقتدار اعلیٰ کے اقسام	9.3
آسٹن کے اقتدار اعلیٰ کا نظریہ	9.4
آسٹن کا تنقیدی جائزہ	9.5
تکثیریت کے حامیوں کا نظریہ تکثیریت	9.6
تکثیریت کی ارتقا کے معاون عناصر	9.7
تکثیریت کی اہم خصوصیات	9.8
تکثیریت پر تنقید	9.9
اکتسابی نتائج	9.10
کلیدی الفاظ	9.11
نمونہ امتحانی سوالات	9.12
معروضی جوابات کے حامل سوالات	9.12.1
مختصر جوابات کے حامل سوالات	9.12.2
طویل جوابات کے حامل سوالات	9.12.3

9.0 تمہید (Introduction)

اقتدار اعلیٰ مملکت کا وہ لازم جز ہے جس سے کسی بھی قوم کو یا جماعت کو مملکت کا درجہ مل جاتا ہے۔ اقتدار اعلیٰ ایک درجہ ہے، ایک قرارداد ہے۔ ایک برتر اختیار اور کسی بھی علاقے میں مستقل رہائش کردہ عوام کو حاصل کرنے والا درجہ حق خود مختاری ہے جسکی رو سے ان کو مملکت کا

درجہ مل جاتا ہے اگر اس آزادی، یا خود مختاری کو کوئی مملکت یا فرد ختم کر دے یا چھین لے تو یہ علاقہ اس مملکت کی کالونی کہلایگا۔ اگر فرد نے قبضہ کیا تو یہ اسکے زیر اقتدار ہو جاتا ہے۔ اس سبق میں اقتدار اعلیٰ کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

اقتدار اعلیٰ مملکت کا سب سے اہم خصوصیت ہے۔ لازمی طور پر یہ ایک قانونی تصور ہے جو مملکت کو اعلیٰ اور آخری قوت دیتا ہے یعنی یہ مملکت کا لازمی جز ہے اور اسکی وجہ سے تنظیم یا انجمن کو مملکت سے مختلف سمجھا جاتا ہے۔ ہر مملکت میں ایک قانونی حکمرانی ایسی ہوتی ہے جسکے حکم کے احترام کی پابندی مملکت میں ہر شخص، ہر ادارے اور ہر تنظیم پر عائد ہوتی ہے۔ مملکت کا یہ اختیار لامحدود ہے جسکے اوپر کوئی قانونی اختیار نہیں ہوتا۔

ہر مملکت میں ایک اعلیٰ انجمن ہوتا ہے جس کے پاس اعلیٰ اقتدار ہوتا ہے جس سے وہ مملکت کے خواہش کو قانونی درجہ دیتا ہے۔ یہ اقتدار اعلیٰ ایک شخص ہو سکتا ہے یا ایک جماعت۔ اسکی خواہش کی پابندی ہر شخص، انجمن اور تنظیم پر ہے جو مملکت کے دائرے میں ہیں۔ افراد اور انجمن کے درمیان اختلاف ہو یا انجمن کے بیچ میں اختلاف ہو اس میں اقتدار اعلیٰ کا فیصلہ آخری ہوتا ہے۔ یہ اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اقتدار اعلیٰ آخری مطلق، لامحدود قوت کے مترادف ہے۔ اقتدار اعلیٰ پر کوئی قانونی پابندی نہیں ہوتی ہے۔

مملکت اپنے اقتدار اعلیٰ کو یا تو قوت کے ذریعہ یا رضامندی سے اور اکثر دونوں کے میل سے لاگو کرتا ہے۔ اقتدار اعلیٰ کے عمل میں لانے فطرت خصوصی طور پر مملکت کے ڈھانچہ فطرت اور سیاسی حرکت کے طول پر منحصر کرتا ہے۔ آمرانہ حکومت میں حکومتی جماعت اپنے قوت کی شائبہ کرتی ہے اسکی طاقت عوام کی رضامندی سے نکلی نہیں ہوتی ہے۔ لیکن جمہوری مملکت میں حکومتی جماعت اپنے طاقت کا استعمال پسند اور بات چیت کے ذریعہ کرتی ہے۔ جمہوری مملکت میں قانون عوام کے رائے کی نمائندگی کرتی ہے۔

9.1 مقاصد (Objectives)

عزیز طلباء، اس اکائی میں آپ:

- اقتدار اعلیٰ کی تعریف اور اقسام کا مطالعہ کریں گے۔
- آئین کے اقتدار اعلیٰ کا نظریہ کا مطالعہ کریں گے۔
- تکثیریت کے حامیوں کا نظریہ تکثیریت کو سمجھیں گے۔
- تکثیریت کی ارتقا کے معاون عناصر کا مطالعہ کریں گے۔
- تکثیریت کی اہم خصوصیات کو جانیں گے۔
- نظریہ تکثیریت پر تنقیدی جائزہ کریں گے۔

9.2 اقتدار اعلیٰ کی تعریف (Definition of Sovereignty)

مختلف سیاسی مفکرین نے مختلف طریقہ سے اقتدار اعلیٰ کی تعریف کی ہے۔

Burgess کے مطابق اقتدار اعلیٰ افراد اور افراد کے تمام انجمنوں پر مطلق لا محدود اختیار ہے۔ جان آسٹن نے اقتدار اعلیٰ کے بارے میں کہا ہے کہ یہ مملکت کا ایک قانونی وصف ہے جو اسکے حدود کے اندر معاملات کے تعلق سے بیرونی زور یا قید سے آزاد ہو کر فیصلہ کرنے کا حق دیتا ہے۔

Bodin: اقتدار اعلیٰ مملکت کا وہ برتر اختیار ہے جو قانون کے تابع نہیں۔

Willoughby: اقتدار اعلیٰ مملکت کی برتر خواہش ہے۔

Jellinek: اقتدار اعلیٰ وہ خصوصیت ہے جسکی وجہ سے مملکت قانونی طور پر پابند نہیں ہوتا ہے سوائے اپنے کسی اور اقتدار کا۔

Grotius: اقتدار اعلیٰ ایک اعلیٰ سیاسی طاقت جسمیں محصل ہوتا ہے جس کا کام کسی اور کے زیر نہیں ہوتا اور نا ہی اسکے خواہش کو کوئی اور مسترد کر سکتا ہے۔

Laski: کے نظریہ سے اقتدار اعلیٰ ہی مملکت کے علاقوں میں سب لوگوں کو اور ان کے انجمن کو حکم صادر کرتی ہے۔ یہ کسی کے حکم کے پابند نہیں۔ اسکی خواہش کسی قانونی حدود کی پابند نہیں۔ اسکی ہر خواہش صرف فرمان ہی سے درست ہے۔ اس طرح اقتدار اعلیٰ سے مراد آخری اور لا محدود قانونی اختیار ہے۔

لفظ اقتدار اعلیٰ کو انگریزی میں (Sovereignty) کہتے ہیں جو لاطینی زبان کے لفظ Superanus سے نکلا ہے۔ جسکے معنی ہے برتریہ حالانکہ جدید مفہوم ہے لیکن اسکی تاریخ ہمیں اسطو تک لے جاتی ہے، جس نے مملکت کی برتری کی بات کہی تھی۔ وسطی زمانے میں بھی رومن قانون داں اور شہریوں نے اس نظریہ کو اپنے ذہن میں رکھا اور مملکت کے برتر اختیار کی بات کہی۔ 15/ویں صدی میں پہلی بار فرانسیسی قانون داں نے اقتدار اعلیٰ کے مفہوم کو استعمال کیا اور اسکے بعد یہ مفہوم انگریزی، اطالوی اور جرمن سیاسی ادب میں نظر آیا۔ اقتدار اعلیٰ کا مفہوم Bodin کے یہاں بھی ملتا ہے۔ 1776ء میں Bodin کی کتاب The Six Books of the Republic شائع ہوئی جسکے ذریعہ علم سیاست میں پہلی بار لفظ اقتدار اعلیٰ کا استعمال ہوا تھا۔ 1477ء اقتدار اعلیٰ مملکت کا وہ برتر اور لا محدود آخری اور تنہا اختیار ہے جس کے آگے اور جس کے اوپر کوئی قانونی اختیار نہیں۔ اقتدار اعلیٰ کے دو پہلو ہیں ایک داخلی اور دوسرا خارجی۔

داخلی اقتدار اعلیٰ:

اقتدار اعلیٰ کے داخلی پہلو سے مراد یہ ہے کہ مملکت میں رہنے والے تمام افراد اور انجمنوں، اداروں پر اقتدار اعلیٰ حاکم ہے ادارہ اور تنظیموں پر اقتدار اعلیٰ کے قانون و حکم کا نفاذ ہو گا اور یہ اختیار مملکت کے رقبہ میں لا محدود ہے۔ مملکت اپنے قانون سازی میں کسی طرح کے اندرونی اور بیرونی دباؤ میں نہیں آتا ہے۔

بیرونی اقتدار اعلیٰ:

مملکت اپنے داخلی معاملات میں ہر طرح کے بیرونی دباؤ اور مداخلت سے آزاد ہوتا ہے۔ مملکت اپنے داخلی معاملات میں بیرونی طور پر آزاد ہوتا ہے اسکی وجہ سے مملکت اپنے داخلی معاملات میں لامحدود اختیار رکھتی ہے۔ جب کسی مملکت کے داخلی یا خارجی اقتدار اعلیٰ ختم ہو جائے تو مملکت کا وجود ختم ہو جاتا ہے پھر یہ کسی دوسرے مملکت کا اکائی Annexe یا کالونی بن جاتی ہے۔

سولہویں صدی میں Jean Bodin نے اپنی کتاب مملکت کے چھ کتابیں میں داخلی اقتدار اعلیٰ کے پہلو کا تجزیہ کیا اور اسکے بعد اسی صدی کے ماہرین قانون Hugo Grotius نے اقتدار اعلیٰ کے خارجی پہلو کو وضاحت کے ساتھ پیش کیا۔ بعد میں ٹامس ہابس (Thomas Hobbes) نے اقتدار اعلیٰ کے قانونی نقطہ نظر کی تشکیل کی اور اسکے بعد جان لاک (John Locke) نے سیاسی اقتدار کو واضح کیا۔ آسٹن نے اقتدار اعلیٰ کے وحدانی نظریے کو قبول کیا۔ حالیہ دور میں تکثیریت (Pluralism) کے ماننے والے سیاسی مفکروں نے اقتدار اعلیٰ کے مطلق اور ناقابل تقسیم وحدانی نقطہ کو چیلنج کیا انکی دلیل یہ ہے کہ اقتدار اعلیٰ ایک وحدت نہیں ہے یہ مملکت اور انجمنوں میں یا اداروں میں تقسیم ہوتی ہے۔ اقتدار اعلیٰ کے خواص:

اقتدار اعلیٰ کے معنی اور تعریف سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اقتدار اعلیٰ کے مندرجہ ذیل خصوصیات ہیں۔

1۔ (Permanence) دائمی حیثیت:-

اقتدار اعلیٰ کا ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ یہ لازمی طور پر دائمی ہونا چاہیے بلکہ اقتدار اعلیٰ جب تک ہے تب تک ہی مملکت بھی ہے۔ مملکت کی حیات اور موت اقتدار اعلیٰ پر منحصر ہے۔ اقتدار اعلیٰ کی موت ہو سکتی ہے مگر یہ ہمیشہ باقی رہتا ہے اس لیے ایسا کہا جاتا ہے راجہ کی موت ہو جاتی ہے مگر تاج ہمیشہ باقی رہتا ہے یعنی راجہ کی موت ہوتی ہے مگر تاج نہیں مرتا۔

2۔ (Exclusiveness) وحدانیت:-

کسی بھی مملکت میں اقتدار اعلیٰ واحد مقتدر اعلیٰ کے اختیار میں ہوتی ہے۔ کسی بھی مملکت میں ایک سے زیادہ مقتدر اعلیٰ نہیں ہو سکتے۔ مملکت میں صرف اقتدار اعلیٰ کو ہی اعجاز حاصل ہے جو لوگوں کو فرما برداری کے لیے مجبور کر سکتا ہے یہ مملکت میں رہنے والے تمام علاقے کے باشندوں پر لاگو ہوتا ہے۔ اقتدار اعلیٰ تنہا ہے اسکا کوئی نہیں نہ ہی برابری والا ہے اور نہ ہی کوئی دوسرا دعویٰ کر سکتا ہے۔

3۔ All Comprehensive and Universal جامعیت اور ہمہ گیریت

اقتدار اعلیٰ ہمہ گیر ہے۔ یہ مملکت میں رہنے والے تمام افراد اور انجمنوں پر عاید ہوتی ہے کوئی بھی اسکے کنٹرول (Control) سے آزاد نہیں ہے صرف غیر ملکی سفارتی نمائندے اس سے مشتنی ہے۔ لیکن اقتدار اعلیٰ سفارتی نمائندوں کو دی گئی مراعت کو کبھی بھی ختم کر سکتا ہے۔ اقتدار اعلیٰ مملکت میں کام کرنے والی سبھی اداروں، جماعتوں اور انجمنوں کے کاموں سے غیر متاثر ہوتا ہے۔

4-(Indivisibility) ناقابل تقسیم:

اقتدار اعلیٰ ناقابل تقسیم ہوتا ہے مملکت میں ایک سے زیادہ مقتدر اعلیٰ نہیں ہو سکتے۔ اقتدار اعلیٰ کو مختلف اکائیوں، اداروں اور انجمنوں میں تقسیم نہیں کیا جاسکتا ہے مفکر گیٹیل (Gettel) کا کہنا ہے کہ اس کو بانٹنا اس کو تباہ کرتا ہے وفاقی نظام حکومت میں مرکز اور صوبوں کے درمیان اختیارات کا بٹوارہ ہوتا ہے اقتدار اعلیٰ کا نہیں۔ لیکن جب ایک مملکت دو حصوں میں تقسیم ہوتی ہے اور اس سے دو مملکت وجود میں آتے ہیں تو دونوں کے پاس اقتدار اعلیٰ ہوتا ہے۔

5-(Inalienability) ناقابل انتقال:

اقتدار اعلیٰ مملکت کا ایسا لازم جز ہے جیسے جسم میں روح۔ اقتدار اعلیٰ کو مملکت سے الگ نہیں کیا جاسکتا ہے۔

6-(Absoluteness) مطلق:

ہم اگر قانونی نقطہ نظر سے دیکھیں تو یہ واضح ہوتا ہے کہ اقتدار اعلیٰ مطلق ہے۔ یہ مملکت کا سب سے اعلیٰ اور برتر حکم ہے اسکے برابر اور برتر مملکت میں کوئی دوسرا حکم نہیں ہوتا ہے۔ داخلی طور پر اقتدار اعلیٰ مملکت میں رہنے والے ہر فرد اور ادارہ سے برتر ہے۔ خارجی طور پر اقتدار اعلیٰ بیرونی ممالک کے دباؤ اور مداخلت سے آزاد ہے۔ اقتدار اعلیٰ آخری اختیار ہے یہ آسانی سے کسی مسئلہ کو حل کر سکتا ہے اور کسی بھی قانون کو بدل سکتا ہے یا پھر اس کو ختم کر سکتا ہے۔

9.3 اقتدار اعلیٰ کے اقسام (Types of Sovereignty)

1- برائے نام اقتدار اعلیٰ (Titular Sovereignty)

جب مقتدر اعلیٰ کو کوئی حقیقی اختیار نہ ہو تو اس کو برائے نام اقتدار اعلیٰ کہتے ہیں۔ زمانہ قدیم میں بہت ساری مملکتوں میں بادشاہت رائج تھی اور ان کے حکمران بادشاہ تھے اور ان کے پاس کم اختیارات تھے اور ان کے وزراء اور پارلیمنٹ ان کے ماتحت اور محتاج تھے۔

مثال کے طور پر انگلینڈ (England) میں بادشاہت تھی لیکن جب وہاں جمہوریت قائم ہوئی تو بادشاہت کو ختم نہیں کیا گیا کیونکہ وہاں کے عوام میں بادشاہت کی عزت تھی 1688 کے انقلاب کے بعد بادشاہ کے اختیار چھن گئے اور پارلیمنٹ کے پاس سارے اختیار آگئے بادشاہ مملکت کا کھیا ہوتا ہے مگر اس کے پاس میں حقیقی اختیار نہیں ہوتا۔ وہ برکی مہر کے مانند ہے وہ اب حکومت کا نگران ہے مگر حکمران نہیں۔

جیسے وہاں کے ملکہ کا کام حکومت کی حوصلہ افزائی، خبر گیری اور تنبیہ ہے لیکن اقتدار اعلیٰ کے اختیار سے محروم ہیں۔ بلکہ وزیر اعظم کے مشورے کی پابند ہیں وہ صرف انھیں کاموں کو کرتی ہیں جیسا کہ ان کو وزیر اعظم سے مشورہ ملتا ہے۔

2- قانونی اقتدار اعلیٰ (Legal Sovereignty)

قانونی اقتدار اعلیٰ مملکت کا وہ قانونی اختیار ہے جس کے رو سے وہ قطعی اور آخری حکم صادر کرتی ہے اور اسکے ہدایت پر مملکت میں قانون کا انعقاد ہوتا ہے اور نافذ کیا جاتا ہے کسی بھی مملکت میں جو قوانین ہوتے ہیں انکی پابندیاں وہاں کے باشندوں پر لازم ہے مملکت میں ایک ایسی قوت ہوتی ہے جو قانون کو نافذ کرتی ہے مملکت کا یہی قانونی اختیار قانونی اقتدار اعلیٰ کہلاتا ہے۔ مثال کے طور پر انڈیا میں صدر مملکت اقتدار اعلیٰ ہیں۔

مقتدر اعلیٰ کا اختیار کامل اور محدود ہوتا ہے۔ محض اسکی خواہش ہی قانون ہے قانونی اقتدار اعلیٰ وہ اقتدار اعلیٰ ہے جس میں ایک شخص یا جماعت قانونی طور پر آخری حکم جاری کرنے کی اختیار رکھتی ہو۔ اقتدار اعلیٰ کے حکم کی مخالفت کا حق کسی فرد یا جماعت کو نہیں ہوتی ہے قانونی اقتدار اعلیٰ کا اختیار مطلق ہوتا ہے موٹے طور پر قانون اقتدار اعلیٰ کی خواہش ہے۔ اسکو چیلنج نہیں کیا جاسکتا۔ شہریوں کے تمام حقوق کو قانونی اقتدار اعلیٰ کے ذریعے نافذ کیا جاتا ہے۔

3- سیاسی اقتدار اعلیٰ (Political Sovereignty)

قانونی اقتدار اعلیٰ کا خیال عام طور سے خصوصی قانون پر مبنی ہے۔ Dicey کا نظریہ یہ کہ اقتدار اعلیٰ جس کو قانون دان مانتے ہیں اسکی پشت پر ایک اور اقتدار اعلیٰ ہوتا ہے جسکے سامنے قانونی اقتدار اعلیٰ بھی جھکتا ہے اسے سیاسی اقتدار اعلیٰ کہتے ہیں۔ ہر منظم مملکت میں قانونی اقتدار اعلیٰ سیاسی اقتدار اعلیٰ کو واجب توجہ دیتا ہے۔ Gilchrist کے مطابق مملکت میں قانون کے پشت پر عوامی اجتماعی اثر سیاسی اقتدار اعلیٰ ہے۔

جدید جمہوری نظام میں ہم سیاسی اقتدار اعلیٰ کو عوام کی اجتماعی قوت و اثر کہہ سکتے ہیں۔ اسکو یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ سیاسی اقتدار اعلیٰ عوام کے اس جماعت کے ہاتھ میں ہوتی ہے جن کے اثر میں تمام لوگ ہوتے ہیں۔ یہ عوام کا کل نظریہ ہے جب عوام کی خواہش یا رائے کو سیاسی شکل دی جاتی ہے تو اسکو ہی سیاسی اقتدار اعلیٰ کہتے ہیں۔ جسکی ترجمانی قانونی اقتدار اعلیٰ کرتی ہے۔

یہ دونوں ہی مملکت کی اقتدار اعلیٰ کے دو پہلو ہیں۔ جب سیاسی اقتدار اعلیٰ قانونی اقتدار اعلیٰ کی پشت پناہی کرتی ہے تو قانونی اقتدار اعلیٰ ہونے والی برتر مطلق اور ہمہ گیر درجہ اختیار کرتی ہے۔ اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ قانونی اقتدار اعلیٰ سیاسی اقتدار اعلیٰ کی خواہش کا احترام کرتی ہے اور سیاسی اقتدار اعلیٰ قانونی اقتدار اعلیٰ کو کنٹرول کرتی ہے۔

قانونی اقتدار اعلیٰ سیاسی اقتدار اعلیٰ کے ذریعہ وجود میں آتی ہے اور اقتدار میں رہتی ہے۔ اور اسکے مقاصد کی تکمیل کرتی ہے۔ یہ قانون کے پس پشت ایک مملکت کا فرما اثرات کا مکمل مجموعہ ہے۔ مفکرین کے رائے میں رائے دہندگان یا شہریوں کی دو جماعت قرار دیا ہے۔ جسکو ووٹ دینے کا حق حاصل ہے اور بعض انکو عوامی رائے قرار دیتے ہیں۔ بعض عوامی اثر، طاقت یا خواہش کا نام دیتے ہیں۔

4۔ عام اقتدار اعلیٰ (Popular Sovereignty)

اس سے مراد عوام کا اقتدار اعلیٰ ہے جو تمام عوام کی حقیقی مرضی کی نمائندگی کرتی ہے۔ عوامی اقتدار اعلیٰ کا نظریہ جمہوریت کی بنیاد ہے۔ ایک جمہوری مملکت میں اس نقطہ نظر کے تحت عوام کو اقتدار اعلیٰ کا سرچشمہ سمجھا جاتا ہے۔ اس نظریہ کا بڑا مبلغ روسو ہے۔ اسکی رائے میں رائے عامہ ہی اقتدار اعلیٰ ہے جو عوام کی حقیقی رائے کی نمائندگی کرتی ہے۔ کچھ مفکرین نے عوامی اقتدار اعلیٰ کو کسی مملکت میں حکمرانی کی ذاتی اختیار اعلیٰ سے تضاد کا نام دیا ہے۔ عوامی اقتدار اعلیٰ میں عوام کو برتر سمجھا جاتا ہے۔

امریکہ میں عام اقتدار اعلیٰ کے اصول کا بانی جیفرسن کو سمجھا جاتا ہے۔ امریکہ کے آئین کی تجویز عام اقتدار اعلیٰ کی عکاسی کرتا ہے۔ مملکت کے ارتقاء کا مقصد ہی عوام کے رائے کی اور خواہش کی تکمیل کرنا ہے۔

5۔ قانونی اور حقیقی اقتدار اعلیٰ (De Jure and Defacto Sovereignty)

اسمیں ضرور فرق کر لینا چاہئے۔ قانونی اقتدار اعلیٰ کی بنیاد قانون پر ہے۔ اسکی خصوصیت حکومت کرنے کے حق اور فرماں برداری حاصل کرنا ہے۔ مملکت کے اعلیٰ ترین احکامات جاری کرنے کیلئے اختیار ہوتا ہے اور اس اختیار کی تعمیل کرانے کا بھی اختیار اسے حاصل ہے۔ حقیقی اقتدار اعلیٰ وہ ہے جسکو اصلاً لوگ مانتے ہیں اور اسکے حکم کی پابندی کرتے ہیں۔

عام طور پر جب لوگ قانونی اقتدار اعلیٰ کی نااہلی یا ظلم و ستم یا ناانصافی سے تنگ آ جاتے ہیں اور انکو لگتا ہے کہ اب انکو اس سے چھٹکارہ نہیں مل سکتا تب سماج میں ایک ایسا رہنما ابھرتا ہے جو انقلاب کی آواز اٹھاتے ہوئے اپنی قابلیت یا روحانی قوت سے لوگوں کو اس قدر متاثر کر لیتا ہے کہ لوگ اسے خداداد صلاحیت کا حامل سمجھنے لگتے ہیں اور اسکی اطاعت کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اور اپنے اس رہنما کے احکامات کو قانونی اقتدار اعلیٰ کے احکامات سے مشابہت کرنے لگتے ہیں۔

اس طرح کی مثالیں کئی بار دیکھنے کو ملی ہیں جیسے جنوبی افریقہ میں نیلسن منڈیلا اور ایران میں آیت اللہ خمینی اور ہندوستان میں آزادی سے پہلے مہاتما گاندھی تیسری دنیا کے ممالک میں عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ زیادہ تر حقیقی اقتدار اعلیٰ نے انقلاب کے بعد قانونی اقتدار اعلیٰ کی جگہ حاصل کی ہے۔ حقیقی اقتدار اعلیٰ کی بنیاد طاقت پر قائم ہے۔ ایسا اقتدار اعلیٰ سازش یا حکومت کا تختہ پلٹنے کیلئے اقتدار حاصل کرتا ہے۔ یہ اقتدار اعلیٰ کوئی فوجی جنرل یا وزیراعظم کو دستور کو پامال کر کے اختیارات اپنے ہاتھ میں لے کر اپنے اقتدار کا اعلان کرتا ہے۔

9.4 آسٹن کے اقتدار اعلیٰ کا نظریہ (Views of Austin on Sovereignty)

جب ہم اقتدار اعلیٰ کا قانونی تجزیہ کرتے ہیں تو یہ پاتے ہیں کہ تاریخی طور پر اسکا جڑ سلطنت روم سے وابستہ ہے۔ روم کے قانون دانوں نے سلطنت کے اصول پر کام کیا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ قانون کا منبع شہنشاہ کی خواہش ہے دور جدید میں اقتدار اعلیٰ کی ترقی اور اسکے اصول موٹے طور

پر مملکت کے قوت کے ساتھ بڑھا ہے Bodin سے لیکر Hobbes اور Bentham سے ہوتے ہوئے اقتدارِ علی کا قانونی نظریہ اپنے انتہا تک آسٹن کی کتاب Lec.on Juris جو 1832 میں شائع ہونے پر پہنچی۔

انگریز قانون داں جان آسٹن کی مذکور بالا کتاب اسکی اقتدارِ علی پر قانونی نظریہ کی عکاسی کرتی ہے آسٹن نے قانون کے تعریف کے ذریعہ اقتدارِ علی کی تعریف کی ہے۔ اس بنا پر وہ اقتدارِ علی کو کہتا ہے کہ یہ برتر کی طرف سے کم تر کو دیا جانے والا حکم ہے۔ جب ایک متعین برتر شخص جو اس درجہ کے کسی برتر کے احکام کی تعمیل کا عادی نہ ہو بلکہ عوام عادتاً اسکی اطاعت کے عادی ہوں یہ مقرر برتر فرد اس علاقہ میں مقتدرِ علی ہے اور وہ سماج سیاسی ہے اور آزاد ہے۔ وہ مزید لکھتا ہے کہ اس متعین برتر فرد پر سماج کے سب لوگ انحصار کرتے ہیں اور اسکی کیفیت ان برتر کی طرف ماتحتی اور انحصاری کی ہوتی ہے سماج میں ہر قانون گویا کہ وہ نرم ہو یا سخت مقتدرِ علی یا جماعت ہی کے ذریعہ عمل میں آتا ہے۔ یہ سماج سیاسی طور پر آزاد سماج ہے اور وہ شخص یا جماعت مقتدرِ علی ہے یا برتر ہے۔

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ آسٹن کا اقتدارِ علی کا نظریہ بالکل قانونی ہے اور وحدانیت ہے کہ ایک متعین جماعت یا شخص بھی کو اقتدارِ علی کا درجہ حاصل ہے جسکی اطاعت تعمیل، ماتحتی سماج میں رہے والے ہر شخص ہر ادارے اور ہر جماعت پر واجب ہے۔ اس نظریہ کے تحت ہی قانونی طور پر ایک سماج جسمیں متعین برتر کو مقتدرِ علی کہا ہے۔ اس سماج کو سیاسی اور آزاد کہا ہے اس طرح سے آسٹن کے نظریہ میں مملکت اور اقتدارِ علی کا واحد ہونے کی عکاسی ملتی ہے آسٹن کہ مطابق ہم دیکھتے ہیں کہ ہر آزاد سیاسی سماج میں ایک فرد یا چند کی اطاعت عوام عادتاً کرتی ہے اور مملکت میں اس مقتدرِ علی کے رتبہ کا کسی اور کو اعزاز نہیں ہوتا ہے مقتدرِ علی ایک متعین برتر شخص یا افراد کی جماعت کا برتر اختیار ہے اور اسکے تحت وہ مقتدرِ علی کا استعمال کرتا ہے۔ عوام اسکی اطاعت اسلیئے نہیں کرتی کہ یہ مقتدرِ علی کا حق ہے بلکہ اسکی اطاعت اسلئے کرتی ہے کہ یہ مقتدرِ علی کا اختیار ہے کہ وہ لوگوں کو اپنی اطاعت کیلئے مجبور کرے۔ روسو کے نظریہ میں مقتدرِ علی رائے عامہ پر مبنی ہے تو آسٹن کی نظر میں یہ زور قوت پر مبنی ہے۔ آسٹن کے نظریات کے خصوصیات درج ذیل ہیں۔

- ہر سیاسی آزاد سماج میں ایک مقتدرِ علی ہوتا ہے یہ اقتدارِ علی ہر آزاد سیاسی سماج کا کارکن ہے۔
- اقتدارِ علی ایک مقرر متعین فرد یا افراد کی جماعت کے اختیار میں ہوتی ہے کوئی بھی مقتدرِ علی غیر مقرر یا غیر متعین ہو سکتا ہے۔
- مقتدرِ علی کے اختیارات قانونی طور پر لامحدود ہیں۔
- مقتدرِ علی کے اطاعت لوگ عادتاً کرتے ہیں یہ اطاعت انکے عادت میں ضروری طور پر ہوتا ہے کبھی کبھار نہیں۔
- مقتدرِ علی کے اختیارات ناقابل تقسیم، ناقابل انتقال، مطلق اور دائمی ہوتا ہے۔
- مقتدرِ علی کا حکم قانون ہے اسکے حکم کی خلاف ورزی جرم ہے۔
- مختصراً اقتدارِ علی کا آسٹن کے ذریعہ تجزیہ برتر اختیار کی بقاء کی نشاندہی کرتا ہے تکثیریت والے سیاست اقتدارِ علی سے متعلق دوسرے پریشانیوں کا سامنا کرتا ہے اقتدارِ علی پر قابض فرد پہ مملکت کے فرائض میں فلاح و بہبودگی کو بھی شامل کیا گیا ہے جس سے مملکت کے اختیارات اور زیادہ بڑھ گئے، یوں ہے کہیں تو انتہا پر پہنچ گئے کہ زندگی کا کوئی شعبہ مملکت کے مداخلت سے آزاد نہیں رہا۔

9.5 آسٹن کا تنقیدی جائزہ (Critical Evaluation by Austin)

1. آسٹن کے اقتدار اعلیٰ کو اس بنا پر بھی تنقید کیا گیا ہے کہ یہ اقتدار اعلیٰ کو مطلق اور لامحدود قوت دیتا ہے جبکہ تکثیریت کے حامیوں کا ماننا ہے کہ مملکت بھی دیگر مختلف انجمنوں کی مانند ایک انجمن ہے۔ اس وجہ سے مملکت کے خود مختار اقتدار کو انوکھا اعلیٰ قوت نہیں دیا جاسکتا۔
2. ایک تکثیری مملکت میں یا اس مملکت میں جہاں شہریوں کو ان کے بنیادی حقوق حاصل ہوں وہاں اقتدار اعلیٰ کی خصوصیت آسٹن کے اقتدار اعلیٰ کی سی نہیں ہو سکتی اسکے علاوہ قانونی اقتدار اعلیٰ، سیاسی اقتدار اعلیٰ اور عوامی اقتدار اعلیٰ سے مختلف ہے اس بنا پر یہ ممکن نہیں ہے کہ قانونی اقتدار اعلیٰ کو سیاسی فکر کیلئے مناسب مانا جائے۔
3. آسٹن کا اقتدار اعلیٰ کا اصول خود مختاری کے بارے میں دکلاء کا نظریہ ہے جو تنقیدی تحقیق کا مضمون ہو گیا۔ ہنری مین کے مطابق اقتدار اعلیٰ ایک فرد کے تعین میں نہیں رہتا۔
4. ہم کہہ سکتے ہیں کہ آسٹن کا اقتدار اعلیٰ قانون کا واحد خالق نہیں ہے۔ Duguit نے تو یہ بھی کہہ دیا ہے کہ مملکت قانون کو نہیں بناتا بلکہ مملکت کو قانون بناتا ہے ان کے مطابق قانون محض سماجی ضرورتوں کا اظہار ہے۔
5. تکثیریت پسندوں کے مطابق اقتدار اعلیٰ قابل تقسیم ہے۔ (لاسکی) H.J. Laski (کے رائے میں سیاسی فلسفہ کے لیے اقتدار اعلیٰ کے قانونی نظریہ کو درست بتانا ممکن ہے۔ علم سیاست کا دائمی فائدہ ہو گا اگر اقتدار اعلیٰ کے تصور کو چھوڑ دیا جائے۔ Lindsay لینڈ سے کہتا ہے کہ ہم ان حقائق پر نگاہ ڈالتے ہیں جس سے یہ واضح ہوتا ہے خود مختار مملکتوں کا نظریہ منہدم ہو گیا ہے۔ (Barker) بارکر کا بھی یہی نظریہ ہے کہ علم سیاست کے کچھ بیکار اصول کی طرح اقتدار اعلیٰ (Sovereign) کا اصول بھی کار آمد نہیں ہے۔ تکثیری مملکت کے برتری کے دعوؤں کو اس بنیاد پر چیلنج کرتے ہیں کہ معاشرہ بہت سی انظمنوں پر مشتمل ہے اور مملکت ان میں سے ایک ہے اس وجہ سے مملکت کو برادری کی خود مختار طاقت سے نہیں نواجا جاسکتا ہے۔ اقتدار اعلیٰ قابل تقسیم ہے اور اسے مملکت اور افراد کے مختلف انجمنوں کے مابین تقسیم ہونا چاہیے۔
6. خود مختاری وفاق میں کسی مطمین شخص کے ساتھ نہیں رہتی۔ وفاقی مملکت میں خود مختاری کی مطمین کے ساتھ نہیں رہتی اور کسی وفاقی مملکت میں خود مختار دریافت کرنا ممکن ہے۔ کسی وفاقی مملکت میں خود مختاری کا پتہ لگانا بھی بہت مشکل ہے۔ مثال کے طور پر U.S.A میں خود مختاری ناہی صدر کے فرد کے ساتھ رہتی ہے نا اسکے عہدہ کے ساتھ اور نا ہی کانگریس کے ساتھ۔ بلکہ خود مختاری آئین (Constitution) کے ساتھ رہتا ہے۔
7. اقتدار اعلیٰ قوانین کے پشت پر صرف طاقت کی منظوری نہں ہے عوام کی مرضی بھی اسکے منظوری میں شامل ہے لہذا آسٹن (Austin) کا خود مختاری کا نظریہ غلط ہے۔ جدید دور میں قوانین عوام کے نمائندوں کے ذریعہ بنائے جاتے ہیں تاکہ خود مختاری مرضی ہے۔

8. Austin کا نظریہ خود مختار کو مکمل اور مطلق بنانا ہے گو کہ یہ نظریہ خود مختار کو مطلق العنان بنانا ہے مگر عملی طور پر یہ ممکن نہیں ہے۔ ابتدائی اور وسطیٰ زمانے میں اس طرح کے مطلق العنان بادشاہ گذر چکے ہیں مگر یہ اپنے عمل اور طرز عمل میں مکمل طور پر مطلق نہیں رہ سکے۔ وہ اخلاقیات، ضابطہ اخلاق اور مذہب کے شکنجے کے تابع تھے۔ اگر انہوں نے مروج، اخلاقیات اور مذہبی اصولوں کے خلاف ورزی کرنے کی کوشش کی تو انہیں بغاوت کا سامنا کرنا پڑا۔

9.6 تکثیریت کے حامیوں کا نظریہ (Views of Supporters of Pluralism)

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ تکثیریت کے مفکرین میں چند نام قابل ذکر ہیں۔ مثلاً مٹ لینڈ، سے کول، بارکر، کریب، درخیم اور لاسکی وغیرہ۔ گارٹرک کہتا ہے کہ یہ عام نظریہ مان لینا چاہئے کہ مستقل انجمنیں اس طرح سے حقوق اور فرائض رکھتی ہیں جس طرح گروہوں کو مملکت نے کارپوریشن کے درجہ میں مان لیا ہے۔ لاسکی کے نظریہ میں مملکت سماج کی بہت سی انجمنوں میں سے ایک ہے اور اسکو قطعی حق نہیں کہ وہ عوام سے انکے محکوم ہونے کا اقتدار اعلیٰ بھی متحد ہونا چاہیے دعویٰ کرے۔

یہ انجمنیں کسی بھی طرح مملکت سے اقتدار اعلیٰ کے معاملے میں کم نہیں۔ سماج ایک متحد انجمن ہے اس لیے بھی متحد ہونا چاہیے۔ کریب کے مطابق تکثیریت کے مفہوم کو سیاسی نظریہ سے خارج کر دینا چاہئے۔ Duguit کہتا ہے کہ قوانین سماجی استحکام کے شرائط کے نام ہیں مقتدر اعلیٰ قوانین کے ماخذ کا نام نہیں، سماج کے اخلاقی قدروں اور انصاف کے احساس سے قوانین بنتے ہیں۔ قوانین کی اطاعت اسلیئے کی جاتی ہے کہ یہ سماجی زندگی کی ایک اہم ضرورت ہے۔ میک آئیور نے اپنی مشہور تصنیف جدید مملکت میں لکھا ہے کہ کسی قوم میں بہت سی انجمنوں میں سے ایک انجمن مملکت ہے۔ ان نظریات سے یہ بات واضح ہوتی کہ مملکت سماج کے کئی انجمنوں میں سے ایک ہے جس طرح دیگر تنظیمیں اپنی بقاء کیلئے مملکت کی مرضی پر انحصار نہیں کرتی اسلیئے انکو بھی اپنے آپ میں مقتدر ہونے کا مجاز ہے۔ اور اس طرح مملکت کے واحد اقتدار اعلیٰ کے دعوے سے یہ لوگ انکار کرتے ہیں۔ ہر انجمن کی اپنی شخصیت اور مرضی ہوتی ہے اور یہ انجمن سماجی طور پر کئی کارآمد فرائض انجام دیتی ہیں اور انفرادی شخصیت کی تعمیر میں نمایاں کردار ادا کرتی ہے۔

اسلیئے انکو فرائض کی انجام دہی کی آزادی فراہم ہونا چاہئے اور مملکت کا ان پر کنٹرول نہیں ہونا چاہئے مملکت کا یہ دعویٰ نہیں ہونا چاہئے کہ وہ بلا شرکت دیگر انجمن سے اعلیٰ ترین اور برتر اختیارات کی حامل ہے۔ مملکت کو چاہئے کہ وہ سماج کی دوسری انجمنوں کو بھی مقتدر اختیارات میں حصہ دے۔

تنقید

اقتدار اعلیٰ کا تکثیری نظریہ تنقید سے آزاد نسے اول تو اسمیں داخلی طور پر تضاد موجود ہے۔ ایک طرف تو تکثیری مملکت کو برتری کا مقام دینے سے انکار کرتے ہیں وار دوسری طرف اقتدار اعلیٰ کے ذریعہ مملکت کو سماج میں اتحاد کو مضبوط کرنے والی ایجنسی کا کردار دیتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ یہ مختلف جماعتوں میں جو تنازعات ہیں اسے دور کرنے کیلئے یا اگر اقتدار اعلیٰ کو مختلف انجمنوں میں تقسیم کر دیں تو یہ اقتدار اعلیٰ کو تباہ

کرنا ہوگا اور نتیجے میں افراتفری عمل میں آئیگی۔ اکثر تکثیریت کے حامی سمجھتے ہیں کہ قانون مملکت سے برتر ہے اور مملکت کو قانون ہی سے کنٹرول کیا جاتا ہے لیکن یہ خیال درست نہیں ہے کیونکہ مملکت ہی قانون بناتی ہے۔ یہ محض ایک قیاس ہے حقیقت نہیں کہ مملکت سماج کے مختلف انجمنوں کی طرح ایک انجمن ہے لاسکی جو تکثیریت کا بڑا حامی ہے انکا خود کا نظریہ یہ ہے کہ تکثیریت کے حامی مفکروں نے سماج کے مختلف طبقوں کا مطالعہ نہیں کیا ہے۔ اگر سماج میں اقتدار اعلیٰ کو محدود طور میں انجمنوں میں تقسیم کر دیا جائے تو سماج میں گراؤٹ آجائیگی اور آپسی اختلافات وجود میں آئیں گے۔ مملکت کی ضرورت انجمنوں کی حد تجاوز سے عوام کو بچانے کیلئے ہوتی ہے۔

تکثیریت کی اہمیت

ایم۔ پی۔ فولٹ (M.P. Follett) نے اپنی مشہور تصنیف 'The New State' میں تکثیریت کی اہمیت کو بیان کیا ہے کہ تکثیری حامیوں نے مملکت کی برتری کے غبارے کو چھوڑا ہے جب انہوں نے دیکھا کہ مملکت جو کہ عہد وسطیٰ سے دھیرے دھیرے اپنا قدم اور اقتدار بڑھا رہی تھی اپنی ناکام اور جھوٹے دعوے کے باوجود ہماری نیک خواہشات اور عزت نہیں جیت سکی، تکثیری گروہ کے اہمیت کو مانتے ہیں۔ اور سیاسی زندگی میں تسلیم کرنے کی پر زور تائید کرتے ہیں وہ مقامی زندگی اور آزاد زندگی کی پر زور تائید کرتے ہیں وہ یہ بھی مانتے ہیں کہ مملکت کے مقاصد اپنی خواہشوں کے مقاصد سے ملتے جلتے نہیں ہوتے ہیں۔ تکثیریت میں دور اندیشی کا پیغام ہے۔ جس میں متحد انجمنوں کی پہچان کی مشکلات کو دور بینی سے دیکھا ہے۔ گیٹل (Gettel) نے تکثیریت کے حامیوں کی خدمات کو اس طرح بیان کیا "گیٹل کا زور اس حقیقت پر ہے کہ مملکت سماج کا ایک لازم جز ہونے پر بھی چند اخلاقی بندستوں کا تابع ہے یہ مملکت کے آئیڈیل ہونے کے برعکس خواہشمندانہ عمل ہے اور یہ عقیدہ کہ مملکت خود میں ایک مقصد ہے اور ہر اخلاقی بندش سے آزاد ہے۔

تکثیر پسندوں نے سماج میں بہت تیزی سے بدلتی سیاسی زندگی کے حقائق کے مطالعہ پر زور دیا ہے اور پھر سماج میں بہت تیزی سے غیر سیاسی گروہ کی بڑھتی اہمیت اور پھر مملکت کے حد سے تجاوز کرتی مداخلت اور پھر اس طرح کے گروہوں کو سیاسی نظام میں قانوناً تسلیم کرنے کی پر زور حمایت کی ہے ہر شخص اپنے مقاصد کے حصول کے لیے اپنی یونین بناتا ہے جس کے ذریعے حکمران حکومت پر دباؤ ڈالتے ہیں تاکہ وہ اپنے مقصد کو حاصل کر سکے۔ یونین اور انجمن کے اغراض اور مقاصد کی تکمیل کے لیے اس کے دائرہ عمل کو بڑھانے کے لیے خاطر خواہ آزادی کی ضرورت ہوتی ہے اور فیصلے لینے کے لیے مختاری کی۔

9.7 تکثیریت کی ابتدا کے معاون عناصر

(Supportive Elements in the Evolution of Pluralistic Theory)

مندرجہ ذیل عناصر نے تکثیریت کے آغاز کی داغ بیل ڈالی۔

1. انفرادیت پسندوں کا تعاون: انفرادیت پسندوں نے مملکت کے اختیارات کو کم کرنے اور انفرادی آزادی پر زور دیا۔ جے ایس مل، ہربرٹ اسپنسر اور مونٹیسیکو جیسے عظیم مفکروں نے مملکت میں اقتدار کی مرکزیت کی مخالفت کی اور انفرادی آزادی پر زور دیا۔

تکثیریت پسندوں نے مملکت کی اقتدار اعلیٰ کو کم سے کم کرنے پر بھی زور دیا لیکن جہاں انفرادیت پرستوں نے فرد کی آزادی پر زور دیا وہیں تکثیریت پسندوں نے تنظیم کی آزادی پر زور دیا۔

2. قرون وسطیٰ کے کلاسیکی مفکرین کا اثر: انیسویں صدی کے آخر میں جرکے، میٹلینڈ اور فگس جیسے مصنفین نے اس بات پر زور دیا کہ قرون وسطیٰ میں جب چرچ انجمنوں اور تنظیموں کو آزادی حاصل تھی تو پھر جدید دنیا میں بھی تنظیموں کو آزادی ہونی چاہئے۔

3. مملکت کی نااہلی: جدید مملکت کی نااہلی بھی تکثیریت کی ترقی کی ایک وجہ بنی۔ دور حاضر میں، مملکت کے دائرہ کار میں بہت زیادہ اضافہ ہوا ہے، لیکن عملی طور پر اس سے مملکت کی نااہلی ثابت ہوئی ہے۔ پروفیسر وارڈ کے الفاظ میں، "اس کی وجہ سے مرکز میں منافع اور مرکز کے بیرونی حصوں میں غربت نے جنم لیا ہے۔ تکثیریت پسند جدید مملکت کے عیوب کو غیر مرکزی مملکت میں تبدیل کر کے دور کرنا چاہتے ہیں۔

4. جمہوریت میں علاقائی نمائندگی کی وجہ سے عدم اطمینان: انیسویں صدی کے آخر میں اور 20 ویں صدی کے آغاز میں، جمہوری نمائندگی کا طریقہ اپنایا گیا تھا، لیکن اس میں عدم اطمینان پیدا ہوا اور طبقاتی و یونین سوشلسٹ مفکرین نے اس کی جگہ پر عملی یا فعال نمائندگی کا مطالبہ کیا۔ فعال نمائندگی کے حامی مملکت جیسی تنظیم کو مساوی اہمیت دینا چاہتے تھے۔ اس طرح تکثیریت کی نشو و نما میں بہت مدد ہوئی۔

5. لاقانونیت پرستی: عصبيت اور طبقاتی سوشلزم نے اس مملکت کی قوت کے خلاف مہم چلائی جس کی وجہ سے تکثیریت کے فروغ میں مدد ملی۔

6. قانون مملکت کا حکم نہیں: بہت سے مفکرین جیسے ڈوگوٹ اور کربی نے کہا ہے کہ قانون مملکت کا حکم نہیں ہے۔ ان کے نزدیک قانون مملکت سے بالاتر اور بہتر ہے اور مملکت کو بھی قانون کے مطابق کام کرنا چاہئے۔ صرف مملکت ہی کو قانون بنانے کی اجازت داری نہیں ہے۔ ان مفکرین کے خیالات نے تکثیریت کو تقویت بخشی۔

7. عوامی فلاح و بہبود کا مقصد: مملکت کا مقصد عوامی فلاح و بہبود ہے اور تنظیم کا مقصد بھی اپنے ممبروں کی ضروریات کو پورا کرنا ہے۔ لہذا مملکت اور دیگر تنظیموں میں باہمی تعاون ہونا ہی چاہئے۔

8. بین الاقوامی قانون: اس نظریہ کے حامیوں نے بین الاقوامی نقطہ نظر سے بھی مملکت کے اقتدار اعلیٰ پر حملہ کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ بین الاقوامی قانون اب اتنا زیادہ طاقتور ہو گیا ہے کہ آج کوئی بھی مملکت بین الاقوامی قوانین کو نظر انداز نہیں کر سکتی۔ محض یہ سمجھ لینا کہ بین الاقوامی قوانین اخلاقی پابندیوں کی حیثیت رکھتے ہیں، درست نہیں ہے۔ یہ قوانین اب کافی حد تک لازمی پابندی کی شکل اختیار کر چکے ہیں۔ لاسکی کے الفاظ میں بین الاقوامی پہلو سے ایک بااقتدار مملکت کا تصور بنی نوع انسانی کی فلاح و بہبود کی لئے خطرناک ہے۔ بین الاقوامی امن کے لئے یہ ضروری ہے کہ ساری مملکتیں اس اصول پر متفق ہو جائیں کہ مشترکہ مسئلوں کے بارے میں وہ بین الاقوامی تنظیم کے فیصلوں کی پابند ہوں۔ اس نظریہ نے تکثیریت کو تقویت دی۔

تکثیریت کے اہم حامی گر کے، گلس، بارکر، میکیر، جی ڈی ایچ۔ کول، لنڈسی، کریبی، میٹ لینڈ، ڈوگٹ اور لاسکی ہیں۔ تکثیریت پسندوں کے نظریہ اقتدار اعلیٰ کے مطابق، مملکت کے ساتھ ساتھ افراد کو ان کی ضروریات کی تکمیل کے لئے اقتدار اعلیٰ کو مختلف تنظیموں میں منقسم کیا گیا ہے۔ لنڈسی کے مطابق، "اگر ہم حقائق پر نگاہ ڈالیں تو پھر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اقتدار اعلیٰ کے ساتھ نظریہ مملکت کو بھی کم کیا گیا ہے۔" اس کے مطابق عوام کی ضروریات صرف مملکت پوری نہیں کر سکتی، اس کے لئے دیگر مختلف تنظیمیں بھی ضروری ہیں۔ اس طرح مملکت کو دیگر تنظیموں کے ساتھ مل کر کام کرنا چاہئے۔ پروفیسر لنڈسی کے الفاظ میں، "مملکت ان تنظیموں میں سے ایک ہے جن کی اپنی سماجی پہچان اور مقاصد ہیں اور جو مملکتوں کی طرح بہت سارے عوامی کام انجام دیتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ "مملکت اپنے تمام حصوں میں اس وقت تک تنظیم کو کنٹرول کر سکتی ہے جب تک کہ عوام اپنی خواہشات مملکت کے تابع نہ کر دیں۔ مملکت کا کوئی آزاد وجود نہیں ہوتا بلکہ یہ دیگر تنظیموں کی طرح ایک تنظیم ہوتی ہے۔"

ڈاکٹر گلس کے مطابق، "مملکت دوسری تنظیموں کی طرح ایک تنظیم ہے اور اس کا کام دوسری تنظیموں کے کام کو ہم آہنگ کرنا ہے۔ اسی لئے مملکت کی اقتدار اعلیٰ کا تصور ایک افسانہ ہے۔"

ڈوگٹ کے مطابق، "مملکت کے اقتدار اعلیٰ کا نظریہ صرف ایک تخیل ہے اور خود مختار ملک اپنا وجود کھو چکا ہے یا کھونے والا ہے۔"

9.8 تکثیریت کی اہم خصوصیات (Key features of Pluralistic Theory)

تکثیریت کی خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں:

- مملکت کامل نہیں ہے: اس نظریہ کے مطابق انسان کی زندگی کثیر الجماعتی ہے۔ انسان اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے، مختلف گروہ یا تنظیمیں قائم کرتا ہے، جن میں، سیاسی، سماجی، مذہبی، معاشی اور ثقافتی تنظیمیں ہیں۔ وہ اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں کو مکمل طور پر اسی وقت ترقی یافتہ بنا سکتا ہے جب یہ گروہ اپنے علاقے میں آزاد اور خود مختار ہوں۔ اقتدار اعلیٰ کو صرف مملکت کے ساتھ رہنے کے بجائے تمام اداروں میں تقسیم کیا جانا چاہئے۔ مملکت کی اقتدار اعلیٰ پر اجارہ داری نہیں ہونی چاہئے۔
- فرد کا دیگر گروہوں سے رشتہ: فرد نہ صرف مملکت کے ساتھ وفادار ہوتا ہے بلکہ وہ ان تمام گروہوں کے ساتھ وفادار ہوتا ہے جن سے وہ منسلک ہوتا ہے۔ زیادہ تر لوگ اپنی مذہبی یا معاشی گروہ کے ساتھ اتنے وفادار ہوتے ہیں کہ مملکت کی مخالفت کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ اس طرح صرف مملکت افراد کی وفاداریاں حاصل کرنے کی ٹھیکیدار نہیں ہے اور نہ ہی اسے تنہا اقتدار اعلیٰ حاصل ہونا چاہئے۔
- مملکت کے کام کا محدود دائرہ کار: مملکت کا بنیادی مقصد افراد کی سیاسی زندگی کو ترقی دینا ہے۔ تکثیریت پسندوں کے مطابق مملکت کو اپنے کاموں کا دائرہ کار سیاسی علاقوں تک محدود رکھنا چاہئے تاکہ یہ فرد کی ترقی میں مکمل شراکت کر سکے۔ مملکت کا ان امور سے کوئی تعلق نہیں ہونا چاہئے جیسے تعلیم کس طرح کی ہونی چاہئے، پیداوار کے ذرائع کا انتظام کیا ہونا چاہئے وغیرہ۔

- مملکت کے وجود کی اجازت: تکثیریت مملکت کو ختم کرنے کے حق میں نہیں ہے۔ وہ مملکت کو مفید سمجھتے ہیں لیکن وہ دوسری جماعتوں کو بھی آزادی دینا چاہتے ہیں۔ لہذا تکثیریت پسند مملکت کی اجارہ داری کے خلاف ہیں نہ کہ مملکت کے خلاف۔
- اقتدار اعلیٰ کا اتحاد (یونین) پر مبنی ہونا: تکثیریت کے مطابق، معاشرے کی تنظیم یونین پر مبنی ہے۔ جس طرح متعدد مملکتیں، یونین مملکت بنانے کے لئے متحد ہو جاتی ہیں، لیکن وہ اپنی اقتدار اعلیٰ یا اقتدار اعلیٰ کو ختم نہیں کرتی ہیں۔ اسی طرح یونین یا تنظیموں پر مبنی معاشرے میں اپنے مقاصد کو پورا کرنے کی آزادی ہونی چاہئے۔
- افادیت پر مبنی قانون کی پیروی۔ تکثیریت پسندوں کے مطابق فرد مملکت کے احکامات کی تعمیل اس لئے نہیں کرتا ہے کہ یہ ایک خود مختار یا مقتدر مملکت ہے اور اگر اس نے حکم کی تعمیل نہیں کی تو اسے سزا دی جائے گی بلکہ وہ اس کی افادیت کی وجہ سے کرتا ہے۔
- لامرکزیت پر مرکوز: تکثیریت پسند اقتدار اعلیٰ کی لامرکزیت چاہتے ہیں۔ ان کے مطابق مرکزیت کے ذریعہ تنظیموں کی آزادی ختم ہو جاتی ہے۔ لہذا مملکت اور دیگر کمیونٹیوں میں اقتدار اعلیٰ کو تقسیم کیا جانا چاہئے۔
- مملکت کے ظلم کی مخالفت: تکثیریت پسند مملکت کی جارحیت پسندی اور لامحدود قوت کی مخالفت کرتے ہیں لیکن وہ افراد کی مکمل آزادی کے حق میں نہیں ہیں وہ فرد کے بجائے تنظیم کے حقوق اور آزادی پر زیادہ توجہ دیتے ہیں۔
- مملکت اور معاشرے میں تفریق: آئیڈیلٹ کی طرح، تکثیریت پسند بھی مملکت اور معاشرے کو ایک نہیں مانتے ہیں۔ تکثیریت پسندوں کے مطابق فاشٹ کا یہ بیان غلط ہے کہ ہر چیز مملکت کے اندر ہے، مملکت کے باہر اور اس کی مخالفت میں کچھ بھی نہیں ہے۔ تکثیریت پسندوں کے مطابق، مملکت سماج کا وہ حصہ ہے جو مقاصد اور کام کے شعبے میں اس کا ہمسفر نہیں ہو سکتا۔ اس تناظر میں میکسبر نے لکھا ہے، "مملکت ایک ایسی تنظیم ہے جسے معاشرے کا ہم عصر نہیں کہا جاسکتا ہے۔ مملکت کو سماج کے تحت کچھ مخصوص مقاصد کے حصول کے لئے ایک مقررہ انتظامات کی شکل میں تشکیل دیا گیا ہے۔
- مملکت کا سماجی ادارے کے ماتحت ہونا: تکثیریت پسند کہتے ہیں کہ تاریخ اس حقیقت کی گواہ ہے کہ مملکت ہمیشہ ہی سماجی اداروں کا تقابل کرتی ہے۔ پروفیسر لاسکی کا کہنا ہے کہ مملکت کبھی بھی ظالم اور ہمہ گیر نہیں تھی۔
- پہلی جنگ عظیم میں، برطانوی حکومت ریلش بارودی سرنگوں کے باغیوں کے خلاف منشن ایکٹ کا نفاذ نہیں کر سکی اسی طرح، امریکی ریلوے ورکرز یونین نے ہڑتال کی دھمکی دے کر اپنی مانگ 24 گھنٹوں میں آٹھ گھنٹے کام کرنے کو حکومت سے قبول کرالیا۔ ہندوستان میں ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حکومت کو سماجی تنظیم کے مطالبات قبول کرنا ہی ہوتے ہیں۔
- گیٹل کہتا ہے کہ تکثیریت پسند مملکت کو منفرد ادارہ نہیں مانتے۔ ان کے مطابق دوسری تنظیمیں بھی اتنی ہی اہم ہیں۔ انہیں یقین ہے کہ یہ تنظیمیں اپنے علاقے میں اسی طرح خود مختار ہیں جس طرح مملکت اپنے علاقے میں۔

9.9 نظریہ تکثیریت پر تنقید (Criticism on of Pluralistic Theory)

مندرجہ ذیل بنیاد پر تکثیریت کو تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے۔

- تکثیریت کا انتشار کی حمایت کرنا: اگر تکثیریت کے نظریات کو عملی طور پر نافذ کیا جائے تو اس کا نتیجہ انتشار ہوگا۔ مملکت کے دوسرے اداروں میں اقتدار اعلیٰ کی تقسیم سے صرف لاقانونیت اور بد امنی پھیلے گی۔ جب ہر تنظیم کا اقتدار اعلیٰ ہوگا، تب ہر تنظیم اس کی مرضی کے مطابق ہوگی، اپنے اپنے ممبروں کے لئے قانون بنائے گی اور یہ فطری بات ہے کہ مختلف تنظیموں کے قوانین ایک دوسرے سے متصادم ہوں گے۔ پھر افراد کو یہ فیصلہ کرنا دشوار ہوگا کہ کس قانون کو مانا جائے۔ قرون وسطیٰ کے دور میں، چرچ، مملکت، تجارتی انجمنوں میں تنازعہ تھا اور اس کے نتیجے میں انتشار پیدا ہوا۔
- مملکت کے وجود کا انحصار دوسری جماعتوں پر: یہ ٹھیک ہے کہ انسان نے اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے مختلف گروہ قائم کیے اور ان گروہ نے اس کی زندگی پر گہرا اثر ڈالا لیکن یہ گروہ اپنے وجود کے لئے مملکت پر منحصر ہیں۔ مختلف گروہ مملکت کے تعاون سے اپنے قواعد کو نافذ کرتے ہیں۔ یہ گروہ بغیر مملکت کے قائم نہیں ہو سکتے ہیں۔ اس طرح گروہوں کی سطح مملکت کی سطح کے برابر نہیں ہو سکتی ہے۔ مملکت ایک خود مختار اور مقتدر ادارہ ہے۔
- مملکت کا تنظیموں کے تنازعات کو حل کرنا: اگر ہم تکثیریت کے اس خیال پر غور کریں کہ سماج مختلف تنظیموں کے گروہوں پر مشتمل ہے تو پھر ہمیں ایسے اعلیٰ ادارے کی ضرورت ہے جو مختلف تنظیموں کے تنازعات کو دور کر سکے۔ اگر ایسا کوئی اعلیٰ ادارہ نہ ہو تو مختلف تنظیموں کے مابین تنازعات کی وجہ سے انسانی زندگی دشوار ہو جائے گی اور سماج ترقی نہیں کر سکے گا۔ لہذا ضروری ہے کہ سماج میں اعلیٰ ادارہ یعنی مملکت کا قیام ہو۔
- تکثیریت اپنے نظریہ میں واضح نہیں: اس نظریہ فکر کا کوئی ایک مفکر نہیں ہے بلکہ بہت سے اسکالرز نے اس کی تائید میں اپنے دلائل پیش کئے ہیں لیکن کسی خاص اسکالر نے اس کی واضح وضاحت نہیں کی ہے۔ گر کے اور میٹلینڈ نے گروہوں کی خصوصیات کی وضاحت کی ہے لیکن ان اسکالرز نے مملکت کے قانونی اختیار کے بارے میں کچھ نہیں کہا ہے۔ خود بہت سے کمیونسٹوں نے مملکت کو گروہوں اور تنظیموں کے مابین بھائی چارہ قائم کرنے کا ادارہ تصور کیا ہے اور اس سے مملکت کی بالادستی صاف واضح ہوتی ہے۔
- اقتدار اعلیٰ کی تقسیم: تکثیریت پسند اقتدار اعلیٰ کو تقسیم کرتے ہیں۔ لیکن اس کی تقسیم سے اس کی تباہی ہو جاتی ہے۔ اقتدار اعلیٰ ایک مکمل اکائی ہے جسے تقسیم نہیں کیا جاسکتا۔ اگر اقتدار اعلیٰ تقسیم ہو گیا تو مملکت تباہ ہو جائے گی۔ تکثیریت پسندوں کا یہ عجیب نظریہ ہے۔ کیونکہ وہ اقتدار اعلیٰ کو تقسیم کرنا بھی چاہتے ہیں اور ساتھ ہی مملکت کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔ یہ دونوں ایک ساتھ بالکل نہیں ہو سکتے۔

- تمام کمیونٹیز میں مساوات: تکثیر پسندوں کا نظریہ دراصل ایک انتہا پسندانہ نظریہ ہے۔ ایسے نظریات اگر معاشرے میں جڑ پکڑ لیں تو مملکت کی سلامتی اور سیاسی استحکام کو خطرہ لاحق ہو جائے۔ مملکت کو عام انجمنوں کے مساوی قرار دینے سے مملکت کا تقدس ختم ہو جاتا ہے۔ لاسکی تو یہاں تک کہہ دیتا ہے کہ اب مناسب وقت آگیا ہے کہ مملکت کے اقتدار اعلیٰ کے تصور کو ہی ختم کر دیا جائے حالانکہ اقتدار اعلیٰ کی عدم موجودگی میں مملکت کی سلامتی ہی خطرے میں پڑ جاتی ہے
- کمیونٹیوں کے ممبروں پر انسداد تشدد کے متعلق مملکت کی ذمہ داری: اگر تنظیموں اور گروہوں کو مکمل آزادی دی جائے تو پھر ان کے منتظمین ممبروں پر تشدد کرنا شروع کر دیں گے۔ ممبران کو منتظمین کے مظالم سے بچانے کے لئے، یہ ضروری ہے کہ مملکت کی بالادستی یا اقتدار اعلیٰ ہوتا کہ مملکت تنظیموں اور گروہوں پر اپنا کنٹرول حاصل کر سکے۔ مملکت تنظیموں اور گروہوں کو اپنے قوانین کے تحت کام کرنے پر مجبور کر سکتی ہے اور حقوق العباد کا تحفظ بھی کر سکتی ہے۔
- مملکت کا محدود دائرہ کار: جدید مملکت کے دائرہ کار کو محدود نہیں کیا جاسکتا۔ تکثیر پسندوں نے دراصل مملکت کو ایک منفی ادارہ خیال کیا جبکہ جدید مملکت کا مقصد صرف امن و امان کے قیام تک محدود نہیں بلکہ وہ زندگی کے تمام شعبوں میں کارکردگی کے اعلیٰ معیار برقرار رکھنے اور انجمنوں کے مفادات کی حفاظت کے لئے ایسے قوانین کا اجرا بھی ہے جن کے تحت تمام معاشی اور معاشرتی سرگرمیاں بہ احسن و خوبی جاری رہ سکیں، قانونی تحفظ کی عدم موجودگی میں انجمنوں کو اپنے مقاصد کے حصول میں لاتعداد دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ مملکت انہیں ایسا مرکز مہیا کرتی ہے جہاں سے ان تمام سرگرمیوں کو مربوط رکھا جاسکتا ہے بلکہ مملکت تو بعض انجمنوں کی مالی امداد بھی کرتی ہے اگر بعض ناگزیر حالات کے باعث مفادات میں تصادم ہو جائے تو اس سے یہ نتیجہ اخذ کر لینا قطعاً غیر مناسب ہوگا کہ مملکت کے اقتدار اعلیٰ کو ہی ختم کر دیا جائے۔ بالفرض اگر انجمنوں کی ایسی آزاد خود مختار حیثیت کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر بین الاقوامی نوعیت کی انجمنیں اختیارات کی اس دوڑ میں قومی مملکتوں پر بھی سبقت لے جائیں گی۔ بلاشبہ لامرکزیت کا یہ نظریہ جذبہ حب الوطنی کی جڑیں کاٹ کر رکھ دیتا ہے۔

9.10 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

عزیز طلباء، اس اکائی میں آپ نے:

- اقتدار اعلیٰ کی تعریف اور اقسام کا مطالعہ کیا۔
- آسٹن کے اقتدار اعلیٰ کا نظریہ کا مطالعہ کیا۔
- تکثیریت کے حامیوں کا نظریہ تکثیریت کو سمجھا۔
- تکثیریت کی ارتقا کے معاون عناصر کا مطالعہ کیا۔
- تکثیریت کی اہم خصوصیات کو جاننا۔
- نظریہ تکثیریت پر تنقیدی جائزہ کیا۔

9.11 کلیدی الفاظ (Keywords)

- تکثیریت: ایک نظریہ کہ کائنات بہت سارے عناصر پر مشتمل ہے۔
- کمیونٹی: لوگوں کا گروپ، سوسائٹی۔
- انفرادیت یا نازم: ایک نظریہ کہ کائنات میں صرف ایک ہی چیز موجود ہے جسے صرف مصنوعی اور من مانی طور پر بہت سی چیزوں میں منقسم کیا جاسکتا ہے۔
- اقتدار اعلیٰ: کسی ملک کی خود کی حکمرانی کرنے کا اختیار جس میں کسی اندرونی یا باہری طاقت کا مداخلت نہ ہو
- مملکت: ایک طے شدہ حکمرانی کے تحت منظم طور پر سیاسی گروہ
- قانون: کسی مملکت یا ملک قانون جو سبھی فرد کے لیے لازمی قبول کرنا ہوتا ہے

9.12 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

9.12.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

- 1- تکثیریت پسند چاہتے ہیں کہ
(a) مملکت کو مطلق العنان حق دینا
(b) مملکت کی اقتدار اعلیٰ سے محرومی
(c) صرف گروہوں کو اقتدار اعلیٰ کی فراہمی
(d) مملکت کے محدود اختیارات
- 2- تکثیریت پسندوں کا ماننا ہے کہ:
(a) اقتدار اعلیٰ پر صرف مملکت کا حق ہے۔
(b) اقتدار اعلیٰ کی مختلف سماجی، مذہبی، معاشی اور سیاسی گروہوں میں تقسیم۔
(c) اقتدار اعلیٰ پر صرف سماجی اور معاشی گروہوں کا حق ہے۔
(d) اقتدار اعلیٰ صرف اقوام متحدہ کے ساتھ مخصوص ہے۔
- 3- تکثیریت پسند اس پر یقین رکھتے ہیں:
(a) قانونی اقتدار اعلیٰ
(b) سیاسی اقتدار اعلیٰ
(c) برائے اقتدار اعلیٰ
(d) مطلق العنانیت
- 4- تکثیریت کے اقتدار اعلیٰ کی بنیادی خاصیت ہے
(a) مطلق العنانیت
(b) نااہلیت
(c) تقسیم
(d) یا کوئی اور خصوصیت

5۔ اقتدار اعلیٰ کے متعلق تکثیریت کا نظریہ تھا

- (a) مملکت کے اقتدار اعلیٰ کے انکار کے خلاف ایک رد عمل
- (b) سماجی اور معاشی تنظیموں کی زیادہ اہمیت کے خلاف رد عمل
- (c) آسٹن کے غیر قانونی قانونی اقتدار اعلیٰ کے نظریہ کے خلاف رد عمل
- (d) ان میں سے کوئی نہیں

6۔ تکثیریت پسندوں کا ماننا ہے کہ :

- (a) مملکت ایک انوکھی تنظیم ہے
- (b) مملکت دوسری سماجی، معاشی اور مذہبی تنظیموں کی طرح ہی ایک تنظیم ہے۔
- (c) دوسری سماجی، معاشی اور مذہبی تنظیم مملکت سے زیادہ اہم ہیں
- (d) مملکت کو دیگر تنظیموں کے ذریعہ کنٹرول کیا جاتا ہے

7۔ تکثیریت پسند چاہتے ہیں

- (a) مملکت کا خاتمہ
- (b) غیر طبقاتی اور غیر مملکتی سماج
- (c) مملکت کے اختیارات میں کمی
- (d) مملکت کے اختیارات میں مزید توسیع

8۔ مندرجہ ذیل میں سے تکثیریت کا حامی کون ہے؟

- (a) سینتھم
- (b) جے. ایس. مل
- (c) جان لاک
- (d) لاسکی

9۔ اقتدار اعلیٰ کی متعدد شکلیں ہیں۔ برطانیہ کے بادشاہ کے اقتدار اعلیٰ کی درجہ بندی مندرجہ ذیل میں سے کس میں کی جاسکتی ہے۔

- (a) برائے نام اقتدار اعلیٰ
- (b) حقیقی اقتدار اعلیٰ
- (c) مقبول اقتدار اعلیٰ
- (d) قانونی اقتدار اعلیٰ

10۔ تکثیریت پسند مملکت کو یہ درجہ دیتے ہیں :

- (a) عوام کی مالک
- (b) عوام کی خادم
- (c) عوام کی خیر خواہ
- (d) ان میں سے کچھ نہیں

9.12.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. تکثیریت کے تاریخی پس منظر پر مختصر نوٹ لکھئے۔

2. تکثیریت کے ارتقا کے اسباب قلمبند کیجئے۔

3. نظریہ تکثیریت کی اہم خصوصیات پر روشنی ڈالئے۔
4. اقتدار اعلیٰ کے متعلق لاسکی کے نظریات لکھئے۔
5. تکثیریت پسند اقتدار اعلیٰ کے اختیارات کیوں محدود کرنا چاہتے ہیں واضح کیجئے۔

9.12.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. نظریہ تکثیریت کیا ہے اور اس کے بنیادی افکار کیا ہیں تفصیل سے لکھئے۔
2. نظریہ تکثیریت کا تنقیدی جائزہ پیش کیجئے
3. اقتدار اعلیٰ کے تصورات کا تنقیدی جائزہ لیجئے

معروضی سوالات کے جوابات:

(a)	-5	(c)	-4	(c)	-3	(b)	-2	(b)	-1
(b)	-10	(a)	-9	(d)	-8	(d)	-7	(b)	-6

اکائی 10- حقوق: معنی اور اقسام

(Rights: Meaning and Types)

اکائی کے اجزاء:

تمہید	10.0
مقاصد	10.1
حقوق کے معنی	10.2
حقوق کی تعریف	10.3
حقوق کی خصوصیات	10.4
حقوق کا ارتقا	10.5
حقوق کے اہم نظریات	10.6
حقوق کی اقسام	10.7
فرائض	10.8
حقوق اور فرائض کا تعلق	10.9
بنیادی حقوق	10.10
اکتسابی نتائج	10.11
کلیدی الفاظ	10.12
نمونہ امتحانی سوالات	10.13
معروضی جوابات کے حامل سوالات	10.13.1
مختصر جوابات کے حامل سوالات	10.13.2
طویل جوابات کے حامل سوالات	10.13.3

10.0 تمہید (Introduction)

علم سیاسیات کے مطالعے میں حقوق کی طرح اہم ترین تصور کوئی اور تصور نہیں ہے۔ یہ تصور کسی فرد کو آزاد اور شہری ہونے کا احساس دلاتا ہے۔ جس کی وجہ سے کوئی فرد اپنے آپ کو امیر، غریب، گورے اور کالے کا احساس کیے بغیر دوسروں کے مساوی سمجھتے ہوئے کسی امتیاز کے بغیر سماج میں بہترین زندگی گزار سکتا ہے۔

10.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعے سے آپ؛

- حقوق کی معنی اور تعریف کو جان سکیں گے۔
 - حقوق کے ارتقاء سے واقفیت حاصل کر سکیں گے۔
 - اس کے علاوہ بنیادی حقوق، فرائض کی قسمیں اور حقوق و فرائض سے متعلق جانکاری حاصل کر سکیں گے۔
 - حقوق کے نظریات اور اقسام سے بھی روبرو ہو پ دستور گے۔
-

10.2 حقوق کے معنی (Meaning of Rights)

حقوق کا تصور جمہوریت کی دین ہے۔ آج انسانی حقوق پر سارے عالم میں خصوصی توجہ مرکوز کی جا رہی ہے۔ چنانچہ حقوق کے کمیشن، حقوق کے تحفظ کے لیے حکومت کی سرپرستی میں کام کر رہی ہیں۔ جب کہ خانگی غیر حکومتی تنظیمیں انسانی حقوق کی عمل آوری کو یقینی بنانے کے لیے سرگرم عمل ہیں۔ حقوق کے کئی معنی ہیں۔ جیسے حق تلفی نہ کرنا، حق نہیں مارنا، بیوی بچوں اور والدین کے حقوق وغیرہ۔ اس سے ہماری مراد دوسروں کے تئیں اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کی بہترین ادائیگی ہے۔ حق کے تمام معنوں میں ایک بات مشترک ہے جس کا تعلق انسانی سرگرمی کا صحیح ہونا ہے۔ غلط سرگرمی کو حق نہیں کہا جاسکتا ہے۔ حق فرد کو ملک کے دستور کے تحت عطا کردہ اختیار کی ضمانت ہوتا ہے۔ اس کا اطلاق الگ الگ شعبوں میں ہوتا ہے جیسے سماجی، معاشی، سیاسی، اور اقتصادی وغیرہ۔

10.3 حقوق کی تعریف (Definition to Rights)

حقوق کی مختلف تعریفات اس طرح ہیں۔

- ہیرالڈ جے لاسکی: حقوق سماجی زندگی کی وہ شرائط ہیں جن کے بغیر عام طور پر کوئی شخص اپنی بہتری حاصل نہیں کر سکتا۔
- پروفیسر ہالینڈ: حق انسان کی وہ صلاحیت ہے جس کے ذریعے وہ دوسروں کے افعال پر ذاتی قوت سے نہیں بلکہ سماج کی رائے اور قوت سے اثر ڈالتا ہے۔

- ٹی ایچ گرین: حقوق وہ طاقتیں ہیں جن کا مشترکہ بھلائی کے لیے مطالبہ کیا جاتا ہے اور انہیں تسلیم کیا جاتا ہے۔
- ہاب ہاؤس: حقوق وہ ہیں جن کی ہم دوسروں سے اور دوسرے ہم سے امید کرتے ہیں اور تمام صحیح حقوق عام بھلائی کے شرائط ہیں۔

10.4 حقوق کی خصوصیات (Characteristics of Rights)

مندرجہ بالا تعریف سے حقوق کی مندرجہ ذیل خصوصیات سامنے آتی ہیں۔

- حقوق سماجی زندگی کی وہ شرائط ہیں جن کے بغیر کوئی بھی فرد بہتر زندگی نہیں گزار سکتا۔
- حقوق سماجی زندگی کا لازمی جز ہوتا ہے یعنی جہاں سماجی زندگی ہوتی ہے وہیں حقوق کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ سماج کے باہر حقوق کا تصور ہی نہیں پیدا ہوتا۔
- حقوق فرد کے دعوے ہوتے ہیں جو سماج کی عام بھلائی کے لیے سب کی جانب سے تسلیم کیے جاتے ہیں۔
- فرد کو اختیار اور آزادی حقوق سے حاصل ہوتے ہیں۔
- حقوق وہ ہیں جنہیں مملکت تسلیم کرتی ہے۔ اس لیے حقوق مملکت سے پہلے ہیں اور مملکت انہیں دستور یا قانونی جواز عطا کرتی ہے۔
- ہر سماج میں مختلف حقوق ہوتے ہیں۔ چنانچہ مغرب کے تصور حقوق اور مشرق کے تصور حقوق میں کافی فرق پایا جاتا ہے۔
- حقوق سماجی تعلقات کو استوار کرتے ہیں جیسے پڑوسی سے تعلقات، شوہر اور بیوی کے تعلقات، استاد اور شاگرد کے تعلقات وغیرہ۔
- حقوق کے ساتھ فرائض بھی ہوتے ہیں چنانچہ فرائض کے بغیر حقوق ایسے ہی ہیں جیسے سایہ کے بغیر انسان۔
- کسی بھی سماج میں حقوق مطلق نہیں ہوتے ہیں۔ ان پر سماج مملکت اور قانون کی پابندی عائد ہوتی ہے۔
- حقوق کی حفاظت اور تشریح عدلیہ کرتی ہے۔ حقوق کی حفاظت و حصول کے لیے عوام عدلیہ سے رجوع ہوتے ہیں۔
- حقوق کی نوعیت عالم گیر ہوتی ہے۔
- مملکت کا دستور اور قوانین حقوق کو متعین اور واضح کرتے ہیں۔

10.5 حقوق کا ارتقاء (Evolution of Rights)

1۔ میگنا کارٹا (Magna Carta)

انسانی حقوق کی تاریخ میں برطانیہ کے حکمران جان کا 15 جون 1215 کا فرمان حقوق جسے میگنا کارٹا کے نام سے شہرت حاصل ہوئی۔ اسے حکمران کے خلاف نوابوں کی بغاوت کے نتیجے میں جاری کیا گیا تھا۔ اس میں اس اصول کو بتایا گیا کہ ہر کوئی حتیٰ کہ حکمران بھی قانون کے تابع ہوگا اور شہریوں کو انصاف دیا جائے گا۔ اس کے علاوہ مقدمات کی منصفانہ شنوائی کا حق بھی دیا گیا۔ میگنا کارٹا سے مراد ”عظیم منشور“ ہے۔ جس نے برطانوی شہریوں کو آزادی عطا کی۔ جس سے انسانی حقوق کے نئے دور کا آغاز ہوا۔ اس کے ذریعے چرچ (مذہب) کو حکومت کی مداخلت

سے آزاد کیا گیا۔ شہریوں کو جائیداد کا حق دیا گیا اور انہیں زائد محصول (ٹیکس) سے بچایا گیا۔ میگنا کارٹا دراصل مملکت میں عوام کے حقوق اور بادشاہ کے عامرانہ رویہ پر پابندی عائد کر کے عوام کے مشوروں سے قانون سازی اور حقوق کی ضمانت کا آغاز ہے۔

2۔ بل آف رائٹس 1689 (Bill of Rights)

برطانیہ کا بل آف رائٹس 1689ء میں ولیم سوم اور میری دوم جو کہ حکمران جیمس دوم کو اقتدار سے معزول کرتے ہوئے برطانیہ کے جڑواں حکمران بنے تھے نے کیے تھے، یہ بل دستوری اور شہری حقوق کو پیش کرتا ہے اور اس بل کی وجہ سے شاہی پارلیمنٹ کی برتری قائم ہوئی۔ بہت سے انگریز ماہرین کے مطابق بل آف رائٹس وہ بنیادی قانون ہے جس سے برطانیہ میں دستوری بادشاہت کا آغاز ہوا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ بل امریکہ کے بل آف رائٹس کو متاثر کرتا ہے۔ 1688ء تا 1689ء کے درمیان برطانیہ میں شاہی حکومت کے خلاف بغاوت کا آغاز ہوا چونکہ برطانیہ کے عوام کیتھولک بادشاہ کے غیر معمولی اختیار سے عاجز آچکے تھے۔ یہاں تک کہ برطانوی پارلیمنٹ اور شاہ کے درمیان تناؤ تھا۔ یہ تناؤ دو مذہبی گروہوں کیتھولک اور پروٹسٹنٹ کے درمیان تھا جس کے نتیجے میں شاہ جیمس دوم کو اپنی بیٹی میری اور داماد ولیم کے حق میں دستبردار ہونا پڑا۔ ان دونوں نے ملکر جڑواں شاہی کو قائم کیا اور پارلیمنٹ کے حق میں اپنے اختیار سے دستبردار ہوئے۔ اس کے نتیجے میں بل آف رائٹس پر دستخط کیے گئے جس سے رعایا کو حقوق و آزادی ملیں تو دوسری طرف برطانیہ کے لیے جانشینی کا مسئلہ ہمیشہ کے لیے حل کر دیا گیا۔

اس بل کی خاصیت یہ ہے کہ اس بل میں شاہ جیمس دوم کی جانب سے اختیارات کے غلط استعمال کی مذمت کی گئی اور یہ اعلان کیا گیا کہ شاہ پارلیمنٹ کی اجازت کے بغیر اپنے اختیارات کا استعمال نہ کرے۔ اس بل کے اہم حصے اس طرح سے ہیں۔

- حکمران جیمس دوم کی غلط کاریوں کی تفصیلی فہرست۔
 - شہریوں کو آزادی دینے والے 13 دفعات کا اعلان اور
 - اس بات کی تصدیق کہ ولیم اور میری تخت برطانیہ کے جائز حکمران ہیں۔
- مختصر یہ کہ بل آف رائٹس نے حکمران کے اختیارات کو محدود کیا اور پارلیمنٹ کے رتبہ کو بڑا کیا اور شہریوں کو خصوصی حقوق عطا کیے۔
- شہریوں کو دیئے گئے آزادیوں کی تفصیل اس طرح تھی۔

- بادشاہ یا ملکہ کی مداخلت کے بغیر پارلیمنٹ کے اراکین کو چننے کی آزادی۔
- پارلیمنٹ میں تقریر کی آزادی۔
- قانون میں مداخلت سے آزادی۔
- بادشاہ کو درخواست دینے کی آزادی۔
- خود کے دفاع کے لیے تیار ہتھیار رکھنے کی آزادی۔

- ظالمانہ اور غیر معمولی سزاؤں اور زیادہ ضمانت سے آزادی۔
- پارلیمنٹ کی رضامندی کے بغیر بادشاہ کی جانب سے اصول عائد کرنے پر روک۔
- مقدمہ کے بغیر کسی پر جرمانہ عائد کرنے کی آزادی۔
- امن کے دوران افواج کو جمع کرنے سے آزادی۔

اس کے علاوہ بل آف رائٹس میں جو اہم باتیں بتائی گئی تھیں وہ اس طرح تھیں۔

- اس قانون کے نفاذ کے بعد سے کوئی بھی بادشاہ رومن کیتھولک سے نہیں ہوگا۔
- پارلیمنٹ کے اجلاس وقتاً فوقتاً طلب کیے جائیں گے۔
- تخت کی وراثت ملکہ میری کی بہن اور شہزادہ ڈنمارک کے Anne کو منتقل ہوگا اس کے بعد ولیم کے کسی بھی وارث کو منتقل ہوگا جو کہ بعد کی شادیوں سے پیدا ہوں گے۔

بل آف رائٹس 1688ء میں عظیم الشان انقلاب کا نتیجہ تھا۔ اس کے فوری بعد 1689ء میں *Mutiny Act* منظور ہوا جس کے نتیجے میں امن کے دوران فوج ایک سال سے زیادہ مدت تک کسی مقام پر طبعیات نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اس کے بعد 1701ء میں بل آف رائٹس کو ایک اور قانون جس کو *Act of Settlement* کہا جاتا ہے کے ذریعے مزید مستحکم کیا گیا۔ جس سے اس بات کو یقینی بنایا گیا کہ برطانیہ کے تاج اور تخت کا وارث صرف ایک پروٹسٹنٹ ہی ہوگا۔

3۔ امریکی آزادی کا اعلان 1774ء (*Independence of America Declaration*)

امریکہ کی 13 نوآبادیات نے پہلے پہل آزادی کا بگل بجاتے ہوئے برطانیہ کی حکمرانی کے خلاف بغاوت کی تھی۔ ان نوآبادیات نے اپنے مادر وطن کے خلاف 4 جولائی 1774 کو آزادی کا اعلان کیا اور انگلینڈ کے حکمران پر ظلم و بربریت کا الزام لگاتے ہوئے اپنی اپنی آزادی کا اعلان کیا۔ امریکی اعلان نامہ آزادی میں کہے گئے الفاظ ”انسان مساوی تخلیق کیے گئے ہیں اور ان کے خالق نے انہیں چند ناقابل تفریق حقوق دیے ہیں۔“

4۔ امریکہ کا بل آف رائٹس 1791 (*U.S. Bill of Rights*)

امریکہ میں برطانیہ کی طرز پر 15 دسمبر 1791 میں ایک بل آف رائٹس منظور کیا گیا جس کے ذریعے تقریر کی آزادی اور عدلیہ کی طرف سے مقدمہ کے بغیر غیر معمولی سزاؤں سے تحفظ دیا گیا۔ برطانیہ کا بل آف رائٹس کا اثر امریکہ کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ اور آئرلینڈ کے قانونی دستاویزات پر پڑا۔ امریکہ کا بل آف رائٹس دراصل امریکی دستور میں کی گئی 10 ترمیمات پر مشتمل ہے جن کو جیمس میڈیسن (*James Madison*) نے لکھا تھا۔ ان ترمیمات کے ذریعے حکومتی اختیارات پر پابندیاں عائد ہوئی جس کا کہ کئی ریاستیں مطالبہ کر رہی تھیں۔ اس بل میں اظہار خیال اور عبادت کی آزادی کو فطری حق کے طور پر تسلیم کیا گیا اور یہ بات پہلی ترمیم میں ہے۔ چنانچہ یہ دفعہ کہتی ہے کہ کانگریس کوئی

ایسا قانون نہیں بنا سکتی جس سے مذہب کا اظہار خیال کی آزادی متاثر ہوتی ہو۔ چوتھی ترمیم کے ذریعے سے شہریوں کے گھروں میں حکومت کی جانب سے مداخلت پر پابندی عائد کی گئی۔ امریکی بل آف رائٹس میں شہریوں کو اصل حقوق کی تفصیل اس طرح ہے۔

جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے کہ دستور کی پہلی دس ترمیمات شہریوں کے بنیادی حقوق سے متعلق ہیں، اس دستور میں، ہندوستان کے دستور کی طرح، بنیادی حقوق پر کوئی علاحدہ باب نہیں ہے۔ 4 مارچ 1789 کو پہلی دس ترمیمات کی منظوری کے بعد یہ 15 دسمبر 1791ء سے دستور کا جز بن گئیں، جن کے امریکی شہریوں کے حسب ذیل حقوق حاصل ہیں۔

- پہلی ترمیم کی رو سے شہریوں کو مذہبی آزادی، تقرر و تحریر اور جلسے منعقد کرنے کی آزادی حاصل ہے۔ اس کے علاوہ عوام حکومت کو اپنی تکالیف اور مشکلات و شکایات سے مطلع کرنے کے لیے عرضیوں کو پیش کرنے کا بھی حق رکھتے ہیں۔
- دوسری ترمیم کے ذریعے شہریوں کو اسلحہ رکھنے اور انہیں استعمال کرنے کا حق حاصل ہے۔
- تیسری ترمیم فوجیوں کو زمانہ امن میں کسی کے بھی مکان میں مالک کی اجازت کے بغیر داخل ہونے سے روکتی ہے۔ زمانہ جنگ میں قانون کے بغیر کوئی فوجی کسی گھر میں نہیں ٹھہر سکتا۔ اس طرح فرد کو گھر اور خاندان کی نجی آزادی کا حق حاصل ہوتا ہے۔
- چوتھی ترمیم کے مطابق لوگوں کے گھروں، کاغذات و سامان کی تلاشی اور ضبطی کو اصولوں اور قانون کا پابند کیا گیا ہے۔
- پانچویں ترمیم لوگوں کو زندگی، دولت اور آزادی کی ضمانت دیتی ہے۔ چنانچہ کسی بھی شخص کو اس کی زندگی، جائیداد اور آزادی سے بغیر کسی قانون کے محروم نہیں کیا جاسکتا اور حکومت نجی دولت و جائیداد کو معقول معاوضہ کی ادائیگی کے بغیر نہیں لے سکتی۔
- چھٹی ترمیم کے مطابق ملزمین کو جلد انصاف حاصل کرنے اور جیوری کے ذریعے فیصلہ حاصل کرنے پر زور دینے کا اختیار حاصل ہے۔

- ساتویں ترمیم کے مطابق ان مقدموں میں جو عام قوانین کی خلاف ورزی اور مقدمہ کی مالیت بیس ڈالر سے زائد ہو تو شہریوں کو جیوری کے ذریعے فیصلہ حاصل کرنے کا اختیار دیتا ہے۔
- آٹھویں ترمیم کے مطابق شہریوں سے نہ ضرورت سے زیادہ ضمانت مانگی جائے گی، نہ زیادہ جرمانے کیے جاسکتے ہیں اور نہ ہی تین سزائیں دی جاسکتی ہیں۔

- نویں ترمیم کے مطابق حقوق کے مختصر بیان کا ہر گز یہ مطلب نہ ہوگا کہ شہریوں کو موجودہ حقوق سے محروم کر دیا جائے گا۔
- دسویں ترمیم کے مطابق دستور نے جو اختیارات وفاقی حکومت کو نہیں دیے ہیں اور ریاستوں پر بھی پابندی نہیں لگائی ہے، وہ ریاستوں یا عوام کے لیے محفوظ ہیں۔

5- انقلاب فرانس 1789 (French Revolution)

14 جولائی 1789 کو فرانس میں آئے انقلاب نے مطلق العنان بادشاہت ختم کر دی۔ 4 اگست 1789 کو قومی اسمبلی نے ”انسان اور شہریوں“ کے حقوق کا اعلان کیا۔ یہ اعلان 17 دفعات پر مشتمل ہے۔ جس میں اعلان کیا گیا کہ ”انسان آزاد پیدا ہوئے ہیں اور اپنے حقوق و آزادیوں میں مساوی ہیں۔“ اس انقلاب سے بادشاہی کو اکھاڑ پھینکتے ہوئے عوام کو اقتدار دیا۔ شاہ لوئیس چہارم کو 1793ء میں سولی پر چڑھایا گیا۔ اس انقلاب کی جو وجوہات بتائی گئی ہیں اس میں سب سے اہم چار طبقات پر مشتمل سماجی نظام تھا۔ (1) شاہی طبقہ (2) درباری طبقہ (3) جاگیرداروں کا طبقہ اور (4) عام عوام کا طبقہ۔ سماج کے اوپری تین طبقات عام عوام کا استحصال کرتے تھے اور ان پر ٹیکس کا بوجھ بہت زیادہ عائد کیا گیا اور یہی طبقہ تینوں طبقات کی خدمت کے لیے ذمہ دار تھا۔

6- انقلاب روس 1917 (Russian Revolution)

اس کو کمیونسٹ یا کمیونزم کا انقلاب بھی کہا جاتا ہے۔ یہ انقلاب دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلا انقلاب فروری 1917ء میں اور دوسرا انقلاب اکتوبر 1924ء میں مکمل ہوا۔ پہلے انقلاب سے زار (Czar) کی شاہی حکومت کو معزول کیا گیا جبکہ اکتوبر کے انقلاب کے ذریعے بالشیوکوں (Bolsheviks) کو اقتدار حاصل ہوا۔ یہ دونوں انقلاب گو کہ ولادیمیر لینن کی قیادت میں آئے تھے۔ تاہم، اس کے پیچھے کئی نظریہ ساز جیسے جوزف اسٹالین اور لیون ٹراٹسکی وغیرہ جیسے قائدین بھی تھے۔ 1917ء کے آتے آتے روس کے عوام زار کی حکومت کی بدعنوانیوں اور عدم کارکردگی سے بیزار تھے۔ اس انقلاب کی بنیادیں 18-1914ء کے دوران ہی پہلی جنگ عظیم میں ہی پڑی تھیں۔ جبکہ جرمن افواج کے ہاتھوں روسی افواج کی پے در پے شکست سے عوام میں شاہی کے خلاف نفرت کا احساس پیدا ہوا۔ ایک تو یہ ثابت ہوا کہ مغربی یورپ کی مملکتوں کے سامنے روس کی کوئی وقعت نہیں تھی تو دوسرے یہ کہ روس کی معیشت مکمل طور پر تباہ ہو چکی تھی۔ عوام سڑکوں پر آچکے تھے۔ 2 مارچ 1917ء کو زار نکولاس کو تخت چھوڑنے کے لیے مجبور کیا گیا جس سے رومانوی خاندان کی تین سو سال حکمرانی کا روس سے خاتمہ ہو گیا۔ ڈوما (روسی پارلیمنٹ) نے نکولاس دوم کی جگہ ایک عبوری حکومت کو قائم کیا تھا جو کہ عوامی احتجاج کے سامنے ٹک نہ سکی۔ فروری سے اکتوبر 1917ء تک عبوری حکومت کو چار مرتبہ تبدیل کرنا پڑا۔ بالآخر اکتوبر۔ نومبر 1917ء میں لینن کی سرکردگی میں پہلی کمیونسٹ حکومت قائم ہوئی جو سماجی اور معاشی مساوات اور فرد کی آزادی کی علامت اور جاگیردارانہ نظام کے خلاف عظیم جدوجہد کے طور پر تاریخ میں یاد رکھی جائے گی۔ بعد ازاں روس پندرہ ریاستوں کا وفاق بن کر کمیونزم کا علمبردار بن کر ابھر اور بالآخر دسمبر 1991ء میں سویت کمیونسٹ مملکت دنیا کے نقشے سے مٹ گئی۔

7- انسان کے حقوق کا بین الاقوامی اعلان نامہ 1929ء (Declaration of International Rights of Man)

پہلی جنگ عظیم کے بعد انسانی حقوق اور آزادیوں کا سوال پیدا ہوا۔ 1929ء میں انٹرنیشنل ٹیوٹ آف انٹرنیشنل لاء نے انسان کے حقوق کے ایک اعلان نامہ تیار کیا۔ اس کا قیام 1873ء میں بھی بلجیم میں عمل میں آیا تھا۔ 1904ء کا نابل انعام اس ادارے کو دیا گیا تھا۔ اس میں دی گئی

آزادیوں اور حقوق انسان کے لیے ”بنیادی“ کہا گیا۔ ان حقوق و آزادیوں کو فرانس اور امریکہ کے علاوہ دنیا کے کئی دساتیر نے اپنایا۔ اس طرح حقوق کو پہلی مرتبہ عالمگیر حیثیت حاصل ہوئی۔

8۔ اقوام متحدہ اور انسانی حقوق

24 اکتوبر 1945ء میں اقوام متحدہ کے قیام کے بعد انسانی حقوق کی اہمیت کو تسلیم کیا گیا۔ اقوام متحدہ کے منشور میں کئی دفعات ہیں جو انسانی حقوق کو تسلیم کرتے ہیں۔ منشور کی شروعات خود ”ہم اقوام متحدہ کے عوام“ سے شروع ہوتی ہے۔ جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اقوام متحدہ انسانی حقوق کے تحفظ کے لیے کام کرے گی۔ چنانچہ اس منشور کے ”دیباچہ“ میں کہا گیا ہے کہ ”انسان کی شخصیت کے وقار اور قدر راور عورت و مرد کی مساوات میں اور بنیادی انسانی حقوق میں اعتماد کو قائم کرے۔“ اقوام متحدہ کے منشور کا مقصد جنگوں کو ختم کرنا اور بین الاقوامی تعاون اور امن کو قائم کرنا ہے اور منشور چاہتا ہے کہ انسان کے ناقابل بیان مسائل کو ختم کیا جائے۔ چنانچہ اس منشور کی دفعہ 1(2) میں کہا گیا کہ ”اقوام متحدہ کا مقصد اقوام کے درمیان دوستانہ تعلقات کو فروغ دینا ہے جس کی بنیاد عوام کے حق خود ارادیت (Self-Determination) اور مساوی حقوق کے اصولوں کی بنیاد پر کام کرنا اور عالمی امن کے اس کام کی لیے دوسرے مناسب اقدامات کرنا ہے۔“

اسی طرح دفعہ 55 میں انسانی حقوق کے مقاصد کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ ”قوموں کے درمیان ضروری پر امن اور دوستانہ تعلقات کے قیام اور استحکام کے لیے قوموں کے درمیان مساوی اور خود عوام کے حق خود ارادیت کو باعزت مقام دینے کے لیے اقوام متحدہ کام کرے گا اور

- اعلیٰ معیار زندگی، مکمل روزگار، معاشی اور سماجی ترقی کے حالات
 - بین الاقوامی معاشی، سماجی، صحت اور دوسرے مسائل، اور بین الاقوامی تمدن اور تعلیمی تعاون کے لیے مسائل کو حل کرنا،
 - انسانی حقوق کے لیے عالمگیر عزت اور بنیادی اور تمام شہریوں کے لیے بلا امتیاز نسل، جنس، زبان یا مذہب بنیادی حقوق کو قائم کرنا۔
- دفعہ 56، دفعہ 55 کو مستحکم کرتا ہے۔ جس میں کہا گیا ہے کہ اقوام متحدہ کا مقصد انسانی فلاح اور انسانی حقوق کو حاصل کرنا ہے۔ چنانچہ یہ دفعہ کہتی ہے کہ ”تمام اراکین اپنے آپ سے یہ عہد کریں کہ وہ مشترکہ یا علاحدہ طور پر تنظیم کے ساتھ تعاون کرتے ہوئے دفعہ 55 میں کہے گئے مقاصد کو حاصل کریں گے۔“

چنانچہ مذکورہ بالا ”دفعات کے مقصد کو حاصل کرنے کے لیے اقوام متحدہ نے 10 دسمبر 1948 کو ایک عالمگیر انسانی حقوق کا اعلامیہ جاری کیا۔ اس کے علاوہ انسانی حقوق پر کئی کنونشن منعقد ہوئے جیسے انسانی حقوق پر یورپ کا کنونشن 1950ء بین الاقوامی میثاق برائے شہری و سیاسی حقوق 1966ء بین الاقوامی میثاق برائے معاشی، سماجی اور تمدنی حقوق 1966ء بین الاقوامی میثاق برائے تمام قسم کے نسلی امتیاز ختم کرنا 1966ء امریکی کنونشن برائے انسانی حقوق 1969ء کانفرنس برائے یورپ میں سلامتی اور تعاون 1975ء اور افریقی منشور برائے انسانی و عوام کے حقوق 1981ء وغیرہ۔

انسانی حقوق کا ایک اور مسئلہ محنت کشوں کا استحصال ہے پوری دنیا میں ان کا استحصال کیا جاتا ہے خواتین اور جوان افراد کا استحصال کیا جاتا ہے اور ان سے سستی اجرت محنت اور مشقت لی جاتی ہے۔ ان مسائل پر 1945ء سے اب تک ایک سو سے زیادہ بین الاقوامی لیبر کنونشن منعقد ہوئے ہیں۔ اقوام متحدہ نے مزدوروں کے مسئلے سے نمٹنے کے لیے ایک علاحدہ تنظیم بین الاقوامی مزدور تنظیم (ILO) جس کو 1919ء میں قائم کیا گیا تھا کو برقرار رکھا، جس کا مقصد مزدوروں کے معیار زندگی میں اضافہ کرنا ہے۔ 12 اگست 1949ء کی چار کنونشن منعقد ہوئے جنہیں جینیوا ریڈ کراس (Red Cross) کنونشن برائے جنگوں کے دوران انسانی سلوک کہا جاتا ہے۔ ان کنونشنوں کے ذریعے جنگی اصولوں اور جنگی قیدیوں سے متعلق ضوابط طے کیے گئے۔

9- عالمگیر اعلان نامہ برائے انسانی حقوق 1948 (UDHR)

عالمگیر اعلان نامہ برائے انسانی حقوق کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے 10 دسمبر 1948ء کو 48 کے مقابلے میں صفر وٹ سے اپنایا، جبکہ 8 اراکین غیر حاضر تھے۔ انسانی حقوق اعلان نامہ کی ذمہ داری جنرل اسمبلی اور معاشی و سماجی کونسل (ECOSOC) کو سونپی گئی تھی۔ اس عالمگیر اعلان نامہ نے بنیادی انسانی حقوق، انسانی وقار، مردوں، عورتوں کے مساوی حقوق میں اپنے عقیدے کا اظہار کیا۔ اقوام متحدہ کے منشور کی دفعہ (3) میں کہا گیا ہے کہ ”اقوام متحدہ کا بنیادی مقصد بین الاقوامی تعاون کو حاصل کرنا اور انسانی حقوق کے لیے وقار کو فروغ دینا، نسل، مذہب، جنس، اور زبان کے کسی امتیاز کے بغیر بنیادی آزادیوں کو فروغ دینا ہے۔“

10.6 حقوق کے اہم تصورات (Important Concepts of Rights)

1- نظریہ فطری حقوق (Natural Concept)

یہ نظریہ قدیم ترین ہے۔ جسے رومیوں و یونانیوں نے پیش کیا تھا۔ اس نظریہ کے مطابق حقوق پیدائش سے ہی حاصل ہوتے ہیں۔ زندگی آزادی اور جائیداد انسانی کے فطری اور بنیادی حقوق ہیں جنہیں کوئی بھی نہیں چھین سکتا۔ یہ حقوق انسان کو قانون فطرت کے عطا کردہ ہیں۔ ان کے مطابق قانون فطری کے مطابق زندگی گزارتا ہے۔ بعد میں سترہویں صدی کے مفکر جان لاک، فطری حقوق کو ایک باضابطہ شکل دی۔ اس کے مطابق انسان کو مذکورہ بالا تین فطری حقوق حاصل ہوتے ہیں۔ سماجی معاہدے کے ذریعے قائم ہونے والی حکومت ان حقوق کے تحفظ کی پابند ہے۔ بلکہ حکومت وجود میں آتی ہی ان حقوق کے تحفظ کے لیے ہے۔ اگر حکومت ان حقوق کے نفاذ اور تحفظ میں ناکام ہوتی ہے تو شہریوں کو حکومت کے خلاف بغاوت کا حق بھی جان لاک دیتا ہے۔ اس نظریہ کو لبرل انفرادیت سماجیاتی اور نظریہ سماجی معاہدہ بھی کہا جاتا ہے۔

2- قانونی نظریہ (Legal Concept)

جیرمی بنتھم کے نزدیک فطری حقوق کا نظریہ ایک بیہودہ نظریہ ہے۔ قانونی نظریہ کے مطابق حقوق فطری یا پیدائشی نہیں ہوتے۔ حقوق کے نفاذ کے لیے انہیں مملکت کی جانب سے تسلیم کرتے ہوئے ضروری قانون سازی پر ہی ان کے نفاذ کی ضمانت ہوتی ہے۔ چنانچہ مملکت ہی قوانین

کو وضع کرنے، نفاذ کی قوت و مکمل صلاحیت رکھتی ہے۔ کوئی بھی فرد مملکت کی مرضی کے خلاف نہیں جاسکتا۔ مملکت کی جانب سے عطا کردہ سہولتوں میں ایک حقوق بھی ہیں۔ تھامس ہوبز، جان آسٹن، جان سائمنڈ اور سینتھم اس نظریے کے اہم حامیوں میں سے ہیں۔ حقوق وقت کے ساتھ بدلتے جاتے ہیں اگر مملکت کا قانون تبدیل ہوتا ہے تو حقوق بھی تبدیل ہوتے ہیں اور مملکت کی مشنری حقوق کے نفاذ کو یقینی بناتی ہے۔

3- تاریخی نظریہ (Historical Concept)

حقوق کا سب سے قابل قبول نظریہ تاریخی نظریہ ہے۔ یہ نظریہ مانتا ہے کہ حقوق نہ تو مملکت کی دین ہوتے ہیں اور نہ ہی عدالت کی پیداوار ہوتے ہیں بلکہ انسانی ضرورت کے تقاضوں کے مطابق وضع ہوتے ہیں اور حقوق تاریخی عمل کے ذریعے وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ یعنی حقوق مقامی رسم و رواج، عادات و اطوار، انسانی ماحول کے مطابق خود بہ خود وضع ہوتے ہیں جن کو مملکت قانونی شکل عطا کرتی ہے۔ گزشتہ زمانوں میں غلامی کو مملکت اور سماجی قبولیت حاصل تھی تاہم آج اسے قانونی طور پر ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ حقوق سماجی ضرورتوں کے مطابق ارتقائی منازل کو طے کرتے ہوئے مرتب ہوتے ہیں۔ چنانچہ اس کی مثال 1215 کا میگنا کارٹا یا اقوام متحدہ کا اعلان نامہ برائے انسانی حقوق 1948 ہے۔

4- نظریہ سماجی فلاح (Social Welfare Concept)

اس نظریہ کا حامی افادیت پسند مکتب فکر کا بانی جیرمی بنتھم کے علاوہ جان اسٹوارٹ مل، اس فکر کے حامی تھے۔ ان سب کے مطابق حقوق کے پیچھے سماجی افادیت کا پہلو اہم ہوتا ہے۔ حقوق کا مقصد سب کی بھی خواہی، فلاح و بہبود اور بہتری ہوتا ہے۔ افادیت پسند مکتب کے تمام مفکرین حکومت، قوانین، اقدامات، سرگرمیوں اور پالیسیوں کو سماج کے دستورے میں ان کی افادیت کے معنوں میں دیکھتے ہیں۔ اس پیمانے پر وہ حقوق کے تصور کو دیکھتے ہیں۔ تاہم یہ حقوق کی مجرد نوعیت سے انکار کرتے ہیں۔ یہ مفکرین حقوق کے فطری ارتقا اور قانون فطرت کو تسلیم نہیں کرتے ہیں۔

5- حقوق کا مثالی نظریہ (Idealistic Concept)

یہ نظریہ فرد کی شخصیت کا نظریہ بھی کہلاتا ہے۔ اس نظریہ کے حامیوں میں ہیگل، ٹی ایچ گرین اور بوسکویٹ اہم ہیں۔ اس نظریے کے مطابق حقوق وہ سہولتیں اور شرائط ہیں جو فرد کی نشوونما کے لیے ضروری ہیں۔ فرد اخلاقی اور روحانی ترقی اس وقت کر سکتا ہے جبکہ سماجی زندگی میں ایسے مواقع حاصل ہوں جن سے استفادہ کرتے ہوئے ترقی حاصل کی جاسکے۔ یہ نظریہ حقوق کی سماجی نوعیت کو تسلیم کرتا ہے۔ سماج کے باہر فرد کے کوئی حقوق نہیں ہوتے۔ یہ نظریہ حقوق کو انسان کی روحانی ترقی کے زاویہ سے دیکھتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں یہ نظریہ مثالی سماجی نظم و ضبط کو دیکھتا ہے جس میں فرد کی مثالی ترقی ہوتی ہے۔

6- حقوق کا مارکسی نظریہ (Marxist Concept)

کارل مارکس کا نظریہ حقوق سماج کی معاشی کیفیت کو پیش کرتا ہے۔ مارکس کے مطابق معاشی حقوق کی موجودگی میں کوئی بھی سیاسی حقوق کو حاصل نہیں کر سکتا ہے۔ امیر (بورژوا) اور غریب (پرولتاریہ) میں منقسم سماج میں حقوق، استفادہ، صرف چند امیر سرمایہ دار ہی کر سکیں گے۔ چونکہ حکومت خود طبقہ امر کے ہاتھوں میں ہوگی جو صرف امیر سرمایہ داروں کے مفادات کا تحفظ کرے گی۔ ایسے سماج میں امیر مزید امیر اور غریب مزید غریب بنتا جائے گا۔ تمام مرعات، آزادیاں اور سہولیات امیروں کے لیے ہوں گی۔ اس لیے ایسے سماج میں مارکس انقلاب کی بات کرتا ہے۔ اس کے مطابق کوئی بھی سماج امیروں اور غریبوں کے درمیان دو طبقوں میں منقسم ہوتا ہے۔ امیر طبقہ تعداد میں مختصر ہونے کے باوجود حکمرانی کے ذریعے سماج کے معاشی وسائل (دولت) کا استحصال کرے گا۔ اس لیے غریب مزدوروں کو حقوق اسی وقت حاصل ہوں گے جب تک وہ متحد ہو کر امیر طبقے کے خلاف بغاوت کے ذریعے انقلاب نہیں لاتے۔ اس نظریے کو وہ طبقاتی کشمکش سے تعبیر کرتا ہے۔

10.7 حقوق کی اقسام (Types of Rights)

بین الاقوامی سطح پر حقوق کو تین درجوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

1- شہری اور سیاسی حقوق (Civil and Political Rights)

ان کو پہلی نسل کے حقوق کہا جاتا ہے جو ہر شخص کی زندگی، آزادی کا تحفظ اور شخصی و نجی زندگی کے حق پر مشتمل ہے۔ اس میں غلامی سے آزادی، مقدمات کی منصفانہ سماعت، من مانی گرفتاری یا قید سے آزادی، اظہار خیال، آزادی ضمیر و مذہب، انجمن اور حکومت سازی کے حقوق وغیرہ شامل ہیں۔

2- معاشی، سماجی اور ثقافتی حقوق (Economic, Social & Cultural Rights)

انہیں دوسری نسل کے حقوق کہا جاتا ہے۔ ان کا تعلق تمام انسانوں کے بہتر معیار زندگی، کام و روزگار کا حق، یکساں معاوضہ و کام کے صحت مند شرائط اور فرصت کی فراہمی کے علاوہ ٹریڈ یونین کی تشکیل کے حقوق پر مشتمل ہے۔

3- اجتماعی حقوق (Collective Rights)

یہ تیسری نسل کے حقوق ہیں۔ ان کا تعلق عالمی سطح پر عوام کے لیے حق خود مختاری سے متعلق ہے۔ آج اجتماعی یا انفرادی حقوق کی اہمیت میں بے حد اضافہ ہوا ہے۔ چونکہ دنیا کے کئی خطوں میں خانہ جنگی، نسل مذہب یا علاقہ کی بنیاد پر قتل عام یا اکثریت کے ظلم و جبر سے کئی ممالک میں انسانی حقوق متاثر ہوئے ہیں۔

اس کے علاوہ حقوق کی اخلاقی اور قانونی قسموں کی ایک تقسیم اور ہے۔ قانونی حقوق کو مزید شہری اور سیاسی حقوق میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ ذیل میں ہم ان پر مختصر آغور کریں گے۔

(a) اخلاقی حقوق (Moral Rights)

اخلاقی حقوق غیر تحرری ہوتے ہیں۔ ان کا تعلق فرد کے اخلاقی ضمیر سے ہوتا ہے۔ جن کو سماج تو قبول کرتا ہے تاہم مملکت کا قانون اور عدالتیں ان حقوق کو تسلیم نہیں کرتے۔ جیسے اساتذہ بزرگوں کی عزت و توقیر کرنا اخلاقی درس تو ہو سکتا ہے لیکن کوئی تحریری قانون نہیں ہو سکتا۔ ہر سماج کے الگ الگ اخلاق اصول و قوانین ہوتے ہیں جن کے مطابق کوئی سماج کام کرتا ہے۔ سماج میں ان حقوق کی خلاف ورزی کو سماج برا تو سمجھتا ہے لیکن خلاف ورزی کرنے والے کو سزا نہیں دے سکتا۔ گویا اخلاقی حقوق کی نوعیت غیر جبری ہوتی ہے۔ اخلاقی حقوق غیر تحریری ہوتے ہیں اس لیے انہیں عدالتوں سے منوایا نہیں جاسکتا۔ اخلاقی حقوق کی نوعیت رسمی ہوتی ہے۔ قبائلی سماج رسم و رواجوں کے مطابق تنازعات کے فیصلے کرتے ہیں۔

(b) قانونی حقوق (Legal Rights)

قانونی حقوق ایسے حقوق ہوتے ہیں جنہیں مملکت تحریری شکل میں عطا اور نافذ کرتی ہے۔ عدالتیں ان حقوق کی محافظ ہوتی ہیں۔ لیکاک کے الفاظ میں: ”قانونی حقوق وہ مراعات یا سہولتیں ہیں جن سے شہری کسی دوسرے ساتھی شہری کے خلاف استفادہ کرتے ہیں اور جنہیں مملکت کا برتر اختیار جاری کرتا اور برقرار رکھتا ہے۔“ قانونی حقوق واضح، متعین اور تحریری شکل میں ہوتے ہیں۔ ملک کے دستور میں ان کی واضح صراحت ہونے کی وجہ سے ان کے خلاف ورزی پر سزا دی جاتی ہے۔ ان حقوق کا اطلاق تمام شہریوں پر یکساں ہوتا ہے۔ قانونی حقوق تو مزید شہری اور سیاسی حقوق میں تقسیم کئے جاتے ہیں۔

(c) شہری حقوق (Civil Rights)

شہری حقوق ایسے حقوق ہوتے ہیں جن کا تعلق شہری کی روزمرہ زندگی سے ہوتا ہے۔ اس لیے ان حقوق کو نجی حقوق کہا جاتا ہے۔ یہ حقوق بچہ کے پیدا ہونے کے ساتھ ہی اسے حاصل ہوتے ہیں۔ جیسے زندگی کا حق، غذا کا حق، بہترین معیاری زندگی کا حق وغیرہ ہی شہری حقوق ہیں۔ اس طرح شہری حقوق فرد کو بہتر زندگی کے حالات فراہم کرتے ہیں۔ جن کے بغیر کوئی بھی فرد شہری زندگی گزار نہیں سکتا۔ یہ حقوق شہری کو مطلق حاصل نہیں ہو سکتے۔ بلکہ ان پر کچھ شرائط عائد ہوتے ہیں۔ اس لیے جو قانون ان حقوق کو فراہم کرتا ہے اسی قانون میں لاگو ہونے والی پابندیوں اور شرائط کا تذکرہ بھی ہوتا ہے۔ شہری حقوق کو حکومت ہنگامی حالات میں معطل بھی کر سکتی ہے۔ زندگی کا حق اظہار خیال کا حق، انجمنیں بنانے کا حق، پیشہ کا حق، پرامن جمع ہونے کا حق، حکومت پر تنقید کا حق، رہائش کا حق، گھومنے پھرنے کا حق وغیرہ شہری حقوق کی مثالیں ہیں۔

4- سیاسی حقوق (Political Rights)

سیاسی حقوق وہ حقوق ہوتے ہیں جو فرد کو بااختیاری بناتے ہیں۔ یہ حقوق فرد کو اپنی مملکت، حکومت اور سیاسی نظام میں عملاً حصہ لینے کے قابل بناتے ہیں۔ جمہوری حکومتوں میں عوام ان حقوق کی وجہ سے حکومت کی کارکردگی پر نظر رکھتے ہیں۔ چونکہ جمہوری حکومت عوام کی مرضی یعنی

ووٹ کے ذریعے وجود میں آتی ہے۔ عوام کی جمہوری حکومت میں عوام کو حکومت کا حصہ بن کر فیصلے کرنے کا اختیار ہو تو یہ شہری کے سیاسی حقوق کہلاتے ہیں۔ قانون سازی کا عمل شہری حقوق کا اہم حصہ ہے۔ سیاسی حقوق میں اہم حقوق کو ذیل میں ہم دیکھیں گے۔

(a) ووٹ کا حق (Right to Vote)

شہری کے سیاسی حقوق کا آغاز ووٹ دینے کے حق سے شروع ہوتا ہے۔ چنانچہ اٹھارہ سال کی عمر کے ہر فرد کو بلال تخصیص مذہب و ملت، رنگ و نسل، ذات پات یا علاقہ کے ووٹ دینے کا حق ہر جمہوری نظام حکومت میں ہوتا ہے۔ اس کو بالغ رائے دہی کہا جاتا ہے۔ ہر اٹھارہ سال کے نوجوان کو اپنا نام الیکشن کمیشن میں رجسٹر کروانا پڑتا ہے۔ کسی انتخابی حلقے میں تمام رجسٹرڈ رائے دہندوں کو ملا کر رائے دہندگان کہا جاتا ہے۔ رائے دہی کا حق شہریوں کو اپنے حکمران ہونے کا احساس دلاتا ہے۔ اس لیے تمام شہریوں کو اپنا نام رجسٹرڈ کروا کر رائے دہی میں حصہ لینا چاہئے تاکہ منتخبہ حکومت اپنی مرضی و منشا کے مطابق تشکیل پائے۔

(b) انتخابات میں مقابلہ کا حق (Right to Contest Elections)

اگرچہ ہندوستان میں کسی شہری کے لیے ووٹ دینے کی عمر اٹھارہ سال ہے، تاہم انتخابات میں حصہ لینے کی عمر 21 سال ہے۔ چنانچہ انتخاب میں حصہ لینے کی عمر ایوان اور لوکل باڈیز میں مختلف ہے۔ اکیس سال عمر والے رجسٹرڈ رائے دہندہ کو کسی امتیاز کے بغیر حکومت مقامی کے انتخاب سے لے کر پارلیمنٹ کے انتخابات میں حصہ لینے کے لیے ہونے کی دوسرا امیدوار کے مقابلے میں مقابلہ کرنے کا حق رکھتا ہے۔ البتہ انتخابات میں مقابلہ کرنے کے لیے چند ایک شرائط کا اطلاق ہر شہری پر یکساں ہوتا ہے۔ جیسے رہائشی یا شہری ہونے کی شرط کسی تنخواہ یافتہ عہدہ پر کام نہ کرنے کی شرط اور مجرمانہ ریکارڈ نہ رکھنے کی شرط وغیرہ دماغی صلاحیت اور معاشی دوالیا پن کی شرط بھی لازمی ہے۔

(c) عوامی عہدہ حاصل کرنے کا حق (Right to Acquire a Public Office)

ملک کے تمام شہری، تمام سیاسی (منتخبہ) عوامی عہدوں کو حاصل کرتے ہوئے حکومت میں حصہ داری نبھانے کا یکساں اور مساوی حق اور آزادی رکھتے ہیں چنانچہ صدر جمہوریہ سے لے کر رکن بلدیہ یا گرام پنچایت میں عہدہ حاصل کرنے کا حق اختیار ہر شہری کو مساوی حاصل ہے۔ عوامی عہدوں کے حصول میں کسی بھی قسم کے امتیاز کو غیر جمہوری و غیر دستوری سمجھا جائے گا۔ ایسی کسی امتیازی عمل کے خلاف متاثرہ شخص عدالت سے رجوع ہو کر اتفاق کرنے کا حق رکھتا ہے۔ عوامی عہدوں کے حصول میں رنگ و نسل، مذہب، جنس، یا کسی بھی قسم کا امتیاز روارکھا جائے گا۔ جنوبی افریقہ میں 1944 کے دستور کے نفاذ سے قبل رنگ و نسل کے امتیاز کی پالیسی کو اپنایا گیا تھا جس کو اپارتھائیڈ (Apartheid) کی پالیسی کا نام دیا گیا تھا۔

(d) شکایت و تنقید کا حق (Right to Grievance and Criticism)

جمہوری حکومت عوام کی عوام ذریعے اور عوام کے لیے ہوتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جمہوری حکومت میں عوام کو مرکزیت حاصل ہوتی ہے۔ اس طرح کوئی بھی جمہوری حکومت عوام کی مرضی، منشا و خیالات اور فیصلوں حتیٰ کہ روزمرہ کے مسائل کی ضرورتوں کو بھی نظر انداز

نہیں کر سکتے۔ عوام حکومت سے مسائل کو رجوع کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ حکومت ان مسائل پر توجہ دے گی۔ عوام حکومت کے عہدے داروں پر اردوں سے رجوع ہو کر بذریعہ درخواست اپنے سیاسی معاشی اور سیاسی مسائل کو رجوع کر سکتے ہیں۔ حکومت سے کوئی بھی شکایت اخبار میں اپنے مراسلات کے ذریعے بھی کر سکتا ہے۔ اس کے علاوہ عوام حکومتی پالیسیوں، فیصلوں اور پروگراموں پر تنقید بھی کر سکتے ہیں۔ آج کل تمام جمہوریتوں میں عوام کو حق جانکاری / معلومات قانوناً حاصل ہے جس کے ذریعے عوام حکومتی کارکردگیوں سے واقفیت حاصل کر سکتے ہیں۔ سونیزر لینڈ جیسی ریاست / جمہوری طریقوں پر عمل کیا جاتا ہے۔ جہاں شہریوں کو اپنے منتخب امیدواروں کو واپس بلانے (Recall) کا حق بھی رکھتے ہیں۔

اس کے علاوہ حکومت کے ہر محکمہ میں ایک تعلقات عامہ (Public Relation) کا عہدے دار بھی ہوتا ہے جو اپنے محکمہ اور عوام کے درمیان رابطہ کار کا فرائض انجام دیتا ہے۔ یہ عہدیدار عوامی شکایات کو وصول کرتے ہوئے انہیں متعلقہ عوام تک پہنچاتا ہے۔ حتیٰ کہ پارلیمنٹ میں بھی ایک کمیٹی برائے شکایات ہوتی ہے جس سے عوام شکایات کر سکتے ہیں۔ اس کمیٹی میں وزیر کو رکنیت نہیں دی جاتی۔ عوام اپنی شکایتیں اسپیکر کے نام بھیج سکتے ہیں۔ اصول ہونے والی شکایتوں کو اس کمیٹی سے رجوع کیا جاسکتا ہے۔

(e) ہجرت کا حق (Right to Migration)

کسی بھی ملک میں رہنے والے شہری اگر نسلی، مذہبی اور سیاسی نفرت اور تشدد کا شکار ہوں تو وہ اپنے ملک کو چھوڑ کر اپنی پسند کے کسی بھی ملک میں جا کر رہنے کا حق رکھتے ہیں۔ اسے ہجرت کا حق کہا جاتا ہے۔ آج دنیا کی ایک فیصد آبادی اپنے ملک کو چھوڑ کر کسی دوسرے ملک میں جا کر رہ رہے ہیں۔ بین الاقوامی قوانین نہ صرف اس کی اجازت دیتے ہیں بلکہ ممالک سے امید رکھتے ہیں کہ آنے والے پناہ گزینوں (مہاجرین) کو اپنے ملک میں جگہ دیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ زمین پر رہنے والا ہر شخص اس پورے کرہ ارض کا شہری ہے۔

10.8 فرائض (Duties)

فرائض حقوق کا لازمہ ہوتے ہیں چنانچہ پچھلے صفحات میں حقوق کی خصوصیات کی سرخی کے تحت ہم نے بتایا کہ فرائض کے بغیر حقوق ایسے ہی ہیں جیسے سایہ کے بغیر انسان جو کہ صرف پریوں کی کہانی میں ہی ممکن ہوتا ہے۔ اسی طرح حقوق و فرائض کے درمیان چولی دامن کا ساتھ ہوتا ہے۔ غرض یہ کہ فرائض کی بہتر ادائیگی سے ہی دوسروں کے حقوق پورے ہوتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں ایک کا حق دوسروں کے فرائض ہوتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں ایک کا حق دوسرے کا فرض بنتا ہے۔ اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ فرائض کی انجام دہی میں سماج میں افراد کے حقوق پورے ہوتے ہیں۔ اس طرح فرائض شہری کی وہ ذمہ داریاں ہوتی ہیں جن کی ادائیگی کے بغیر وہ ایک ذمہ دار شہری نہیں کہلا سکتا اور جن کو پورا کئے بغیر مملکت اور سماج میں اپنی حصہ داری پورا نہیں کر سکتا ہے۔ فرائض کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔

اخلاقی فرائض اور قانونی فرائض

1- اخلاقی فرائض (Moral Duties)

اخلاقی فرائض شہری کے وہ فرائض ہوتے ہیں جنہیں وہ اخلاقی طور پر اپنی ذمہ داری سمجھتا ہے۔ اگرچہ کہ وہ ان فرائض کی انجام دہی کے لیے قانوناً پابند نہیں ہوتا۔ شہری ان فرائض کو سماجی اخلاقی یا مذہبی دباؤ کی وجہ سے پورا کرتا ہے۔ ان فرائض کی انجام دہی کے ذریعے کوئی فرد روحانی خوشی و مسرت حاصل کرتا ہے۔ جیسے غریبوں کی مدد، خیرات، ناداروں کو مدد، یتیموں یا بیماروں اور ضرورت مندوں کی مدد کے ذریعے کوئی خوشی و مسرت حاصل کرتے ہیں۔ اس طرح بزرگوں، اساتذہ کی تعظیم اور چھوٹوں سے شفقت سے پیش آنا بھی اخلاقی فرائض کی مثال ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ اخلاقی فرائض کا تعلق فرد کے انفرادی اخلاق اور ضمیر سے ہوتا ہے۔ ان فرائض کے نفاذ کے لیے کسی قانون کے ذریعے جبر کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اخلاقی فرائض کی انجام دہی یا ادائیگی میں ناکامی پر مملکت یا حکومت فرد کو سزا نہیں دے سکتی۔ اخلاقی فرائض سب سے لیے یکساں نہیں ہوتے۔ یہ فرائض تحریری نوعیت کے حامل نہیں ہوتے ہیں۔

2- قانونی فرائض (Legal Duties)

قانونی فرائض وہ فرائض ہوتے ہیں جنہیں پورا کرنا ہر شہری کا فرض ہوتا ہے۔ ان فرائض کی عدم تکمیل پر شہری کے خلاف تادیبی (قانونی) کارروائی کی جاتی ہے۔ اخلاقی فرائض کے برعکس قانونی فرائض کی نوعیت یکساں ہوتی ہے۔ اور ان فرائض کا اطلاق تمام شہریوں پر یکساں ہوتا ہے۔ دنیا کے بعض دساتیر میں شہریوں کے حقوق کی طرح فرائض کو بھی بتایا گیا ہے۔ اور اس کی خلاف ورزی پر سزا دی جاتی ہے۔ قانونی فرائض میں قوم سے وفاداری، جھنڈے اور دستور کا احترام، عوامی جائیداد کا تحفظ وغیرہ اہم ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ ٹیکس کی بروقت ادائیگی حکومتی ایجنسیوں کے تعاون اہم فرائض ہیں جن پر کاربند رہنا ہر شہری کا فرائض ہوتا ہے۔ دستور ہند کے چوتھے حصے میں شہری کے فرائض کو 1976 میں شامل کیا گیا۔ تاہم ان کی نوعیت جبری نہیں ہے۔ قانونی فرائض کی بھی دو قسمیں ہوتی ہیں۔

(a) مثبت فرائض (b) منفی فرائض

(a) مثبت فرائض (Positive Duties)

مثبت فرائض وہ فرائض ہوتے ہیں جن پر عمل اور ہر شہری کے لیے لازمی ہوتی ہے۔ کوئی بھی شہری ان فرائض سے روگردانی نہیں کر سکتا۔ چنانچہ ہر شہری پر لازمی ہے کہ وہ ملک کے اقتدار اعلیٰ کا تحفظ کرے اور ایسا کوئی عمل نہ کرے جس سے ملک کے اقتدار اعلیٰ اور سالمیت کو نقصان پہنچتا ہو۔ اس طرح قانون کی اطاعت کرے۔ حکومت کو ممکنہ تعاون کی ضرورت پڑنے پر اپنی جان کی قربانی سے بھی گریز نہ کرے۔ مخالف قومی سرگرمیوں کی صورت میں شہری کو سزا بھی بھگتنا پڑ سکتا ہے۔

(b) منفی فرائض (Negative Duties)

منفی فرائض ایسے فرائض پر مشتمل ہوتے ہیں جن سے گریز کرنے کے لیے احکامات جاری کرتے ہیں۔ جیسے کرفیو کے دوران باہر نکلنے سے شہریوں کو منع کیا جاتا ہے۔ اس طرح حکومت شہریوں سے امید کرتی ہے کہ وہ بلیک مارکیٹنگ نہیں کر سکتے۔ عوامی جائیداد کا تحفظ کریں گے۔ ٹیکس کی چوری نہیں کریں گے۔ دوسروں کے حقوق میں مداخلت نہیں کریں گے۔ منفی فرائض کی تعمیل سے مملکت میں امن اور چین کے قیام میں مدد ملتی ہے۔ ان فرائض کا تعلق فرد کے خارجی رویہ سے ہوتا ہے۔

10.9 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اس اکائی کے مطالعے سے ہم نے؛

- حقوق کی معنی اور تعریف کو جان پائیں۔
- حقوق کے ارتقا سے واقفیت حاصل کیا۔
- اس کے علاوہ بنیادی حقوق، فرائض کی قسمیں اور حقوق و فرائض سے متعلق جانکاری حاصل کی۔
- حقوق کے نظریات اور اقسام سے بھی روبرو ہو پائیں۔

10.10 کلیدی الفاظ (Keywords)

بورژوا	:	کارل مارکس کا تصور امراء
پرولتاریہ	:	کارل مارکس کا تصور غریب / مزدور
بنیادی حقوق	:	جن کے بغیر تحقیق کی تشکیل ممکن نہیں ہوتی
مثالی نظریہ	:	انو کھا تصور

10.11 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

10.11.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1- موجودہ دستور میں کل کتنے طرح کی بنیادی حقوق ہیں۔

(a) پانچ (b) چھ (c) سات (d) چار

2. دستور کے کس حصے میں بنیادی حقوق کی توصیحات کی گئی ہے۔
 (a) حصہ 4 (b) حصہ 5 (c) حصہ 6 (d) حصہ 7
3. اصل دستور میں 'حق املاک' بنیادی حقوق کا حصہ تا لیکن اسے اب قانون کا درجہ حاصل ہے وہ اب کس دفعہ میں رکھا گیا ہے۔
 (a) دفعہ 301 (b) دفعہ 300 (c) دفعہ 302 (d) ان میں سے کوئی نہیں
4. کتنے سے کتنے دفعات تک بنیادی حقوق کی توصیحات دستور ہند میں کی گئی ہے۔
 (a) 14-32 (b) 12-36 (c) 12-32 (d) 12-40
5. کیا بنیادی حقوق میں ترمیم کیا جاسکتا ہے۔
 (a) ہاں (b) نہیں (c) ہاں لیکن 5 شرائط کے ساتھ (d) ان میں سے کوئی نہیں
6. دستور کے کس دفعہ کے تحت پارلیمنٹ کے ذریعہ کی گئی قانون سازی اگر وہ بنیادی حقوق کی پامالی کرتا ہے تو اعلیٰ عدلیہ بنائے گئے قانون کو مسترد کر سکتی ہے۔
 (a) دفعہ 13 (b) دفعہ 31 (c) دفعہ 32 (d) دفعہ 226
7. دفعہ 17 کس طرح کی توصیحات ہے۔
 (a) حق تعلیم (b) چھوت چھات کا خاتمہ (c) حق زندگی (d) حق املاک
8. مختلف میں کون دو دفعات خاص طور پر اقلیتی طبقہ سے ملحق ہے۔
 (a) دفعہ 30-2 (b) دفعہ 30-28 (c) دفعہ 29-27 (d) دفعہ 28-25
9. بنیادی حقوق کے گارجین کے طور پر کس تنظیم کو مانا جاتا ہے۔
 (a) عدلیہ (b) عاملہ (c) مقننہ (d) ان میں سے کوئی نہیں
10. مملکت کی تفصیلی تعریف کس دستور کے کس دفعہ میں بیان کی گئی ہے۔
 (a) دفعہ 12 (b) دفعہ 13 (c) دفعہ 14 (d) دفعہ 10

10.11.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. حقوق کی چند تعریفات کو بیان کریں۔
2. حقوق کی خصوصیات کیا ہیں۔
3. حقوق کی اقسام بیان کیجئے۔
4. فرائض کسے کہتے ہیں۔
5. مثبت فرائض کے متعلق وضاحت کیجئے۔

10.11.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. بنیادی حقوق کسے کہتے ہیں؟ حقوق کے تاریخی نظریہ پر روشنی ڈالیے۔
2. اخلاقی اور قانونی حقوق میں کیا فرق ہے؟ وضاحت کیجئے۔
3. حقوق اور فرائض کے تعلق پر نوٹ لکھیے۔ اخلاقی و قانونی فرائض کو بیان کیجئے۔

معروضی سوالات کے جوابات:

(a)	-5	(b)	-4	(a)	-3	(a)	-2	(b)	-1
(a)	-10	(c)	-9	(c)	-8	(b)	-7	(c)	-6

اکائی 11—سیاسی ذمہ داری

(Political Obligation)

اکائی کے اجزاء:

تمہید	11.0
مقاصد	11.1
ابتدائی تاریخ	11.2
ابتدائی تاریخ: نسرانی اثرات	11.2.1
جدید تصور کا ظہور	11.2.2
سیاسی ذمہ داری کی خصوصیات	11.3
سیاسی ذمہ داری کی تاریخی و اثری نظریات	11.4
تاریخی روایتی نظریات	11.4.1
ہم اصر نظریات	11.4.2
اکتسابی نتائج	11.5
کلیدی الفاظ	11.6
نمونہ امتحانی سوالات	11.7
معروضی جوابات کے حامل سوالات	11.7.1
مختصر جوابات کے حامل سوالات	11.7.2
طویل جوابات کے حامل سوالات	11.7.3

11.0 تمہید (Introduction)

عمومی طور پر سیاسی ذمہ داری کا مطلب اس اخلاقی ضرورت کو سمجھا جاتا ہے جو کسی فرد کو اپنے ملک یا اسٹیٹ کے مملکتی قوانین کے تابع کر دے۔ روایتی طور پر قانون کی اس تابعداری کو محض اس لیے ایک ضرورت سمجھا جاتا ہے کہ یہ ایک قانون ہے۔ کسی مخصوص قانونی مواد سے مختلف یہ ایک قانون ساز کا اختیار ہے احکام کے تناظر میں Thomas Hobbes اسے مرکزی خصوصیت سمجھتا ہے۔ اس کے مطابق 'فرمان یا حکم'،

جب ایک آدمی کہتا ہے کہ ”یہ کرو“ یا یہ نہیں کرو کسی اور وجہ سے قطع نظریہ محض فرمانبردار کا ارادہ ہوتا ہے۔ لفظ ’ذمہ داری‘ ایک لاطینی لفظ ’واجب‘ سے مشتق ہے جس کا اطلاق افراد کی اس پابندی پر ہے جسے انجام دینے کا انھیں حکم دیا گیا ہے۔ اس کے مختلف معنی ہیں۔ اخلاقیات کے دائرے میں یہ انسان کو اپنے فرائض سرانجام دینے کیلئے مطلع کرتا ہے جسے وہ اپنی عقلی تفہیم کی بنیاد پر قبول کرتا ہے۔ فقہ کے میدان میں، انسانوں کی معاشرتی زندگی قانون سے تنظیم پاتی ہے اور سیاست کی دنیا میں انسان کسی نہ کسی اقتدار کے تحت زندگی گزارنے کا پابند اور اسکے حکم کے تابع ہوتا ہے۔ یہ عام دانشمندی کی بنیاد پر مبنی ہے۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ سیاسی ذمہ داری کا معاملہ نوعیت سے متعلق امور پر قائم ہے جو حقوق، قوانین اور سیاسی تنظیم کو اپنے دائرے میں شامل کرتا ہے۔

سیاسی ذمہ داری عائد کرنا یہ ہے کہ اخلاقی فرض کی بنا پر کسی ملک یا ریاست کی قوانین کو تسلیم کرنا۔ سیاسی فلسفوں کے مابین اس ضمن میں تقریباً مکمل اتفاق نظر آتا ہے۔ لیکن کوئی اس طرح کی ذمہ داری کیسے حاصل کرتا ہے اور کتنے لوگوں نے واقعتاً وہ کام کیا ہے جو اسے حاصل کرنے کیلئے ضروری ہے یا سیاسی ذمہ داری ’کرنے‘ سے زیادہ ’ہونے‘ کا معاملہ ہے یعنی محض اس ملک یا ریاست کا رکن بننے کے تعلق سے ہے۔ ان سوالات کیلئے بہت سارے جوابات دئے گئے ہیں مگر اب کوئی بھی وسیع پیمانے پر ان احکام سے اتفاق نہیں رکھتا۔ درحقیقت، متعدد معاصر سیاسی مفکرین نے اس بات کی تردید کی ہے کہ سیاسی ذمہ داری کا ایک تسلی بخش نظریہ یا تو وضع کیا گیا ہے یا ہو سکتا ہے۔ تاہم، دوسرے یہ مانتے ہیں کہ جسے عام طور پر ’سیاسی ذمہ داری‘ کا مسئلہ مانا جاتا ہے اسکا حل ہے۔

میک فرسن (Macpherson) کے علاوہ کچھ اور لوگ ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ سیاسی ذمہ داری، سیاسی فلسفہ کا مرکزی یا بنیادی مسئلہ ہو، شبہ سے بالاتر نہیں ہو سکتا۔ تاہم، اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ سقراط کے زمانے سے لے کر آج تک سیاسی ذمہ داری کا تسلی بخش حساب فراہم کرنے کی کوششوں سے سیاسی فکر کی تاریخ بھری پڑی ہے۔ حالیہ برسوں میں یہ کوششیں تیزی سے آگے بڑھی ہیں مگر پھر بھی 17 ویں صدی میں سیاسی ذمہ داری کے مسئلے کے حل کیلئے جو کام Thomas Hobbes اور John Locke نے کیا تھا اسکے میزان تک نہیں پہنچ سکی۔ سیاسی ذمہ داری کی پریشان کن فطرت پر اب بھی بہتر کوششیں، سیاسی فکر کی تاریخ میں تشنہ لبی کا شکار ہے۔ اصول طور پر سیاسی ذمہ داری اس وقت بحث کا موضوع ہوتا ہے جب تابعداری کی ضرورت پر انگلی اٹھاتی جاتی ہے۔ جبکہ اس تناظر میں مغربی تاریخ خاموشی نظر آتی ہے۔ وہاں عمومی طور پر یہ فرض کر لیا جاتا ہے کہ قانون خواہ خدائی ہو یا انسانی، اسکی تابعداری ہونا چاہیے۔ سیاسی فرمان کو عام طور پر معاملات کی قدرتی حالت تصور کیا جاتا تھا۔

آزاد خیال روایت میں شخصی آزادی کو مرکزی قدر و قیمت حاصل ہے۔ اسی وجہ سے اس بات کا جواز طلب کیا جاتا ہے کہ کوئی کسی کی تابعداری کیوں کرے۔ اگر اسکا تسلی بخش جواز نہیں ملتا ہے تو لوگ اپنی آزادی کا تحفظ کرتے ہیں اور کسی کے تابع نہیں ہوتے۔ سیاسی ذمہ داری کا آزاد خیال یا جدید نظریے کا کلاسیکی طور پر اظہار John Locke کے ’Second Treaties of Government‘ میں ملتا ہے اور یہ خصوصی طور پر مقبول شعور میں ضم نظر آتا ہے۔ ان نظریات سے مطابقت رکھتے ہوئے منسلک سوالوں کا تسلی بخش جواب ضروری سمجھا جاتا ہے۔ آزاد خیال اور Locke کے نظریات کا مرکزی ماخذ اس ضمن میں یہ ہے کہ سیاسی ذمہ داریوں کی ایک مخصوص حد بندی ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ

ناموافق حالات میں اسے تحلیل کر دیا جاتا ہے یا ضرورت کے مطابق اسکی بالادستی یا سبقت برقرار نہیں رہتی۔ اسی لیے قانون کی تابعداری کی اخلاقی وجوہات کے علاوہ ایک قوی نظریے کی ضرورت ہوتی ہے جو اسکی حد مقرر کر سکے۔ مزید یہ کہ، Locke کے مطابق، سیاسی ذمہ داری، ایک فرد کی اپنی رضامندی سے وجود میں آنا چاہیے۔ یہ نہایت اہم ہے کہ خود رضامندی یا کسی مخصوص تحریک کی بنیادوں پر کوئی خود سے عمل درآمد کرے۔

11.1 مقاصد (Objectives)

زیر نظر عنوان سیاسی ذمہ داری کے مطالعہ کے بعد طلبا

- سیاسی ذمہ داری کی تصورات سے متعارف ہو سکیں گے۔
- اس کے تاریخی پس منظر اور ارتقاء کو سمجھ سکیں گے۔
- اس کے مختلف نظریات سے روشناس ہوں گے۔
- سیاسی ذمہ داری کے تئیں تنقیدی رجحان پیدا کر سکیں گے۔

11.2 ابتدائی تاریخ (Early History)

قدیم یونانیوں کے درمیان سیاسی ذمہ داری کے تصور پہ کسی معقول تبادلہ خیال کا نقش بہت کم ملتا ہے۔ ارسطو اپنی کتاب 'سیاست' میں رقم طراز ہے کہ یونانیوں کے پاس فرد کا ایک غیر ترقی یافتہ تصور تھا۔ تصوراتی اعتبار سے سماج کو شخصی وجود سے پہلے سمجھا جاتا تھا اور فرد کو سماج کا حصہ مانا جاتا تھا، جس پر اسکی اخلاقی اور ذہنی ترقی منحصر تھی، جسے وہ خوشگوار زندگی کا مرکز سمجھتے تھے۔ تصوراتی طور پر، اس پس منظر میں، قانون کے تابعداری کی ضرورت کو بغیر کسی جرح کے منظور کیا جاتا تھا۔ یونانی سیاسی نظریات، خصوصی طور پر افلاطون کی قوانین (Laws) اور جمہوریت (Republic) اور ارسطو کی سیاست (Politics) میں سیاسی ذمہ داری کی موضوع پر کوئی خاص توجہ نظر نہیں آتی۔ البتہ سقراط کا مقدمہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ ارسطو کے بیان کے مطابق یہ خصوصی استثناء سقراط کے مقدمہ اور قید سے متعلق ہے جو کریٹو (Crito) میں Athens کے قوانین پر سقراط کا مکالمہ ہے۔ جب سقراط کو موت کی سزا سنائی جاتی ہے اور اس پر عمل درآمد قریب نظر آتا ہے اس وقت قید سلاسل سے فرار کے حق بجانب ہونے پر سقراط معلوم کرتا ہے کہ آیا یہ صحیح ہے یا غلط۔ سقراط قوانین کے روبرو تابعداری کے حق میں دلائل کا ایک سلسلہ پیش کرتا ہے اور نفی کی صورت میں یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس سے مملکت کو نقصان پہنچے گا۔

399 قبل مسیح میں Athens کے ایک جوری (Jury) نے سقراط کو نوجوانوں کے اخلاقیات کو خراب کرنے اور بے دینی کا مجرم قرار دیا۔ ان جرائم کے سبب جوری نے اسے موت کی سزا دی۔ افلاطون کے بیان کے مطابق، سقراط کے دوستوں نے اس کے فرار کا بندوبست کیا لیکن اس نے وہیں ٹھہر کر جان لیوا زہر، ہیملوک (Hemlock) کو پینا پسند کیا۔ سقراط کا کہنا تھا کہ اسکے خلاف فیصلے کی خلاف ورزی کرنا، اسکے معاہدوں

اور وعدوں کو توڑتا ہے اور اسکے دوستوں سے، ملک اور Athens کے قوانین سے بدسلوکی کرنا ہے۔ سقراط کے دلائل نقوش انگیز ہیں مگر پھر بھی یہ سیاسی ذمہ داری کے نظریات کے طرف اشارہ کرتے ہیں جو اسکی موت کے بعد ڈھائی ہزار سالہ تاریخ میں سامنے آئے۔ یہ دلائل چار طرح کے ہیں۔

- سب سے پہلے، سقراط کا کہنا ہے کہ Athens میں اسکی طویل رہائش سے پتہ چلتا ہے کہ اس نے اسکے قوانین کے ساتھ معاہدہ کیا ہے اور اسکی تعمیل کیلئے خود سے عہد کیا ہے۔ ایسی دلیل معاشرتی معاہدے یا سیاسی ذمہ داری کے رضا مندی کے نظریہ کی توقع رکھتی ہے۔

- دوسرا، اس نے اعتراف کیا کہ اسکی پیدائش، پرورش، اور تعلیم کے ساتھ ساتھ دوسرے خوش کن حالات Athens کے قوانین کی وجہ سے ہیں اور اب ایسی حالت میں قوانین کی نافرمانی اس کیلئے غلط ہے۔ سقراط کا یہ بیان ذمہ داری کے نظریہ تشکر کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

- تیسرا، وہ تجویز کرتا ہے کہ نافرمانی، اس کے ذریعہ شہریوں کے ساتھ ایک طرح کی بدسلوکی ہوگی۔ سقراط کا یہ اپیل آج منصفانہ رویہ کی دلیل کے طور پر جانا جاتا ہے۔

- بالآخر سقراط، قوانین اور ریاست کے تصور پہ یہ کہتا ہے کہ ”کیا آپ اس امکان پر غور کرتے ہیں کہ کوئی شہر تباہ نہیں ہو سکتا اگر اسکی عدالت کے فیصلوں میں کوئی قوت نہ ہو اور اسے نجی افراد کے ذریعہ کا عدم قرار دے دیا جائے۔“ سقراط کے اس بیان سے افادیت پسند استدلال کا سراغ ملتا ہے۔

درحقیقت یہ تمام دلائل معاہدے کے حق میں تھے۔ کیونکہ سقراط جب Athens میں قیام پذیر تھا اور اسکو کہیں اور چلے جانے کا موقع بھی میسر تھا مگر اس نے قوانین کی اطاعت پر اتفاق کیا۔ سیاسی ذمہ داری پر اس وقت یہ دلیل نہایت ہی نفیس اور ترقی یافتہ تھی جسکی بنیاد رضامندی پر تھی بالخصوص خاموش رضامندی۔ مگر سقراط کے ان دلائل میں کچھ قباحتیں بھی تھیں۔ ان میں سے کوئی بھی دلیل مکمل طور پر بالیدہ نہیں تھا۔ مگر Crito میں اسکا بیان، ادارے اور تصورات کی قوت کا شاہد ہے۔ وابستگی اور معاہدہ، شکر گزاری، منصفانہ رویہ اور افادیت جو ذمہ داری اور اطاعت کے مباحثوں میں آج بھی رائج ہے۔ کچھ لوگوں کے نزدیک سقراط کے ذریعہ قانون کی اطاعت ضرورت سے زیادہ تھی جب فرمان آمریت کی حد تک ہو۔ سیاسی ذمہ داری اور قانون کی اطاعت کی رو سے سقراط پر جو مقدمہ قائم ہوا وہ غلط تھا اور اس کی سزا پر عمل درآمد بھی غلط تھا۔ یہ ایک تعجب خیز مقام تھا کہ اسے جیل میں رہنے اور سزا قبول کرنے کا پابند کیا گیا۔

11.2.1 ابتدائی تاریخ: نصرانی اثرات (Early History: Christian Influence)

قدیم یونانیوں کی طرح ابتدائی دور کے نصرانیوں نے بھی سیاسی ذمہ داری کے نظریاتی ارتقاء کیلئے کچھ خاص طبع آزمائی نہیں کی۔ رومیوں کو لکھے گئے سینٹ پال (St. Paul) کے مکتوب کے 13/ویں باب میں ابتدائی چرچ کی بنیادی حیثیت کا اظہار کچھ اس طرح ہے ”ہر فرد کو اقتدار کے

تابع ہونا چاہیے، کیونکہ خدا کے سوا کسی کو اختیار نہیں اور جن کو اختیار ہے وہ خدا کے ذریعہ قائم کیے گئے ہیں۔“ اس مکتوب کے مطابق نافرمانی گناہ کے ساتھ ساتھ ایک جرم بھی ہے۔ اگرچہ احکامات جو خدا کے حکم کے خلاف ہوں ان کی پابندی نہیں کی جانی چاہیے۔ ایک چھوٹی اور مشتبہ عقلیت کی حیثیت سے، جس کو رومن طاقت کے ذریعہ خطرہ تھا، یہ دو ٹوک بیان ان عیسائیوں کی سیاسی صورت حال کے عین مناسب تھا۔

11.2.2 جدید تصور کا ظہور (Emergence of Modern Imagination)

سیاسی ذمہ داری کے قابل اور اک جدید تصور کی نشوونما ایک لمبے عرصے کے دوران ہوئی۔ تقریباً 12/ویں صدی سے 17/ویں صدی کے وسط تک Hobbes 'Levellers' اور Locke کے کارگذاری سے اس نظریہ کو فروغ ملا۔ آزاد سیاسی نظریہ کے دوسرے اجزاء کی طرح سیاسی ذمہ داری کا جدید تصور بھی چرچ سے ابھر اور اسکا فروغ ایک مخصوص محرک کی طرح رہا۔ ابتدائی نصرانیوں کی ہی طرح جدید دور میں بھی اطاعت کی پختہ تقاضہ، وہ حدود تھے جن کو وہ تسلیم کرتے تھے۔ درحقیقت سیاسی ذمہ داری کے عنوان پر سنجیدہ توجہ اس وقت دی گئی جب اطاعت کے تقاضوں پر، بڑے پیمانے پر سوال اٹھائے جانے لگے۔ خاص احکامات کی عدم اطاعت کا جواز پیش کرنے کیلئے نظریہ ساز اس بات پر مجبور ہوئے کہ عوام کو کیوں تابعدار ہونا چاہیے اور اس کے حدود کیا ہیں؟ بعد کے صدیوں میں جب عدم اطاعت کے سوالات کا زور بڑھ گیا اور اس نے مزاحمت کی شکل اختیار کر لی تو سیاسی ذمہ داری کے آزاد خیال نظریہ کا ارتقاء ہوا۔ 11/ویں اور 12/ویں صدی میں یورپی معاشرہ کی بحالی کے ساتھ، ترقیاتی سلسلے اس بنیادی نظریہ پر یکجا ہوئے کہ سیاسی طاقت محدود ہے۔ اس اثناء میں مختلف دائرہ اختیار میں بادشاہوں کو اس امر پر مجبور کیا گیا کہ وہ اپنے علاقے کے برگزیدہ لوگوں سے مشورہ کریں۔ شاہی اختیارات پر پابندی کا ظہور 1215ء میں میگنا کارٹا میں ہوا جبکہ انگریزی ماڈل پارلیمنٹ کا ابتدائی اجلاس 1295ء میں اور فرانس میں Estate General کا اجلاس 1302ء میں ہوا۔

معاشرہ اقتدار کا منبع ہے، اس تنازعہ کے ساتھ مصلحین نے معاشرہ کی فلاح و بہبود حکمران کے ہاتھ میں دے دی۔ مجموعی طور پر ان نظریات کی بڑھتی ہوئی مقبولیت نے رضا مندی کے نظریہ کو تقویت دی۔ عملی اور نظریاتی طور پر اس بات کو بھی فروغ ملا کہ معاشرہ کو چاہیے کہ وہ جائز اقتدار کو منظور کر لے۔ اسی طرح کا کردار قدرتی قانون کے بازیافت کار نے ادا کیا۔ اس نے قانون کے قانونی حیثیت پر حدود قائم کر دیے۔ معیاری قدرتی قانون کے نظریے کے مطابق مثبت قوانین، قدرتی قانون کے استعمال کا نتیجہ ہے اور یہ اسی وقت تک جائز ہے جب تک اسکا مواد اپنے ماخذ سے مطابقت رکھتا ہو۔ اس طرح St. Thomas Aquinas لکھتا ہے کہ ”ہر انسانی قانون، قدرتی قانون کا اتنا ہی عکاس ہے جتنا وہ قدرتی قانون سے اخذ کیا گیا ہے۔“ لیکن اگر یہ کسی بھی نقطہ پر قدرتی قانون سے انحراف کرتا ہو تو یہ قانون نہیں رہتا بلکہ قانون کی بگڑی ہوئی شکل ہوتی ہے۔

جدید خیال کا مرکز خود مختار فرد کی رضا مندی ہے جسکے پاس سیاسی اقتدار کے مطالبات کو قبول کرنے یا نہیں کرنے کا حقیقی انتخاب ہے۔ معاشرے سے فرد کی طرف رجحان کی بنیادی تبدیلی کی وجوہات پیچیدہ ہیں۔ میک فرسن (1962) کے مطابق اس تبدیلی کے امکانات میں مارکیٹ معاشرہ ہے جو سرمایہ داری کی ترقی میں مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ جبکہ Oakley (1999) کے خیال کے مطابق ایک اور قابل

مذہب عنصر مختلف Protestant فرقوں کی انفرادیت پسندی کا رجحان ہے۔ خصوصاً جنہوں نے انفرادی رضا مندی کے ذریعہ جماعتیں تشکیل دی۔ اس کے بعد کہ سیاسی نظریہ کی ترقی کے سلسلے میں ایک بہت ہی اہم عنصر قدرتی حقوق کے تسلیم شدہ تصور کا خروج تھا۔ 13/ویں اور 14/ویں صدی کے (Canonists) کیننسٹوں نے پہلے املاک کے انفرادی حقوق اور ذاتی تحفظ کے سلسلے میں یہ تصور تیار کیا۔ 16/ صدی تک اس تصور کی تراش خراش، اسپین کے مختلف نظریہ سازوں نے کی۔ قدرتی قانون کے تصور کے زیر بحث ان نظریہ سازوں نے معاشرے کے ظہور کو افراد کے اجتماع کے سبب سمجھا۔ بنیادی طور پر ایک فطری حالت میں Louis de Molina نے فطرت کی ریاست سے تشبیہ دی۔

11.3 سیاسی ذمہ داری کی خصوصیات (Characteristics of Political Obligation)

سیاسی ذمہ داری ایک ایسی صورت حال ہے جس کے تحت عوام اپنے سیاسی نظام اور اسکے فرمان کو قبول کرتی ہے۔ اس سے متعلق تمام باتوں کو سمجھنے کے لیے لازم ہے کہ اسکی امتیازی خصوصیات پر نظر ڈالیں جو درج ذیل ہیں۔

- عوامی امور کا انتظام (Management of Public Affairs)
- سیاسی جواز (Political Legitimacy)
- اقتدار کے خلاف مزاحمت (Resistance to authority)

عوامی امور کا انتظام (Management of Public Affairs)

کسی بھی سیاسی نظام کا مطالعہ اس بات کو واضح کرتا ہے کہ اسکا نظم و نسق ایک انتہائی دشوار اور پیچیدہ معاملہ ہے۔ لہذا، حکومت کی ہموار کارکردگی اس بات پر منحصر کرتی ہے کہ تمام افراد دیانتدار ہوں اور ذمہ داری کے ساتھ عوامی معاملات میں شامل ہوں۔ اہم سیاسی عہدوں پر فائز لوگ عمومی فلاح و بہبود کے تئیں اپنے فیصلے کریں۔ یعنی ذاتی اغراض کی بنیادوں پر کیے گئے فیصلے سیاسی ذمہ داری اور دیانتداری کے عین مخالف سمجھا جائے۔ اس لیے نہ صرف عوام بلکہ اقتدار پر فائز ہر فرد کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ سیاسی موضوعات، عوامی امور اور حکومتی پالیسیوں پر انتہائی سنجیدگی کے ساتھ عمل درآمد کرے۔ اس طرح یہ ایک دیانتدار عوامی خدمت کے فرائض کے وسیع تصور کو فروغ دیتا ہے۔ کسی بھی حکومت کو چلانے کا فن آسان نہیں ہوتا ہے۔ یہ ایک مشکل اور وسیع کام ہے۔ کسی بھی غلط اقدام یا غلط حکمت کے سنگین نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔ اسکے برعکس، عوام کی خیر کے لیے حکومت کا ایک مثبت اور صحیح قدم قوم کی ترقی کے لیے بہتر نتائج پیدا کر سکتا ہے۔ اس طرح یہ ہر ایک باضمیر فرد کی ذمہ داری ہے کہ وہ عوامی امور، حکومت کی حکمت عملی اور سیاسی مسائل پر سنجیدگی سے دلچسپی لے۔ یہ تعامل عام فلاح کے لیے ہوگا۔ لہذا، سیاسی ذمہ داری، حکومت اور عوام، دونوں سے ایمانداری، سالمیت اور عوامی جذبے کا مطالبہ کرتی ہے۔

سیاسی جواز (Political Legitimacy)

کسی بھی سیاسی نظام کا استحکام صرف اسکے مخصوص بنیادی ڈھانچہ پر فروغ نہیں پاتا بلکہ یہ سیاسی جواز پر منحصر ہوتا ہے۔ سیاسی جواز، نظام کی وہ استعداد یا صلاحیت ہے جو اس یقین کو برقرار رکھتا ہے کہ موجودہ سماجی، معاشی اور سیاسی ادارے سماج کے لیے مناسب ہیں۔ حکومت کی بنیادیں انہیں اداروں پر قائم ہوتی ہیں۔ ان کے بغیر یا مستحکم نہ ہونے کی صورت میں حکومت کا زوال آجاتا ہے یا حکومت قانونی دشواریوں کی گرفت میں ہوتی ہے۔ سیاسی ذمہ داری کے تصور کا معاملہ لازمی طور پر سیاسی قانونی جواز اور تاثیر سے متعلق موضوع پر تفتیش کا باعث بنتا ہے۔ جمہوری سیاسی نظام کا استحکام نہ صرف معاشی ترقی پر بلکہ اسکی قانونی حیثیت پر بھی منحصر ہوتا ہے۔ قانونی حیثیت کا مطلب اس یقین کو پیدا کرنے اور بحال رکھنے کی گنجائش ہے جو موجودہ سیاسی ادارے یا اس کی شکلوں کو سماج کیلئے موزوں سمجھے اور جسکی بنیاد عام مرضی پر ہو۔ دوسری طرف تاثیر کا تعلق اس امر سے ہے کہ حکومت کی کارکردگی ایک اچھے نظام کا پتہ دیتی ہے اور اسکی پیمائش عوامی رد عمل سے ہوتا ہے۔

اقتدار کے خلاف مزاحمت (Resistance to authority)

سیاسی ذمہ داری کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اقتدار یا کسی فرمانروا کی تقلید ہر حال میں کی جائے۔ حکومتی اقدامات اور اس کے طریقوں پر تنقیدی رجحان یا اسکے خلاف مزاحمت ایک لازمی جز ہے۔ عوام پر لازم ہے کہ حکومت کے کارکردگی پر مسلسل نظر رکھے۔ اور فرائض کا تنقیدی مشاہدہ کرے۔ کیونکہ اگر اقتدار اپنے حد سے تجاوز کرنے لگے تو صرف عوام ہی فرد کی آزادی کے حمایت میں مزاحم ہو سکتی ہے۔ تاہم، مزاحمت کا مطلب ہر گز یہ نہیں کہ وہ سیاسی نظام کو تہہ وبالا کر دے۔ البتہ حقوق و آزادی کا تحفظ ضروری ہے اور اسکی کوششیں سماجی فلاح و بہبود کے تناظر میں ہونا چاہئے۔

سیاسی ذمہ داری کا تصور نہ صرف لوگوں کو اقتدار کے تابع کرتا ہے بلکہ ان کو اس بات پر بھی آمادہ کرتا ہے کہ وہ اقتدار کے طور طریقوں پر تنقید کرتے رہیں۔ عوام کو چاہئے کہ اپنے حکمرانوں کی حرکتوں کا جائزہ لیں اور اپنی آزادی پر حملے کی مزاحمت کریں۔ اس طرح سیاسی ذمہ داری کا تصور اقتدار کے خلاف مزاحمت کا تصور بھی رکھتا ہے۔ لیکن یقیناً، ریاست کے خلاف احتجاج کے حق کی بنیاد معاشرتی بہبود سے متعلق ہونا چاہئے۔ عوام کیلئے قابل فہم اور نافرمانی کے نتائج کو ریاستی نظام کی مکمل خرابی کا باعث نہیں ہونا چاہئے۔

11.4 سیاسی ذمہ داری کی تاریخی و عصری نظریات

(Historical and Contemporary Concepts of Political Obligation)

سیاسی ذمہ داری کی مختلف نظریات ہیں، جو تصوراتی رموز و اوقات کو بیان کرتے ہیں۔ ان نظریات میں خصوصی طور پر جن کا ذکر آتا ہے وہ درج ذیل ہیں۔

1- تاریخی / روایتی نظریات (Historical/Traditional Concepts)

(a) حکم الہی کا نظریہ

(b) سماجی معاہدہ کا نظریہ

(c) نظریہ نسخہ

(d) عینیت پسند نظریہ

(e) مارکسی نظریہ

(a) حکم الہی کا نظریہ

یہ نظریہ قدیم نظریات میں سے ایک ہے جو کسی ریاست کے حکمران کی اطاعت کی وجوہات بیان کرتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حکمران نے اپنا اختیار براہ راست خدا سے اخذ کیا ہے۔ یعنی لوگوں کو کسی شریر حکمران کے خلاف بغاوت کرنے کا کوئی حق نہیں۔ اس طرح عوام، بادشاہ کے اختیار کو تسلیم کرنے کے لیے مذہبی حکم کے پابند ہیں۔ بادشاہوں کے الہیہ حقوق قرون وسطیٰ کے دور میں عام تھے۔ تاہم، جدید دور میں نئی تعلیم کے آغاز کے ساتھ اس کی اہمیت ختم ہو گئی۔ پوری تاریخ میں یہ عقیدہ کہ سیاسی معاشرہ اور اسکے قوانین خدائی طور پر مقرر کئے گئے ہیں، اتنے مضبوط ہیں کہ بہت سے لوگوں کو اس عقیدے پر قائم رکھا جاسکتا ہے اور بہت سے ایسے ہیں جن کے نزدیک ان قوانین کی نافرمانی کا جواز شاہد ہی کبھی مل سکے۔ مگر عیسائیت کی آمد کے ساتھ اس امکان کو سنجیدگی سے لیا گیا۔ یعنی فرمانروا کا حکم، خدائی احکام سے مختلف ہو سکتا ہے۔ جب حکمرانوں نے عیسائیت کو دبانے کی کوشش کی تب یہ نقطہ اور بھی واضح ہو گیا۔

اس کے باوجود، عیسائی نظریہ یہ سمجھتا ہے کہ حکم الہی کے مطابق موجود قانون کی تعمیل کرنا ایک ذمہ داری ہے اس ضمن میں سب سے اہم رومیوں کو لکھا گیا سینٹ پال کا مکتوب ہے جس کے مطابق ”کسی کو کوئی اختیار نہیں، بجز خدا کی طرف سے اور وہ جن کو اختیار ہے وہ خدا کے ذریعہ قائم کئے گئے ہیں۔“ لہذا جو شخص حکام سے مزاحمت کرتا ہے وہ خدا کی مقرر کردہ چیزوں کے خلاف مزاحمت کرتا ہے اور جو لوگ مزاحمت کرتے ہیں انہیں سزا کا سامنا کرنا پڑے گا۔

سیاسی ذمہ داری کے نظریہ کے طور پر حکم الہی کو دو عام پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ سب سے پہلے یہ کسی طرح کی الوہیت کے وجود کو قیاس کرنا ہے اور دوسرا یہ کہ احکام الہیہ ہمیشہ واضح نہیں ہوتے ہیں۔ البتہ عیسائیوں کے لیے اصل مشکل یہ تھا کہ سینٹ پال کے متن کو اس تکلیف دہ حقیقت کے ساتھ مصالحت کرنا تھا کہ اکثر حکمران عیسائیت مخالف تھے۔ تاہم، ان تنازعات کے دباؤ میں، سیاسی ذمہ داری کا ایک نظریہ تیزی سے نمایاں ہوا، کیونکہ Protestants اس عقیدے پر انحصار کرنے لگے کہ سیاسی اختیار محکوم کی رضامندی سے حاصل ہوتی ہے۔

(b) سماجی معاہدہ کا نظریہ

اگرچہ معاہدہ یا رضامندی کا خیال کافی پرانا ہے اور قدیم ہندو فکر میں بھی پایا جاتا ہے، مگر بنیادی طور پر 16/ویں اور 17/ویں صدی میں سیاسی ذمہ داری کو سمجھانے کے لیے یورپ میں معاہدہ کے واضح نظریات کو تیار کیا گیا۔ اس نظریہ کا واضح اظہار Hobbes اور Locke کی تحریروں

میں پایا جاتا ہے۔ انکے خیالات کے مطابق فطرت کی حالت میں رہنے والے افراد کے درمیان ایک ایسا معاہدہ ہوا جسکے تحت سیاسی اختیار کا وجود ہوا جو درحقیقت لوگوں کی رضامندی پر ہی مبنی تھا۔ تاہم، معاشرتی معاہدہ کا خیال روسو کی تحریروں میں انتہائی فلسفیانہ شکل کو پہنچا جس نے سیاسی ذمہ داری کی حقیقت کو جزل ول (General Will) عام اتفاق میں سمجھا اسکا مطلب یہ تھا کہ انسان سول معاشرے میں داخل ہونے کے بعد محض اپنے حیات کا غلام نہیں رہتا بلکہ وہ عام فلاح کے قانون کی تابعداری کا پابند ہو جاتا ہے۔

اس طرح سماجی معاہدے کا نظریہ اس تصور کو جواز پیش کرتا ہے کہ اگر فرمانروا خود کو جائز رکھنا چاہتا ہے تو اسے محکوم کی رضامندی پر قائم ہونا چاہیے اگر حکومت معاہدے کی شرائط کے خلاف ورزی کرتی ہے تو عوام کو مزاحمت کرنے کا حق حاصل ہوگا۔ اس نظریہ کے مضمرات، عوامی حقوق و آزادی کا تحفظ اور حکمرانوں کی من مانی کو روکنا ہے۔ Hobbes کے نگاہ میں سماجی معاہدے کے نظریہ نے ایک ایسے شخص کا اختیار قائم کیا جو اسے برقرار رکھنے کے اہل تھا۔ اگر ہم خود کو حالت فطرت میں تصور کریں تو، Hobbes کے استدلال کے مطابق ہماری رہنمائی کے لیے نہ تو کوئی حکومت ہے نہ کوئی قانون، سوائے قدرت کے قانون کے۔ ہم یہ تسلیم کریں گے کہ ہر ایک فرد فطری طور پر مساوی اور آزاد ہے لیکن ہمیں یہ بھی تسلیم کر لینا چاہئے کہ یہ حالت قدرت، جنگ کی حالت ہوگی اور مزید طاقت کے حصول کی تمنا جو ہمیں محرک رکھتی ہے وہ ہر آدمی کے خلاف ہر آدمی کی جنگ کا باعث بنے گی۔ (Hobbes, Chap. 11-13)

اس خوفناک حالت سے فرار کے لیے لوگوں نے ایک خود مختار طاقت کی اطاعت کے لیے اپنی آزادی کو اس عہد کے ساتھ چھوڑ دیا کہ اس خود مختار طاقت کو قوانین بنانے، نافذ کرنے اور انکی ترجمانی کرنے کا اختیار حاصل ہوگا۔ سماجی معاہدے کی اس شکل کو Hobbes نے ”خود مختاری بذریعہ ادارہ“ کا نام دیا۔ ساتھ ہی اس نے اس بات پر بھی زور دیا کہ فاتح ان لوگوں پر اختیار حاصل کرتے ہیں جن پر انکی حکمرانی ہوتی ہے۔ Hobbes کہتا ہے کہ محکوم، موثر طاقت کی تابعداری پر رضامند ہو جاتے ہیں، خواہ طاقت انکی پسند کی ہو یا نہ ہو ایسی حالت میں ان پر ذمہ داری ہے کہ وہ خود مختار کی تعمیل کریں خواہ خود مختاری قائم کی گئی ہو یا حاصل کی گئی ہو۔ یہ ایک عملی تنازعہ ہے کہ اس ضمن میں Hobbes, Locke سے کتنا مختلف ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ Locke ان تصورات کو عملی جامہ پہنانے کے لیے سرگرداں نظر آتا ہے جسکی حد بہت محدود نظر آتی ہے۔ Locke کے مطابق فطرت کی حالت میں آزاد اور مساوی افراد، حکومت اس لیے قائم کرتے ہیں کہ ریاست کی پریشانیوں پر قابو پایا جاسکے۔ مزید یہ کہ Locke کا معاشرتی معاہدہ دو مراحل میں منقسم نظر آتا ہے۔ پہلے مرحلے میں قدرتی طور پر آزاد اور مساوی افراد قانون کے تحت خود کو ایک سیاسی معاشرے میں تشکیل دینے پر راضی ہو جاتے ہیں اور دوسرے مرحلے میں وہ حکومت قائم کرتے ہیں۔ Hobbes کے برخلاف Locke حق انقلاب پر لکھتا ہے کہ حکومت کا تختہ پلٹنے سے لوگ فوری طور پر فطرت کی حالت میں واپس نہیں جائیں گے۔ نہ ہی وہ Hobbes کی طرح اس بات کا حامی ہے کہ محض کسی فاتح کے تابع ہونے سے فاتح کی حکمرانی کے لیے رضامندی کی تشکیل ہو جاتی ہے۔

محکوم کی رضامندی سے قانون کی تعمیل کرنے کی ذمہ داریوں کو حاصل کرنے میں Hobbes, Locke سے متفق نظر آتا ہے۔ تاہم اپنی دلیل کو مضبوط کرنے کے لیے وہ تین ایسے مسائل کا انکشاف کرتا ہے جس نے معاشرتی معاہدے کے نظریہ کو نافذ کیا۔ ایک مسئلہ معاہدے کی

نوعیت سے ہے آیا یہ تاریخی ہے یا فرضی؟ اگر تاریخی ہے تو مسئلہ یہ ظاہر کرنا ہے کہ زیادہ تر لوگ واقعتاً اس طرح کے معاہدے میں داخل ہوئے ہیں۔ اگر معاہدہ ایک ایسا آلہ ہے جو یہ ظاہر کرتا ہے کہ دوسری طرف لوگوں نے اپنی رضامندی کس طرح دی ہے، تو پھر مشکل یہ ہے کہ فرضی معاہدہ ”بالکل کوئی معاہدہ ہی نہیں“۔ دوسرا مسئلہ Hobbes اور Locke کے موافق رضامندی کے انحصار کے طریقے پر ہے۔ اگر صرف معاہدے یا عہد نامے کے اظہار یا صریح بیانات کو حقیقی رضامندی کے طور پر شمار کیا جائے تو، اس کا مطلب ہے کہ بہت کم لوگوں نے اپنے ملک کے قوانین کی تعمیل کرنے پر رضامندی ظاہر کی ہے۔ لیکن اگر Tacit یا مضمحل رضامندی کی اجازت ہو تو رضامندی کا تصور بہت دور رس ہو سکتا ہے۔ آخر کار ان نظریات سے یہ واضح نہیں کہ رضامندی واقعی سیاسی ذمہ داری کی کلیدی ہے۔ Hobbes کے نظریہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جو نظم و ضبط برقرار رکھ سکتا ہے اس کی اطاعت ہماری ذمہ داری ہے۔ جبکہ Locke کے نظریہ میں ایسا لگتا ہے کہ کچھ چیزیں ایسی ہیں جن سے ہم رضامند نہیں ہو سکتے۔ خصوصی طور پر، ہم خود کو ایک مطلق العنان حکمران کے ماتحت رکھنے پر رضامند نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ایسا کرنے سے ہم ان مقاصد کو شکست دے دیں گے جن کے لیے ہم معاشرتی معاہدہ کرتے ہیں۔ مثلاً اپنی جان، آزادی اور املاک کا تحفظ۔

(c) نظریہ نسخہ

اس نظریہ کے مطابق سیاسی اقتدار اور اس سے عقیدت ’روایتی حقوق‘ کے اصول پر مبنی ہیں۔ اگر طویل عرصے سے رسم و رواج یا روایت کی بنیادوں پر منظور کیا گیا ہو تو اقتدار کو جائز سمجھا جاتا ہے۔ عوام اپنے حکمرانوں کی اطاعت اس لیے کرتے ہیں کہ اطاعت ایک منظم مجلس (Convention) کی طرح ہوتا ہے۔ روایتی مفکروں کی نظر میں ریاست ایک نازک ڈھانچہ ہوتا ہے جو کئی سال میں تیار ہوتا ہے اور یہ متضاد مفاد کی ایک متوازن نمائندگی کرتا ہے۔ ریاست جیسے ادارے آہستہ آہستہ تیار ہوتے ہیں اور اسی طرح تبدیلی اختیار کرتے ہیں۔ لہذا پر امن تبدیلی کے لیے یہ ضروری ہے کہ ریاست کے اختیار کو قبول اور اس کی تابعداری کی جائے۔ سیاسی ذمہ داری کا یہ قدامت پسند نظریہ مثبت طور پر ہیگل کے تحریروں میں پایا جاتا ہے جو یہ تسلیم کرتا ہے کہ ریاست کے سکٹم اور اداروں میں ٹھوس انداز میں اخلاقیات کے خیالات تیار ہوتے ہیں۔ اور اس عمل کا تازہ ترین مرحلہ موجودہ مستحکم نظام ہے جو ہماری اطاعت کا مستحق ہے۔ مزید یہ کہ چونکہ ریاست ایک طویل ارتقاء اور روایتی اخلاقیات کا مجسمہ ہے اس لیے ہر ایک پر فرض ہے کہ اس کی کارکردگی ریاست کی توقع کے مطابق ہو۔ قدامت پسندی کے سبب سے معروف مفکر Burke ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ انسان کے لیے یہ عقلندی نہیں ہے کہ وہ رسم و رواج اور روایت کو یکسر نظر انداز کرے۔ سیاسی ذمہ داری کی حقیقت روایت کو غیر متزلزل احترام دینے میں ہے، جو کہ ایک مقدس معاملہ ہے۔ اس طرح برک نے امریکی استعمار کی بغاوت کی حمایت کی جو انگریزوں کی روایتی حقوق کے حق میں تھا لیکن فرانسیسی انقلاب کی مخالفت کی کیونکہ یہ قومی روایات سے الگ انسان کے خیالی حقوق سے متاثر تھا۔ بقول پروفیسر اوکسٹ، ذمہ داری کے روایتی نظریہ کے ہم عصری حامی ہیں، سیاسی اقدامات، روایات کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ سیاسی سرگرمی سے پہلے سیاسی عکس وجود میں نہیں آ سکتا۔ سیاست ایک مہارت ہے جو نظریاتی بیان یا نظام کے بجائے مشق کے ذریعہ سیکھا جاتا ہے۔ لہذا جب ہم دوسرے لوگوں کی سیاست کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں تو ہمیشہ اس کا خاکہ اپنے اندر پاتے ہیں۔

(d) عینیت پسندی کا نظریہ

عینیت پسند مفکرین، سیاسی ذمہ داری کے مآخذ کا سراغ انسان کے فطری عقلیت میں لگاتے ہیں۔ وہ انسان کو ایک سیاسی اور عقلی مخلوق اور ریاست کو ایک خود کفیل طبقہ سمجھتے ہیں جسے پورے معاشرے سے مماثلت ہو۔ دراصل مکتب عینیت پسند نے ایک غیر مشروط اور لامحدود اطاعت کو جنم دیا لیکن بعد میں احتیاط کی غرض سے اس کی اصلاح کی گئی۔ معروف عینیت پسند، ہیگل اس بات کی ستائش کرتا ہے کہ ریاست 'خدا کا اوتار' اور زمین پر 'خدا کا وجود' ہے۔ ہیگل کہتا ہے کہ جب ایک فرد، ریاست کی اطاعت کرتا ہے تو درحقیقت وہ عقل الہی کی اقتدا کرتا ہے اور اس طرح وہ آزادی سے عمل درآمد کرتا ہے۔ اس کے مطابق ریاست ایک فطری وابستگی ہے جو اپنے تابع افراد کی حقیقی مرضی کی نمائندگی کرتا ہے۔ چنانچہ فرد اور ریاست کے مابین کوئی عداوت نہیں ہو سکتی بلکہ ایک فرد صرف ریاست کے حکم کی تعمیل کر کے معاشرے میں اپنی بہترین ممکن ترقی کر سکتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں سیاسی ذمہ داری کا منبع ریاست کی اطاعت میں شامل ہے۔ افلاطون اور ارسطو نے بھی اس بات کی تصدیق کی ہے کہ ریاست اور اس پر مشتمل افراد ایک مکمل نامیاتی (Organic) کی تشکیل دیتے ہیں۔ اس طرح کے اثبات کا بہترین مظہر ہیگل کی تحریر ہے جو فرد کی آزادی کی نشاندہی ریاست کی کامل اطاعت کے ساتھ کرتا ہے۔ T.H. Green بھی کہتا ہے کہ سیاسی ذمہ داری کا نظریہ، اخلاقی ذمہ داری سے وابستہ ہے۔ وہ تجویز کرتا ہے کہ صرف ان ہی اعمال کو ذمہ داری کے دائرے میں رکھنا چاہئے جو کسی مخصوص اخلاق سے منسلک ہو۔ T.H. Green کہتا ہے کہ مملکت کا کوئی بھی اقتدار اپنے تابعدار سے غیر مشروط ذمہ داری کا تقاضہ نہیں کر سکتا کیونکہ لوگوں کی وابستگی سماج سے ہوتی ہے نہ کہ حکومت سے۔ لہذا سیاسی ذمہ داری کے تعین میں سماج اہم کردار ادا کرتا ہے۔ گرین کے مطابق مملکت کے بجائے سماج اقتدار اور عام بھلائی کا مرکز ہوتا ہے۔

(e) مارکسی نظریہ

مارکس کے مطابق ریاست کسی بھی طرح معاشرے کی منظم طاقت نہیں۔ البتہ یہ غالب طبقہ کی منظم طاقت ضرور ہے خصوصی طور پر وہ طبقہ جو ذرائع پیداوار کا مالک ہوتا ہے۔ مارکسی نظریہ کے مطابق ریاست یا مملکت صرف ایک "بورژوا ادارہ" ہے اور ایک طبقہ کے اوپر دوسرے طبقہ کے ذریعہ ظلم و استحصا کا ایک آلہ ہے۔ ریاست کبھی بھی عام فلاح کا کام نہیں کر سکتی چنانچہ سیاسی ذمہ داری کا مارکسی نظریہ خاص طور پر ماقبل انقلاب مرحلہ میں ریاست کے تئیں کسی بھی تابعداری کی حمایت نہیں کرتا۔ فرد معاشرے کے تئیں اسی وقت فرما بردار ہو سکتا ہے جب معاشرہ طبقاتی اور مملکتی نظام سے پاک ہو۔ سیاسی ذمہ داری کا مارکسی نظریہ بنیادی طور پر اس موضوع کے دوسرے نظریات سے مختلف ہے۔ یہ انقلاب سے پہلے کے مرحلے میں سیاسی عدم ذمہ داری انقلابی مرحلے میں مکمل سیاسی ذمہ داری اور انقلاب کے بعد کے مرحلے میں معاشرتی ذمہ داری میں اسکے حتمی تبدیلی کے معاملے پر پابندی عائد کرتا ہے دوسرے لفظوں میں سیاسی ذمہ داری کا معاملہ اختیار کے کردار سے مربوط ہے۔

سیاست کے مارکسی نظریہ کے مطابق سرمایہ دارانہ معاشرے میں ریاست ایک بورژوا ادارہ کی حیثیت سے منحرف ہوتی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ ایک کامیاب انقلاب کے بعد محنت کشی طبقے کے پاس سماجی نظام کو مستحکم کرنے کے لیے طاقت کے آلے موجود ہیں تاکہ ایک طرح سے سو

شلیزم کے آخری مرحلے میں اپنے مٹ جانے کو تیار کر لیں۔ مارکسی نظریہ کے مطابق سیاسی ذمہ داری کے خیال میں سرمایہ دارانہ نظام کے دور میں بدنام ریاست پر ولتاریہ کی آمریت کے دور میں نئی ریاست اور غیر طبقاتی ہونے پر مناسب ریاست کے معاملات شامل ہیں۔ معاشرے کو معاشرتی وجود کے لاریاست (Stateless) طرز پر انتہائی مقام ملتا ہے۔

سیاست کے مارکسی نظریہ کا نقطہ آغاز اور اسکے ساتھ ہی سیاسی ذمہ داری اس نظریہ کو دو ٹوک مسترد کرتا ہے کہ ریاست ایک معتمد آئینی کار یا مجموعی طور پر معاشرے کے ایجنٹ کی حیثیت رکھتا ہے۔ سیاسی ذمہ داری کا معاملہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب انقلاب کے بعد نئی ریاست وجود میں آتی ہے۔ اس نظریہ میں قابل توجہ نقطہ وہی ہے جو سوشلسٹ ترتیب میں مقرر کیا گیا ہے۔ وہ سرمایہ دارانہ معاشرے میں ممنوع ہے، صرف یہ ہی نہیں بلکہ بنیادی تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں جو ریاست کی مخالفت کو بالکل ممنوع قرار دیتی ہیں۔ مارکسوں کا کام یہ ہے کہ وہ سیاسی ذمہ داری کے خیال کو انقلاب کے ماتحت بناتے ہیں دوسرے لفظوں میں سیاسی ذمہ داری کے نظریہ کا وجود سوشلزم کے آخری مرحلے میں ریاست کے مٹ جانے کے ساتھ ہی ختم ہو جاتا ہے (جسے اشتراکیت کہتے ہیں) اور بالآخر یہ معاشرتی ذمہ داری کے حکم میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اس طرح معاشرہ آزاد اور مساوات پیدا کرنے والے انجمنوں پر مشتمل ہو گا جو ایک مشترکہ اور عقلی منصوبہ پر شعوری طور پر عمل کریگا۔

2۔ ہم عصر نظریات (Contemporary Concepts)

اگرچہ ایک نظریہ کو دوسرے نظریہ سے ممتاز کرنے والی لکیریں ہمیشہ مخصوص نہیں ہوتی ہیں لیکن آج کل سیاسی ذمہ داری کے فلسفیانہ جواز عام طور پر رضامندی، شکر گزاری، منصفانہ طریقہ، رکنیت یا قدرتی فرض سے دلائل کی شکل اختیار کرتے ہیں۔ کچھ مفکرین، دو یا دو سے زیادہ کے مخلوط طریقوں کو پیش کرتے ہیں جبکہ بعض تکثیری نظریہ کو ضروری سمجھتے ہیں۔ اگرچہ قانون کی پاسداری کے لیے کسی عام ذمہ داری کو جواز بنانے کی کوششیں ان پانچ دلائل میں سے کسی ایک پر انحصار کرتی ہیں۔

(a) رضامندی کا نظریہ

(b) شکر گزاری کا نظریہ

(c) انصاف پسندی کا نظریہ

(d) رکنیت یا انجمن کا نظریہ

(e) قدرتی فرض کا نظریہ

(a) رضامندی کا نظریہ

زیادہ تر لوگ جو یہ سمجھتے ہیں کہ قانون کی پاسداری انکی ذمہ داری ہے شاید انکے خیال میں یہ ذمہ داری انکی رضا پر مبنی ہے۔ سیاسی مفکرین ایسے خیال پر بہت کم مائل ہیں۔ تاہم، اس مرجع تنقید کی روشنی میں، جس پر ہیوم (Hume) اور حالیہ مصنفین، خاص طور پر Simmons، نے رضا

مندی کا نظریہ اپنایا ہے۔ ناقدین کا دعویٰ یہ نہیں ہے کہ رضامندی ذمہ داریوں کا منبع نہیں ہو سکتی بلکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ایسا ہو سکتا ہے۔ اسکے باوجود سیاسی مفکرین کے مابین ابھی بھی رضامندی کے نظریہ کے پیروکار ہیں۔ ان کے رضامندی کے نظریہ کے نسخے کافی حد تک مختلف ہیں۔ تاہم، تنقیدوں کے جواب میں دو اہم نقطہ نظر سامنے آئے ہیں۔

پہلا، جسے ہیری بیرن (Harry Beran) نے پیش کیا وہ اس دعوے کو قبول کرتا ہے کہ صرف رضامندی کا اظہار ہی ایک سیاسی ذمہ داری پیدا کر سکتا ہے۔ لیکن سیاسی معاشرے سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اس طرح کی رضامندی کو قائم کرنے کے لیے باضابطہ طریقہ کار مرتب کریں۔ یعنی ریاستوں پر لازم ہے کہ اپنے ارکان سے قانون کی تعمیل کرنے کی ذمہ داری قبول کرنے یا انکار کرنے کو منظور کرائے۔ اس ذمہ داری کو مسترد کرنے والوں کے پاس پھر ریاست چھوڑنے، ہم خیال لوگوں کے ساتھ نئی ریاست تشکیل دینے یا ریاست کے اندر کسی علاقہ میں رہائش اختیار کرنے کے اختیار ہونگے جو اختلاف رائے دہندگان کے لیے مختص ہونگے۔ اس طرح کے طریقہ کار کی عدم موجودگی میں ایسا لگتا ہے Beran کے خیالات، فلسفہ انتشار کی طرح ہیں۔ اگر یہ طریقہ کار موجود ہوتے تاہم یہ بات ابھی تک واضح نہیں کہ ارکان کو دستیاب مواقع انکی رضامندی کو واقعی رضا کارانہ بنائیں گے۔ رضامندی کے نظریہ پر تنقید کے جواب کی دوسری سطر کسی نہ کسی طرح یہ بحث کرنا ہے کہ ناقدین رضامندی کو بہت تنگی سے سمجھتے ہیں چند مفکرین کے نزدیک دو ٹونگ یا بصورت دیگر انتخابات میں حصہ لینا رضامندی کے طور پر شمار ہونا چاہئے۔ مثلاً مدد کے لیے پولس کو بلانا، بچوں کو اسکول بھیجنا، عوامی لائبریری کا استعمال کرنا وغیرہ ریاست کے اداروں میں فعال شرکت کی شکل ہے۔

مارک مرفی (Mark Murphy) کے نزدیک فیصلے کے حوالے کرنا رضامندی کی ایک قسم ہے۔ اسے وہ رضا کارانہ معاہدہ یا قبولیت کے حسب معمول رضامندی کہتا ہے۔ جبکہ گلبرٹ کے نزدیک مشترکہ عہد لینے کے لیے رضا کارانہ طور پر سامنے آنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے نظریہ کے مطابق اگر کوئی سیاسی ذمہ داریوں کو قبول کرتا ہے تو مشترکہ عزم اور مشترکہ طور پر انجام دینے کی تیاریوں کی تفہیم ضروری ہے۔ David Estlund (2008) نے رضامندی کے نظریہ پر ایک نیازاویہ نگاہ پیش کیا۔ اسکے مشاہدے کے مطابق زیادہ تر مفکرین کا خیال ہے کہ اگر کسی کے اختیار کی رضامندی غلط ہے، تو رضامندی سے کام لینا بھی کالعدم ہے۔ مثال کے طور پر کسی دوسرے کے غلام بننے کی رضامندی سے کوئی ذمہ داری پیدا نہیں ہوتی ہے یہاں تک کہ اگر وہ کسی شخص کی خواہش کو حقیقی طور پر ظاہر کرتا ہے۔ Estlund یکسانیت کی بنیاد پر استدلال کرتا ہے کہ ہمیں ایسے معاملات میں بھی ایک ہی نتیجہ اخذ کرنا چاہیے جہاں کسی دوسرے شخص کے اختیار سے اتفاق رائے نہ کرنا غلط ہوگا۔

(b) شکر گزاری کا نظریہ

سیاسی ذمہ داری کے ضمن میں مباحثوں میں شکر یہ ادا کرنے کی اپیلیں اتنا ہی قدیم ہے جتنا افلاطون کی کریٹو (Crito) اور اس کی مقبولیت آج بھی ہے۔ اس سلسلے میں سقراط کے مطابق افلاطون کا استدلال خاص ہے کہ سقراط نے کم از کم چار امور میں سے ایک پر یہ وضاحت کی ہے کہ

کیوں و ہسزائے موت سنانے والے جوری کے فیصلے کی خلاف ورزی نہیں کرے گا۔ جب Simmons نے اپنی بااثر کتاب ”اخلاقی اصول اور سیاسی ذمہ داری (1979)“ میں سیاسی ذمہ داری کی اساس کے طور پر ”شکر“ کی کمزوری پر ایک باب شامل کیا تو اس میں کوئی شکریہ کا نظریہ نہیں تھا جس پر تنقید کو مرتکز کیا جاتا۔ بہت جلد ہی حالات کی تبدیلی کے ساتھ واکر (Walker) نے اپنی کتاب ”سیاسی ذمہ داری اور دلیل شکریہ“ میں اس نظریہ کا نقشہ کچھ اس طرح کھینچا ہے۔

- اگر کوئی کسی سے نفع اٹھاتا ہے تو بطور شکریہ اس پر واجب ہو جاتا ہے کہ وہ اسکے مفادات کے خلاف کام نہ کرے۔
- ہر شہری نے ریاست سے نفع اٹھایا ہے۔
- بطور تشکر، ہر شہری پر ذمہ داری ہے کہ وہ ایسا طریقہ اختیار نہ کرے جو ریاست کے مفادات کے منافی ہو۔
- قانون کی عدم تعمیل، ریاست کے مفادات کے منافی ہے۔
- بطور تشکر، ہر شہری پر لازم ہے کہ قانون کی تعمیل کرے۔

درج بالا دلائل پر مختلف مفکرین کی رائے ہے کہ کیا یہ دلائل واقعی سیاسی ذمہ داری کی تسلی بخش نظریہ کی اساس فراہم کرتی ہے۔

(c) انصاف پسندی کا نظریہ

اگرچہ سقراط سمیت چند مفکرین نے جو کچھ اپیل کیے تھے وہ منصفانہ رویہ کے نظریہ سے مشابہ تھے۔ اسکی کلاسیکی تشکیل وہی ہے جو Hart نے دیا تھا کہ کیا کوئی فطری حقوق ہیں؟ جو Hart کے مطابق جب متعدد افراد قواعد کے مطابق کوئی مشترکہ کاروبار کرتے ہیں اور اس طرح اپنی آزادی پر پابندی عائد کرتے ہیں تو ان پابندیوں کو پیش کرنے والے افراد کو جب ضرورت ہوتی ہے ان لوگوں سے بھی اسی طرح کی پیش کشی حاصل کرنے کا حق رکھتے ہیں۔

بعد میں John Rawls نے اپنے ایک پر اثر مضمون میں اس نظریہ کو اختیار کیا۔ اس نے منصفانہ رویہ سے ماخوذ فرائض کو اس اصول کے حوالے کے طور پر استعمال کیا۔ منصفانہ رویہ کا اصول یہ ہے کہ جو بھی شخص منصفانہ باہمی فائدہ مند تعاون پر مبنی عمل میں حصہ لیتا ہے اس پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ عملی بوجھ میں معقول حصہ لے۔ یہ ذمہ داری دوسرے افراد پر بھی عائد ہوتی ہے جو معاملات میں تعاون کرتے ہیں۔ کیونکہ تعاون ہی سے کسی بھی فرد کے لیے یہ ممکن ہوتا ہے کہ معاملات کے منافع سے وہ لطف اندوز ہو سکیں۔ اس طرح جو لوگ معاملات میں حصہ لیتے ہیں ان کے لیے حقوق بھی ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ فرائض بھی۔ جس طرح دوسروں کا حق ہے کہ کوئی انکے کام کا حصہ پورا کرے اسی طرح ان پر بھی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ کسی اور کا حصہ اٹھائیں۔ منصفانہ رویہ کا اصول کسی سیاسی معاشرے پر اسی وقت لاگو ہوتا ہے جب اسکے ارکان معقول حد تک اسکی تعظیم ایک معاون کاروبار کی طرح کریں۔ اراکین کی ذمہ داری ہے کہ اس طرح کے معاملات کو برقرار رکھنے میں وہ اپنا کردار ادا کریں کیونکہ اس طرح کی سیاست کی دیکھ بھال کے لیے قانون کی حکمرانی ضروری ہے۔

(d) رکنیت یا انجمن کا نظریہ

پچھلے تیس سالوں میں منظر عام پر آنے والے کسی نظریہ کے حامیوں کے مطابق سیاسی ذمہ داری کو ”رکنیت پر مبنی باہمی وابستہ ذمہ داری“ کے طور پر سمجھا جاتا ہے ان کا استدلال ہے کہ اگر ہم کسی جماعت کے رکن ہیں تو ہم اس پابند سلاسل کے تحت ہیں جو کسی اصول کے تحت عمل پیرا ہوں۔ رضا کارانہ ہو یا نہ ہو رکنیت کا مطلب ہے ذمہ داری۔ لہذا جو بھی شخص کسی خاص جمہور میں رکنیت کا اعتراف کرتا ہے اسے یہ بھی تسلیم کرنا چاہئے کہ قوانین کی پاسداری اسکی عام ذمہ داری ہے۔ باہمی تعلق کے نظریہ کا مرکزی خیال ہے کہ سیاسی ذمہ داری خاندانی ذمہ داریوں کے مترادف ایک رضا کارانہ ذمہ داری کی شکل ہے۔ Ronald Dworkin کے الفاظ میں، سیاسی وابستگی، جیسے خاندانی اور دوستی اور دیگر مقامی اور جذباتی اجتماع کی طرح اپنے آپ میں ذمہ داری کا حامل ہے۔

(e) قدرتی فرض کا نظریہ

سیاسی ذمہ داری پر مباحثے کی آخری کڑی قدرتی فرض کا نظریہ ہے اس تناظر میں قدرتی فرائض کو اس طرح سمجھا جاتا ہے کہ عوام کی حیثیت محض ایک اخلاقی ایجنٹ کی ہے اسے حاصل کرنے کے لیے انہیں نہ تو کچھ کرنے کی ضرورت ہے اور نہ ہی انکی اس طرح کی ذمہ داریوں کا انحصار انکی معاشرتی تعلقات پر ہے قدرتی فرائض اپنے دائرہ کار میں آفاقی ہیں۔ یہ کسی طبقے کے تمام ارکان کو حاصل ہوتے ہیں جو جذباتیت یا عقلیت جیسے اوصاف کے مالک ہوں۔ John Rawls نے سب سے پہلے سیاسی ذمہ داری کے لیے اس طرح کی دلیل پیش کی جب اس نے اپنی کتاب A Theory of Justice میں یہ دعویٰ کیا کہ ہر ایک انصاف فطری فرائض کے تابع ہے کہ ہمیں صرف انصاف کرنے والے اداروں کی حمایت کرنے اور ان پر عمل پیرا ہونے کی ضرورت ہے۔

عصر حاضر کے قدرتی فرائض کے نظریہ نگار، قدرتی فرائض کے اس نظریہ سے اختلاف رکھتے ہیں جو سیاسی ذمہ داری کی بنیاد فراہم کرتے ہیں۔ Christiano اپنے خیالات انصاف کے بنیادی اصولوں پر لکھتا ہے کہ لوگوں کے مفادات میں یکساں ترقی کی ضرورت ہے۔

11.5 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

عزیز طلباء، اس اکائی میں آپ نے:

- سیاسی ذمہ داری کی تصورات کا مطالعہ کیا۔
- سیاسی ذمہ داری کے تاریخی پس منظر اور ارتقاء کو سمجھا۔
- سیاسی ذمہ داری کے مختلف نظریات کا مطالعہ کیا۔
- سیاسی ذمہ داری کے تئیں تنقیدی رجحان کو جاننا۔

11.6 کلیدی الفاظ (Keywords)

- مطلق العنان: غلط طریقے سے جب کوئی حکمران مملکت کے سارے اختیارات اپنے پاس رکھتی ہے
- انصاف: کسی ملک یا سماج میں موجود مختلف گروہ کے ساتھ مساوی سلوک
- میگنا کارٹا: انگلینڈ میں جاری آزادی کا پہلا دستاویز
- سیاسی جواز: نظام کی وہ استعداد یا صلاحیت ہے جو اس یقین کو برقرار رکھتا ہے کہ موجودہ سماجی، معاشی اور سیاسی ادارے سماج کے لیے مناسب ہیں
-

11.7 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

11.7.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1- کریٹو (Crito) کس فلسفی کی تصنیف ہے؟

- (a) جان رالس (b) رولڈ ڈورکن
- (c) سقراط (d) مارکس

2- قدیم یونانی کتاب ”سیاست“ کس کی تصنیف ہے؟

- (a) جان رالس (b) ارسطو
- (c) سقراط (d) میکاوی

3- نظریہ سماجی معاہدہ کے مفکرین کے نام بتائیں؟

- (a) جان رالس (b) ہابز، لاک اور روسو
- (c) سقراط (d) افلاطون

4- ”مملکت زمین پر خدا کا وجود ہے“ کس فکر کے مفکر کا کلام ہے؟

- (a) ہیگل (b) کارل مارکس
- (c) سقراط (d) لاک

5- کس نظریہ کے مطابق مملکت صرف ایک بورژوا ادارہ ہے۔

(a) جان رالس (b) رولڈ ڈورکن

(c) ہابس (d) مارکس

6- لاریاست (Stateless Society) کی بات ان میں سے کون کرتا ہے؟

(a) ہیگل (b) رولڈ ڈورکن

(c) سقراط (d) مارکس

7- ایوا تھن کس مشہور مفکرین کی کتاب ہے؟

(a) ہابس (b) ارسطو

(c) سقراط (d) جان لاک

8- سقراط نے جو ہر پیا اسکا کیا نام ہے؟

(a) ہیمل لاک (b) روسی پیالہ

(c) سنہر پیالہ (d) ان میں سے کوئی نہیں

9- ”ہر آدمی کے خلاف ہر آدمی کی جنگ“ کس کا بیان ہے؟

(a) ارسطو (b) کارل مارکس

(c) تھامس ہابس (d) جان لاک

10- General will کا تصورات کس مفکرین سے مطلق ہے

(a) میکاؤلی (b) مارکس

(c) روسو (d) سقراط

11.7.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. سیاسی ذمہ داری کی تعریف بیان کریں؟

2. سیاسی ذمہ داری کی تاریخ پر ایک نوٹ لکھیں؟

3. سیاسی ذمہ داری کے عینیت پسند اور مارکسی نظریہ کا تقابلی جائزہ لیں۔
4. سیاسی ذمہ داری کے نظریہ سماجی معاہدہ کا تنقیدی جائزہ پیش کریں۔
5. سیاسی ذمہ داری کے امتیازی خصوصیات پر ایک نوٹ لکھیں۔

11.7.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. مارکسی نظریہ پر ایک تفصیلی نوٹ لکھیے۔
2. جدید تصور کے ظہور پر ایک مضمون لکھیے۔
3. نظریہ سماجی معاہدہ کا تنقیدی جائزہ لیجئے۔

معروضی سوالات کے جوابات:

(d)	-5	(a)	-4	(b)	-3	(b)	-2	(c)	-1
(c)	-10	(c)	-9	(a)	-8	(a)	-7	(d)	-6

اکائی 12—آزادی، مساوات اور انصاف

(Liberty, Equality and Justice)

اکائی کے اجزاء:

تمہید	12.0
مقاصد	12.1
آزادی کا مفہوم و تعریف	12.2
آزادی کی نوعیت	12.3
منفی آزادی	12.3.1
مثبت آزادی	12.3.2
آزادی کے اقسام	12.4
آزادی کے تحفظات	12.5
مساوات کے معنی و مفہوم	12.6
مساوات کی نوعیت	12.7
مساوات کی اقسام	12.8
ایجابی عمل	12.9
انصاف: مفہوم و تعریف	12.10
انصاف کی اقسام	12.11
انصاف کے نظریات	12.12
اکتسابی نتائج	12.13
کلیدی الفاظ	12.14
نمونہ امتحانی سوالات	12.15
معروضی جوابات کے حامل سوالات	12.15.1

12.15.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

12.15.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

12.0 تمہید (Introduction)

اس اکائی میں آزادی، مساوات اور انصاف کے تصور کو متعارف کروایا گیا ہے۔ اس اکائی میں ان نظریات کے ارتقا کے رجحانات کی وضاحت کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ ان نظریات کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

آزادی (Liberty) کا تصور بنیادی طور پر جدید دور میں ارتقا پذیر ہوا اور فلسفہ انفرادیت سے اس کا گہرا تعلق ہے۔ قدیم اور قرون وسطیٰ کے دور میں، موجودہ شکل میں آزادی کا تصور غائب تھا۔ سقراط اور افلاطون نے معاشرے یا ریاست کے خلاف انفرادی آزادی کے تصور کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ آزادی اور اس کے مختلف پہلوؤں پر بحث و مباحثے سے ایسا لگتا ہے کہ حقوق کا موضوع، آزادی کے موضوع کے ساتھ مربوط ہے۔ یہ ریاست کے ذریعے ان کے نفاذ کے ساتھ حقوق کی فراہمی ہے، جو شہریوں کی آزادی کو یقینی بناتا ہے اور اس طرح اسے اپنی شخصیت کی بہترین ترقی کا خواہاں بناتا ہے۔ آزادی کا مفہوم عام طور پر غلط طریقے سے لیا جاتا ہے کیونکہ اس کی نشاندہی حدود اور پابندیوں کی عدم موجودگی سے ہوتی ہے۔ آزادی کو انسان کے اپنی پسند سے کچھ بھی کرنے کے مترادف سمجھا جاتا ہے۔ ہابز آزادی کو لائسنس یا ایسی حالت قرار دیتا ہے، جس میں آپ اپنی پسند سے کچھ بھی کر سکتے ہیں جو فطرت کی فرضی حالت میں پائے جاتے ہیں۔ صحیح معنوں میں آزادی کا مطلب انسان کا وہ کرنا ہے جو کرنا مناسب ہو۔ آزادی کے بنیادی حد یہ ہے کہ قانون، آزادی کی شرط ہے۔

12.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کو مکمل کر لینے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ

- آزادی کے سیاسی نظریہ سے واقف ہو سکیں گے۔
- مساوات کے سیاسی نظریہ سے واقف ہو سکیں گے۔
- انصاف کے سیاسی نظریہ سے واقف ہو سکیں گے۔

12.2 آزادی کا مفہوم و تعریف (Meaning and Definition of Liberty)

لبرٹی کا مفہوم عام طور پر ایک غلط طریقے سے لیا جاتا ہے کیونکہ اس کی نشاندہی حدود اور پابندیوں کی عدم موجودگی سے ہوتی ہے۔ آزادی کو انسان کے اپنی مرضی سے کچھ بھی کرنے کے مترادف سمجھا جاتا ہے۔ لفظ 'لبرٹی'، لاطینی لفظ 'لبر' سے ماخوذ ہے، جس کے معنی 'آزاد' ہے۔ اس لحاظ سے آزادی کا مطلب پابندیوں سے اور اپنی پسند کے مطابق کام کرنے کی آزادی ہے۔ تاہم، ایک سول سوسائٹی میں آزادی کے اس طرح کے

معنی کو منفی اور نقصان دہ سمجھا جانا چاہئے۔ یہ صرف جنگل میں ہو سکتا ہے جہاں جانوروں کو پابندیوں سے آزادی حاصل ہے۔ سول سوسائٹی میں کسی بھی شخص کو پابندیوں سے آزادی کی قطعاً اجازت نہیں دی جاسکتی ہے۔ لہذا، آزادی کا مطلب تمام پابندیوں کی عدم موجودگی نہیں بلکہ ان پابندیوں کی عدم موجودگی ہے، جو غیر معقول ہوں۔ تاہم، آزادی کے مثبت پہلو کو اجاگر کرنے کا سہرا ٹی ایچ گرین کے سر ہے۔ انہوں نے اسے کسی ایسی چیز کرنے یا محظوظ ہونے کی ایک مثبت طاقت کے طور پر بیان کیا ہے جو دوسروں کے ساتھ مشترکہ طور پر کرنے کے قابل ہے۔ چونکہ انسان ایک سماجی مخلوق ہے، اس کی زندگی کو کچھ معاشرتی بندھنوں کے ذریعے منظم کرنا چاہئے۔ فرد کی آزادی کو نئے رسگالی کے ان اصولوں کے سلسلے میں غور کرنا چاہئے۔

آزادی کی تعریف

آزادی کی تعریف مختلف مفکرین کے مطابق مندرجہ ذیل ہے:

- جی ڈی ایچ کول کے مطابق، 'لبرٹی فرد کی آزادی ہے کہ وہ کسی بھی بیرونی رکاوٹوں کے بغیر اپنی شخصیت کا اظہار کرے'۔
- تھامس ہابس کے مطابق، 'لبرٹی کا مطلب ہے پابندیوں کی عدم موجودگی'۔
- ٹی ایچ گرین کا ماننا ہے، 'آزادی کام کرنے یا محظوظ ہونے کی مثبت صلاحیت ہے، کچھ قابل کرنے یا محظوظ ہونے کی اور وہ بھی دوسروں کے ساتھ کچھ کرنے یا محظوظ ہونے کی'۔
- ایم کے گاندھی کے مطابق، 'لبرٹی کا مطلب پابندیوں کی عدم موجودگی ہے، لیکن یہ لبرٹی کی ترقی پر منحصر ہے۔
- بقول لاسکی، 'لبرٹی معاشرتی زندگی کے ان حالات کا وجود ہے جس کے بغیر کوئی بھی، عموماً، اپنی بہترین حیثیت نہیں رکھ سکتا۔ لبرٹی اس ماحول کی بے چین بحالی ہے جس میں لوگوں کو اپنی بہترین ترقی کے مواقع ملتے ہیں'۔

12.3 آزادی کی نوعیت (Nature of Liberty)

آزادی کی نوعیت کو مندرجہ ذیل نکات کے ذریعے بیان کیا جاتا ہے۔

- آزادی کا مطلب ہر طرح کی پابندیوں کی عدم موجودگی نہیں ہے۔
- آزادی معقول پابندیوں کی موجودگی اور غیر معقول پابندیوں کی عدم موجودگی کا اعتراف کرتی ہے۔
- آزادی ایسے حالات کی مانگ کرتی ہے جس سے لوگوں کو حقوق سے محظوظ ہونے اور ان کی شخصیات کی نشوونما کرنے کے قابل بنایا جاسکتا ہے۔
- آزادی کچھ بھی اور سب کچھ کرنے کا اجازت نامہ نہیں ہے۔ اس کا مطلب صرف ان چیزوں کی آزادی ہے جو کرنے اور محظوظ ہونے کے قابل سمجھے جاتے ہیں۔

- آزادی صرف سول سوسائٹی میں ہی ممکن ہے، ناکہ فطری حالت یا جنگل کی ریاست میں۔ ریاست انتشار کبھی بھی آزادی کی ریاست نہیں ہو سکتی۔
- آزادی سب کے لئے ہے۔ آزادی کا مطلب ہے سب کے لئے مناسب مواقع کی موجودگی، جس سے وہ اپنے حقوق کو استعمال کر سکیں۔
- معاشرے میں آزادی کی لازمی شرط قانون ہے۔ قانون ان حالات کو برقرار رکھتا ہے جو ریاست کے تمام لوگوں کی آزادی سے محفوظ ہونے کے لئے ضروری ہیں۔
- تمام حقوق میں آزادی بنیادی حق ہے۔ تمام حقوق میں حق آزادی کا مقام صرف جینے کے حق کے بعد آتا ہے۔

12.3.1 منفی آزادی (Negative Liberty)

رسمی معنوں میں، آزادی کو 'پابندیوں کی عدم موجودگی' کے طور پر بیان کیا جاتا ہے۔ آزادی کا یہ نظریہ آزادی کو ریاست کے خلاف فرد کے دعوے کے طور پر مانتا ہے۔ ریاست کو فرد کے اعمال پر کوئی پابندی نہیں لگانی چاہئے۔ یہ نظریہ آزادی کا منفی نظریہ کہلاتا ہے۔ یہ نظریہ یورپ میں سترہویں اور اٹھارویں صدی کے دوران نمایاں تھا۔ آزادی کے منفی تصور کے بطور خاص دو اہم حامی ہیں، ایک جے ایس مل، اور دوسرا ہیرولڈ لاسکی۔ مل کے مطابق فرد کی سرگرمیوں میں کسی بھی قسم کی رکاوٹ کی عدم موجودگی، آزادی ہے۔ کلاسیکی لیبرلز کا خیال ہے کہ بیرونی رکاوٹوں کی کمی آزادی ہے۔ ان کے مطابق فرد کی سرگرمی اور خواہش پر بھی کوئی پابندی عائد نہیں کی جانی چاہئے۔ فرد کو اپنے نفس اور خواہش کے مطابق کام کرنے کی پوری آزادی سے لطف اندوز ہونا چاہئے۔ اگر فرد کسی حکم کی تعمیل کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ فطری قانون کے ذریعے اپنے ضمیر کے مطابق کام کر رہا ہے۔ لہذا، آزادی کے منفی تصور کے داعی نے پیش گوئی کی کہ منفی آزادی کے تحت کسی مداخلت کی توقع نہیں کی جاتی ہے۔ برطانوی لیبرلز کے رجحان کے مطابق ریاست، معاشرے یا دوسرے افراد کے ذریعے کسی جبر کی عدم موجودگی آزادی ہے۔ لیکن یہ بات قابل ذکر ہے کہ ہر قسم کی پابندیوں کی عدم موجودگی کو آزادی نہیں کہا جاسکتا کیونکہ اس سے انتشار پھیل سکتا ہے۔

منفی آزادی کی نوعیت مندرجہ ذیل نکات سے بیان کی جاسکتی ہے۔

- ریاست یا معاشرے کی طرف سے عائد پابندیوں کی عدم موجودگی آزادی ہے۔
- فرد کی آزادی اور ریاست کے اختیار کے مابین فطری تضاد پایا جاتا ہے۔
- وہ حکومت بہترین ہے جو کم سے کم حکومت کرتی ہے۔
- زندگی، جائے داد اور اظہار خیال کی آزادی لامحدود ہیں۔
- شہری اور سیاسی آزادی فرد کے لئے ضروری ہے۔
- سرمایہ دارانہ معیشت وہ فطری نظام ہے جس میں فرد خود بخود زیادہ سے زیادہ معاشی آزادی حاصل کرتا ہے۔

- افراد کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ ان پر جو پابندیاں عائد کی گئی ہیں وہ ضروری ہے اور اس میں سب کی فلاح ہے۔
- فرد کو معاشرتی زندگی میں حصہ لینے کا حق ہونا چاہئے۔ کیونکہ اس صورت میں وہ اس پابندی سے بے حس نہیں رہے گا۔ شہریوں میں شعور ہر معاشرے میں ضروری ہے۔
- جب تک انسان کی خواہش کی حوصلہ افزائی نہیں کی جائے گی، آزادی ممکن نہیں ہو سکتی، لیکن ان خواہشات کو نظم و ضبط اور قابو میں رکھنا چاہئے۔

لہذا منفی آزادی کے بارے میں لاسکی کا تصور نہ تو خود مختار طریقے سے کسی کی مرضی کے مطابق کام کرنا ہے اور نہ ہی آنکھیں بند کر کے قوانین کی اطاعت کرنا۔ آزادی اور اس کی حدود، دونوں کی بنیاد اخلاقی اور معاشرتی بھی ہے۔ منفی آزادی ریاست کو فرد کی ذاتی آزادی کا دشمن سمجھتی ہے۔ منفی آزادی، آزادی کے ذاتی اور سیاسی پہلوؤں پر زور دیتی ہے۔ منفی آزادی، معاشرے کے مارکیٹ بازار تصور پر مبنی ہے۔

12.3.2 مثبت آزادی (Positive Liberty)

مثبت آزادی کا تصور انیسویں صدی کے آخر میں ظہور پذیر ہوا۔ اس نظریہ کی بحث کانٹ، ہیگل، گرین، بوسنکیٹ، بارکر اور لاسکی کی تحریروں میں ملتی ہے۔ تاہم، آزادی کے مثبت معنی کو اجاگر کرنے کا سہرا اٹی ایچ گرین کے سر ہے۔ انہوں نے اسے کسی ایسی چیز کو کرنے یا محظوظ ہونے کی ایک مثبت طاقت کے طور پر بیان کیا ہے جو دوسروں کے ساتھ مشترکہ طور پر کرنے کے قابل یا لطف اٹھانے کے قابل ہے۔ چونکہ انسان ایک سماجی مخلوق ہے، لہذا اس کی زندگی کو کچھ معاشرتی بندھنوں کے ذریعے منظم کرنا چاہئے۔ مثبت آزادی سے مراد وہ آزادی ہے جس میں معاشرے کے ہر طبقے کے لئے زندگی جینے اور اس سے لطف اندوز ہونے کی مناسب سہولیات میسر ہوں، دولت مند اور طاقتور افراد کو معقول اور مطلوبہ اشیاء کی فراہمی ہو اور کمزور اور غریبوں کو مناسب طریقے سے اور باعزت زندگی گزارنے کے مواقع حاصل ہوں۔ رکاوٹوں کی عدم موجودگی کے بجائے فرد کی شخصیت کی دائمی نشوونما اور ترقی کے لئے مواقع، حقیقی آزادی ہے۔

مثبت آزادی کا حقیقی مطلب موقع کی دستیابی ہے جس کے ذریعے انسان اپنی شخصیت کی مجموعی ترقی کے لئے آگے بڑھ سکتا ہے۔ اس کی شخصیت کی نشوونما کے مواقع کا استعمال اسی وقت ممکن ہے، جب زیادہ سے زیادہ حد تک حقوق محفوظ ہوں۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ ریاست مواقع مہیا کر سکتی ہے، لیکن اس کا انحصار فرد پر ہے۔ لہذا، آزادی کا مثبت نقطہ نظر شہریوں کی مجموعی ترقی کے لئے مناسب موقع کی دستیابی ہے۔ آزادی کے مثبت نظریہ کا تعلق فرد کی حیثیت کو بالاتر کرنے سے ہے۔ یہ واضح ہے کہ پابندیوں کی عدم موجودگی کے بجائے، آزادی درحقیقت عقلی پابندیوں کے ذریعے غلط حدود کا متبادل ہے۔ اس قول کے تحت، یہ بات بالکل واضح ہے کہ ریاست کو ایک غیر فعال تماشائی بن کر نہیں رہنا چاہئے، بلکہ ایک فعال شریک کی حیثیت سے کام کرنا چاہئے۔ آزادی کے مثبت تصور سے مراد ایسی ہم آہنگی والی فضا پیدا کرنا ہے جس میں ہر شخص ترقی پسند محسوس ہوتا ہے۔ مثبت آزادی کی نوعیت کو مندرجہ ذیل خصوصیات کی مدد سے سمجھا جاسکتا ہے۔

- آزادی کا حقیقی مطلب مناسب پابندیاں عائد کرنا ہے۔ یاد دوسرے لفظوں میں تمام پابندیوں کی عدم موجودگی آزادی نہیں بلکہ صوابدیدی ہے۔
- ریاست اور فرد کے مابین کوئی فطری تضاد نہیں ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ریاست کے اختیار فرد کی آزادی میں رکاوٹ نہیں ہیں، لہذا اگر ریاست سازگار حالات فراہم کرے تو فرد آزادانہ طور اپنی زندگی گزار سکتا ہے۔
- صرف بیرونی حالات حقیقی آزاد ماحول فراہم کرنے میں کامیاب نہیں ہیں۔
- آزادی کے حق کے استعمال کے لئے فرد کے تناظر میں دو عوامل درکار ہیں۔ ایک فرد کے حق الماک پر پابندیاں عائد کرنا اور دوسرا افراد کا قانونی پابندیوں کو قبول کرنا۔
- شہریوں کو سیاسی آزادی کے ساتھ ساتھ معاشی آزادی فراہم کرنا بہت ضروری ہے۔
- سرمایہ دار اور مزدور کے معاشی مفادات میں ہم آہنگی لانا ضروری ہے۔ برلن کے مطابق مثبت آزادی، آزادی کو تنہا چھوڑنے کی ترجمانی نہیں کرتی بلکہ 'خود مختاری' کی حیثیت سے بیان کرتی ہے۔ ظاہر ہے، مثبت آزادی کی نوعیت منفی تصور کے مقابلے میں جامع، وسیع، عملی اور جدید ہے۔

12.4 مثبت آزادی کی اقسام (Types of Positive Liberty)

فرانسیسی فلسفی مائٹیکو کی رائے ہے کہ علم سیاسیات میں آزادی کے علاوہ، شاید ہی کوئی ایسی اصطلاح ہوگی جس کے بہت سے مفہوم ہیں اور جس نے لوگوں کے ذہنوں کو وسیع پہانے پر متاثر کیا ہے۔ مائٹیکو کے اس اعتقاد کی سب سے بڑی وجہ آزادی کی مختلف اقسام ہے۔ آزادی کی مختلف اقسام مندرجہ ذیل ہیں۔

(1) فطری آزادی (Natural Liberty)

فطری آزادی کا مطلب ہے انسان کو اپنی مرضی سے ہر کام کرنے کی بے لگام آزادی، جنگل میں شیر کی طرح۔ یہ جنگل کی آزادی کا دوسرا نام ہے۔ اس سے مراد دوسروں کی پسند سے قطع نظر اپنی پسند کے مطابق کرنے کی خواہش یا اجازت نامہ ہو سکتا ہے۔ اس کا مطلب معاشرتی ہم آہنگی سے ہونے والے دستوروں سے آزادی ہے، جسے دور دراز ملک، اضلاع یا تنہا جنگل میں رہ کر حاصل کیا جاسکتا ہے۔ یہ ایک ایسی حالت ہے جس میں معاشرتی قوانین، کنونشنز اور رسوم و رواج سے کسی قسم کی مداخلت یا روک تھام نہیں ہوتی۔ ایسی آزادی ریاست کے وجود میں آنے سے پہلے ممکن تھی۔ فطری آزادی کے حامیوں میں جان لاک، تھامس ہابز اور جیمز جیک روسو سب سے اہم ہیں۔ قدرتی آزادی کی بنیاد طاقت ہے، ریاست کے آغاز سے پہلے ہی فرد فطری آزادی سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ریاست کا فرد کی آزادی میں کوئی کردار نہیں تھا۔ تھامس ہابز کا خیال تھا کہ ریاست سے پہلے یعنی فطرت کی حالت میں آزادی کا وجود تھا، یہ بالکل فطری بات ہے کہ سول سوسائٹی کے وجود میں آنے پر اسے ختم کر دیا گیا۔ روسو کا یہ مفروضہ کہ 'انسان آزاد پیدا ہوتا ہے اور ہر جگہ زنجیروں میں جکڑ جاتا ہے' اس بات پر زور دیتا ہے کہ

انسان معاشرتی معاہدے سے جو کھوتا ہے، وہ اس کی فطری آزادی ہے۔ فطری آزادی کے حامیوں کی رائے ہے کہ ریاست کو ان پر پابندی لگانے اور اس پر حدود لگانے کا کوئی حق نہیں ہے۔ دراصل فطری آزادی کا مطلب ہے کسی بھی کام کو اپنی مرضی کے مطابق انجام دینے کی آزادی۔ اسی خیال کا عکس امریکی اعلان آزادی اور فرانسیسی جمہوری انقلاب میں بھی جھلکتا ہے۔ لیکن حقیقت میں فطری آزادی کا خیال ایک افسانہ ہے اور فطری آزادی کا تصور تخیل کی لڑائی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ دراصل آزادی معاشرے کا نتیجہ ہے اور اس کا استعمال معاشرہ میں ہی کیا جاسکتا ہے۔

(2) شہری آزادی (Civil Liberty)

ریاست اور معاشرے میں جب اقتدار جائز ہوں اور قانون اور آئین کے مطابق پابندیاں عائد کی جائیں، شہری آزادی غالب ہوتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ فرد کو اپنے حقوق کو مناسب اور جائز پابندیوں میں استعمال کرنا چاہئے۔ دراصل شہری آزادی سے فرد اپنی صلاحیتوں سے شہری کی حیثیت سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ لہذا شہری آزادی کا مطلب غیر معقول اور ناجائز پابندیوں کی عدم موجودگی ہے۔ جدید دور میں تمام جمہوری اور ترقی پسند حکومت اپنے شہریوں کو بولنے، لکھنے، کسی بھی پیشے کو اپنانے، کسی بھی مذہب پر عمل پیرا ہونے، جائز طریقے سے جائے داد جمع کرنے، ریاست بھر میں انجمنیں تشکیل دینے، پرامن متحد ہونے کی آزادی فراہم کرتی ہے، کیونکہ اس کے بغیر شہری کی ترقی ممکن نہیں ہے۔ گیٹل کے مطابق شہری آزادی کا مطلب ایسے حقوق اور استحقاق ہیں جو ریاست نے اپنے شہریوں کے لئے وضع کئے ہیں، اور ان کا تحفظ ریاست کے ذمے ہیں۔ اس طرح قانونی طور پر فراہم کردہ اور ریاست سے محفوظ حقوق، شہری آزادیوں کے زمرے میں شامل ہیں۔ گیٹل نے ٹھیک کہا ہے کہ شہری آزادی میں کسی بھی کام کو کرنے کی آزادی اور مداخلت سے آزادی دونوں شامل ہیں۔ اس طرح، یہ بات بالکل واضح ہے کہ شہری آزادی قانون کا نتیجہ ہے اور اس سے صرف ایک ذمہ دار حکومت کے تحت مستفید اور استعمال کیا جاسکتا ہے۔ جائیداد رکھنے کی آزادی، اظہارِ رائے کی آزادی، قانون کی نظر میں مساوات وغیرہ کا شمار شہری آزادی میں ہوتا ہے۔

(3) انفرادی آزادی (Individual Liberty)

افراد کو اپنی روزمرہ زندگی میں کوئی مداخلت پسند نہیں ہوتی ہے اور وہ اسے برداشت بھی نہیں کرتے ہیں۔ تمام افراد اپنے لباس، طرز زندگی، کھانے کی عادات، شادیوں، بچوں کی تعلیم، پیشوں، مشاغل وغیرہ کے معاملے میں آزاد رہنا پسند کرتے ہیں۔ تقریر اور اظہارِ رائے کی آزادی، رہائش کی آزادی، نقل و حرکت کی آزادی، ضمیر کی آزادی، تجارت یا پیشے کے انتخاب کی آزادی، ذاتی ملکیت کا حق، کسی بھی مذہب کا اعتراف کرنے یا نہ کرنے کی آزادی اور نظریہ کو قبول کرنے یا نہ ماننے کی آزادی، یہ سب انفرادی آزادی کے زمرے میں آتے ہیں۔ تاہم، ان تمام آزادیوں کو اسی طرح استعمال کرنا ہے، جس سے دوسروں کی مساوی آزادی میں رکاوٹ نہیں پڑتی ہے اور ساتھ ہی عوامی نظم و ضبط، صحت اور اخلاقیات کی بھی خلاف ورزی نہیں ہوتی ہے۔ درحقیقت، انسان اپنے نفس، دماغ اور روح کے حوالے سے آزاد ہے۔ یہ معاشرتی آزادی کی ایک اہم قسم ہے۔

(4) سیاسی آزادی (Political Liberty)

سیاسی آزادی کا مطلب لوگوں کا ریاست کے امور میں سرگرم عمل رہنے کا اختیار ہے۔ اسے آئینی آزادی بھی کہا جاسکتا ہے۔ اسے جمہوریت کے مترادف سمجھا جاتا ہے۔ لوگوں کے ذریعے سیاسی حقوق کے استعمال کے اچھے اور مناسب مواقع کو سیاسی آزادی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جب عوام کو سیاسی عمل میں حصہ لینے کی آزادی حاصل ہے تو یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ سیاسی آزادی سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ سیاسی آزادی میں ووٹ ڈالنے کا حق، انتخابات لڑنے کا حق، حکومت کی پالیسیوں پر تنقید اور مخالفت کرنے کا حق، سیاسی جماعتوں، مفادات گروہوں اور اثر انداز گروہوں کی تشکیل کا حق اور آئینی ذرائع سے حکومت کی تبدیلی کا حق شامل ہے۔ سیاسی آزادی کا دائرہ کار میں اضافے کے لئے جمہوریت، تعلیم کا پھیلاؤ، سیاسی جماعتوں کا قیام اور صحافت کی آزادی لازمی شرائط ہیں۔

(5) معاشی آزادی (Economic Liberty)

آج معاشی آزادی کی اہمیت اجاگر ہو گئی ہے۔ یہ ایک پروڈیوسر یا کارکن کے طور پر فرد کی صلاحیت کے تعلق رکھتی ہے۔ لاسکی معاشی آزادی کو کل کی خواہش سے آزادی اور معاش حاصل کرنے کے لئے مناسب مواقع کی دستیابی سے تعبیر کرتا ہے۔ معاشی آزادی سب کے لئے کم از کم بنیادی ضروریات یعنی غذا، لباس اور رہائش کی فراہمی کی دلالت کرتی ہے۔ معاشی آزادی تب ہی حاصل کی جاسکتی ہے جب بھوک، افلاس، محرومی اور بے روزگاری سے آزادی ہو۔ معاشی آزادی کے بغیر سیاسی آزادی بے معنی ہو جاتی ہے۔ جب عوام بھوک، افلاس اور بد حالی کے خوف سے آزاد نہیں ہیں تو وہ کبھی بھی اپنے حقوق اور آزادی سے لطف اندوز ہونے کے بارے میں نہیں سوچ سکتے۔ کام کرنے کا حق، مناسب اجرت کا حق، معاش کے مناسب مواقع، آرام اور فرصت کا حق اور بڑھاپے میں معاشی سلامتی کا حق معاشی آزادی کی مثالیں ہیں۔

(6) قومی آزادی (National Liberty)

قومی آزادی ایک قوم کے ذریعے دوسری قوم کے استعماری یا سامراجی محکوم ہونے کے معاملے کو مسترد کرتا ہے۔ اس طرح، آزادی کو قومی تحریکوں کے طور پر سمجھا جاسکتا ہے۔ مثال کے طور پر امریکیوں نے میں اور ہندوستان نے میں قومی آزادی حاصل کی۔ اس کا مطلب ہر ملک کی آزادی ہے یا دوسرے لفظوں میں خود کی حکمرانی یا سورا جیہ یا غیر ملکی حکمرانی سے آزادی ہے۔ ریاست اگر غیر ملکی حکمرانی کے تابع نہ ہو تو اسے قومی آزادی حاصل ہے۔ اگر تمام افراد، ایک قوم سے وابستہ افراد کی حیثیت سے آزادی سے لطف اندوز ہوتے ہیں تو آزادی قومی ہو جاتی ہے۔ چونکہ قومی آزادی شہری، سیاسی اور معاشی آزادی کی اساس بنتی ہے، لہذا اس کی اہمیت کا ادراک کرنا بہت آسان ہے۔ جب لوگ کسی بھی غیر ملکی کنٹرول سے مکمل طور پر آزاد ہو جاتے ہیں اور اپنی ہی حکومت رکھتے ہیں تو اصطلاح کے حقیقی معنوں میں ریاست میں قومی آزادی ایک حقیقت بن جاتی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ عملی طور پر قومی آزادی اسی وقت ممکن ہے جب ریاست کو مکمل خود مختار حیثیت حاصل ہو۔

(7) مذہبی آزادی (Religious Liberty)

مذہبی آزادی کا مطلب ہے کہ فرد کو کسی بھی مذہب کا اعتراف کرنے یا نہ کرنے کی آزادی ہے۔ اعتقاد اور عبادات کی آزادی اور لوگوں کے مذہبی امور میں ریاست کی عدم مداخلت، مذہبی آزادی کے لئے ضروری ہے۔ معاشرے میں آزادانہ طور پر اپنی سرگرمیاں انجام دینے کے لئے تمام مذاہب کو برابری کی حیثیت حاصل ہو، سیکولرزم ایسی مذہبی آزادی کا مطالبہ کرتا ہے۔

(8) اخلاقی آزادی (Moral Liberty)

اخلاقی آزادی کا مطلب ہے یہ ہے کہ فرد کو تمام مخلوقات اور انسانوں کے ساتھ اپنے جیسا سلوک کرنا چاہئے۔ آشیر و تھم نے کہا کہ اخلاقی آزادی بے لوث انسانیت کی فلاح و بہبودی کے حصول اور پوری انسانیت کی خدمت کی میراث ہے۔ اخلاقی آزادی کا مطلب کسی کے اپنے ضمیر کے مطابق کام کرنے کی آزادی ہے۔ اخلاقی آزادی انسان کی استعداد میں ہے کہ وہ اس کی عقلی خودی کا مظاہرہ کرے۔

12.5 آزادی کے تحفظات (Protection of Liberty)

آزادی کے کچھ ضروری حفاظتی اقدامات مندرجہ ذیل ہیں۔

1۔ آزادی کے لئے محبت:

جب لوگ اپنی آزادی کے ساتھ پوری شدت سے پیار کریں گے، صرف اسی صورت میں آزادی کی واقعتاً حفاظت کی جاسکتی ہے۔ لوگوں کی طرف سے اپنی آزادی کا دفاع کرنے کے لئے مستقل کوششوں کی ضرورت ہے۔

2۔ ابدی نگرانی:

لوگوں کی آزادی کا دفاع کرنے کا عزم اور ان کی آزادی کو کسی بھی تجاوزات کے خلاف مکمل نگرانی آزادی کا دوسرا اہم تحفظ ہے۔ 'ابدی نگرانی آزادی کی قیمت ہے'۔

3۔ سب کو مساوی حقوق کی فراہمی:

آزادی کے تحفظ کے لئے ضروری ہے کہ معاشرے میں مراعات یافتہ افراد کی کوئی جماعت نہ ہو۔ آزادی تب ہی قائم رہ سکتی ہے، جب تمام لوگوں کو بلا امتیاز، مساوی حقوق دیئے جائیں۔ کسی بھی طبقے کو خصوصی مراعات اور حقوق کی فراہمی ہمیشہ آزادی کے جذبے کے خلاف ہوتی ہے۔ تاہم، معاشرے کے محروم طبقات کو کچھ خصوصی مراعات کی فراہمی کو منصفانہ اور ضروری سمجھا جاتا ہے۔

4۔ جمہوری نظام:

جمہوری نظام کا قیام آزادی کا لازمی تحفظ ہے۔ آزادی اور جمہوریت، دونوں ایک دوسرے کے ضمنی ہیں۔ ہم شہری، معاشی، سیاسی اور انفرادی آزادی کی موجودگی کے بغیر جمہوریت کا تصور نہیں کر سکتے ہیں۔

5۔ کسی کے حقوق دوسروں کی مرضی پر منحصر نہیں ہونا چاہیے:

لاسکی نے مشورہ دیا ہے کہ ریاست کو یہ یقینی بنانا چاہیے کہ لوگوں کے حقوق اور آزادی دوسروں کی مرضی اور خوشی پر منحصر نہ ہوں۔ حکمران اور محکوم، دونوں قانون کی حکمرانی کے تحت ہونے چاہیے۔

6۔ منصفانہ سرکاری کاروائی:

آزادی کے تحفظ کے لئے یہ ضروری ہے کہ حکومت معاشرے کے ہر طبقے پر غیر جانبدارانہ قابو رکھے۔ اسے ایک ذمہ دار شفاف اور جوابدہ حکومت کی حیثیت سے کام کرنا چاہیے۔

7۔ بنیادی حقوق کا تحفظ:

آزادی کے تحفظ کا ایک کلیدی طریقہ یہ ہے کہ ریاست کے آئین میں بنیادی حقوق اور آزادی کا چارٹر شامل کیا جائے۔ اس کے ساتھ ہی حقوق کو عدالتی تحفظ دیا جائے۔

8۔ عدلیہ کی آزادی:

عدلیہ کو لوگوں کے تمام حقوق اور آزادیوں کے تحفظ کی ذمہ داری سونپی جانی چاہیے۔ اس طرح کے اہم کام کے نفاذ کے لئے عدلیہ کو آزاد اور مکمل طور پر بااختیار بنانا ہوگا۔

9۔ اختیارات کی علیحدگی:

مقتضہ اور عاملہ کے مابین اختیارات کی علیحدگی کو محفوظ بنانا چاہیے۔ عدلیہ کو ان سے بالکل الگ ہونا چاہیے۔ ممکنہ آمریت کے خلاف آزادی کے تحفظ کے لئے یہ ضروری ہے کہ اختیارات کی لامرکزیت عمل میں لائی جائے۔ حکومت کے اختیار، خاص طور پر عاملہ کو متعدد تنظیموں میں تقسیم کیا جانا چاہیے، اور یہ حکومت کے مقامی، صوبائی اور قومی تینوں سطحوں پر ہونا چاہیے۔

10۔ قانون کی حکمرانی:

تمام لوگوں کو ایک ہی قوانین کے تحت ہونا چاہیے اور اسی طرح کی ذمہ داریوں کا پابند ہونا چاہیے، مزید کوئی بھی قانون سے بالاتر نہیں ہونا چاہیے۔

11۔ معاشی مساوات:

دولت اور وسائل کی منصفانہ تقسیم اور حصول معاش کے مناسب مواقع، آزادی کے ضروری تحفظ ہیں۔

12۔ منظم مفادات گروہ اور غیر سرکاری تنظیمیں:

آزادی کے لئے ایک انتہائی ضروری تحفظ منظم مفادات گروہوں، غیر سرکاری تنظیموں اور رضاکارانہ سماجی خدمات کی تنظیموں کی موجودگی ہے۔ ایسی تنظیمیں آزادی کی تمام خلاف ورزیوں کے خلاف جنگ کے لئے متحد ہو کر کام کر سکتی ہیں۔

یہ تمام شرائط ہر شخص کی آزادی کے تحفظ کے لئے ضروری ہیں۔

12.6 مساوات کے معنی و مفہوم (Meaning and Definition of Equality)

آزادی اور مساوات، لوگوں کے دو سب سے قیمتی حقوق ہیں۔ یہ جمہوریت کے دو بنیادی ستون ہیں۔ فرانسیسی انقلابیوں نے آزادی اور اخوت کے ساتھ ساتھ مساوات کا مطالبہ کیا تھا۔ فرانسیسی منشورِ حقوق میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے کہ ’انسان آزاد پیدا ہوتا ہے، اور اپنے حقوق کے سلسلے میں ہمیشہ آزاد اور مساوی رہتا ہے۔‘ ہندوستانی آئین کی تمہید انصاف، آزادی اور اخوت کے ساتھ ساتھ مساوات کو ہندوستانی جمہوریہ کے چار بنیادی مقاصد میں سے ایک قرار دیتی ہے۔

اکثر یہ سمجھا جاتا ہے کہ قدرت نے انسانوں کو مساوی بنایا ہے۔ سب کے سب برابر ہے اور سب کے لئے آمدنی، کام اور سہولیات برابر ہونی چاہیے اور سب کے لئے مساوی مقدار میں جائے داد ہونی چاہیے۔ مساوات کے اس معنی کے حامی اس بات پر زور دیتے ہیں کہ تمام انسان مساوی پیدا ہوئے ہیں اور اسی طرح قدرت نے ان کو ایسا ہی رکھنے کا ارادہ کیا ہے۔ دراصل مساوات کا صحیح معنی یہ ہے کہ تمام افراد کو ذات پات، مذہب، زبان، رنگ، مسلک، جنس، پیشہ، املاک وغیرہ کی بنیاد پر بلا امتیاز ترقی کے یکساں مواقع فراہم کئے جائیں۔ جہاں تک حقوق کے سوال کا تعلق ہے، سب کو کسی بھی طرح کے امتیاز کے بغیر مساوی موقع ملنا چاہیے اور انھیں اپنی شخصیت کی نشوونما کے لئے ضروری تعلیم، رہائش، کھانا، کپڑا اور دیگر سہولیات حاصل کرنی ہوں گی۔ مساوات سے مراد ہر طرح کے خصوصی مراعات کو ختم کیا جانا چاہیے۔ آسان الفاظ میں، انسانوں کے مابین کوئی فرق نہیں ہونے دینا چاہیے۔ مساوات کی اصطلاح کا مثبت معنی سب کے لئے مناسب موقع کی فراہمی ہے۔ ہیرالڈ لاسکی کے مطابق مساوات کا مطلب یہ ہے کہ مناسب مواقع تمام لوگوں کے لئے کھلے ہوں اور خصوصی مراعات کی عدم موجودگی ہوں۔ بنیادی طور پر مساوات، کسی خاص سطح پر لانے کے عمل سے واقع ہوتی ہے۔ اس کے لئے معاشرتی قوتوں کا اس طرح بندوبست کرنے کی ضرورت ہے کہ ہر ایک کو اس کا حق مل جائے۔

1. ڈی ڈی رافل کے مطابق، ’مساوات کا حق بنیادی انسانی ضرورت کے مساوی اطمینان کا حق ہے، جس میں انسان کی صلاحیتوں کو

فروغ دینے اور استعمال کرنے کی ضرورت بھی شامل ہے‘۔

2. ہیرالڈ لاسکی کا ماننا ہے کہ مساوات کا مطلب یہ ہے کہ کسی بھی شخص کو معاشرے میں ایسا مقام نہیں دیا جائے کہ وہ اپنے پڑوسی سے اس حد تک تجاوز کرے جس سے پڑوسی کی شہریت سے انکار ہوتا ہے۔
3. بقول بارکر، 'مساوات کا مطلب تمام لوگوں کے لئے مساوی حقوق اور تمام خصوصی مراعات و حقوق کا خاتمہ ہے'۔

12.7 مساوات کی نوعیت (Nature of Equality)

مساوات کی نوعیت کو مندرجہ ذیل نکات سے بیان کیا جاسکتا ہے۔

1- مساوات سے مراد مطلق مساوات نہیں ہے۔

عام مفہوم میں مساوات سے مراد سب کے لئے سلوک اور انعام کی مکمل برابری لیا جاتا ہے اور اس کا مطالبہ فطری مساوات کے طور پر کیا جاتا ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ تمام انسان آزاد اور مساوی پیدا ہوتے ہیں۔ تاہم، دلوں کی سخت جذباتی اپیل کے باوجود، سب کی فطری اور مطلق مساوات کے تصور کو پوری طرح قبول نہیں کیا جاسکتا ہے۔ انسان نہ تو اپنی جسمانی خصوصیات کے لحاظ سے برابر ہیں اور نہ ہی اپنی ذہنی صلاحیتوں کے لحاظ سے۔ کچھ طاقتور ہوتے ہیں اور کچھ کمزور، کچھ دوسروں کے مقابلے میں زیادہ ذہین اور قابل ہوتے ہیں۔ ان کی صلاحیتیں اور اہلیتیں مختلف ہوتی ہیں۔ چونکہ سلوک اور انعامات کی برابری کو یقینی بنایا جاسکتا ہے، لہذا انعامات مختلف افراد کی اصل صلاحیتوں اور کام پر منحصر ہونا چاہیے۔ پس مساوات سے مراد مطلق اور مکمل مساوات نہیں ہے۔ مساوات کا حقیقی مطلب ترقی کے مساوی مواقع ہیں۔ جب ہم تمام انسانوں کی مساوات کی بات کرتے ہیں، تو ہماری مراد عام اور منصفانہ مساوات ہوتی ہے، نہ کہ مطلق مساوات۔

2- مساوات سے مراد تمام غیر فطری اور غیر منصفانہ عدم مساوات کی عدم موجودگی ہے۔

معاشرے میں عدم مساوات کی دو اقسام موجود ہیں، اول، فطری عدم مساوات اور دوم، انسان ساختہ غیر فطری عدم مساوات۔ فطری عدم مساوات سے مراد ہے انسانوں میں فطری اختلافات۔ اسے سب کو قبول کرنا ہوگا۔ انسان ساختہ عدم مساوات کچھ معاشرتی حالات اور امتیازی سلوک کی وجہ سے وجود میں آئے ہیں۔ ذات پات، رنگ، مسلک، مذہب، جنس، مقام پیدائش وغیرہ کے نام پر جو امتیاز برتا جاتا ہے اور عدم مساوات کو برقرار رکھا جاتا ہے، وہ سب غیر فطری انسان ساختہ عدم مساوات ہیں۔ مساوات سے مراد ایسی تمام عدم مساوات اور امتیازی سلوک کا خاتمہ ہے۔

12.8 مساوات کی اقسام (Types of Equality)

1- فطری مساوات (Natural Equality)

اس حقیقت کے باوجود کہ انسان اپنی جسمانی خصوصیات، نفسیاتی خصائص، ذہنی صلاحیتوں اور اہلیتوں کے معاملے میں ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں، تمام انسانوں کو بطور انسان مساوی سمجھنا چاہیے۔ سب کو انسانی حقوق اور آزادیوں سے محظوظ ہونے کے قابل سمجھا جائیں۔

2۔ معاشرتی مساوات (Social Equality)

معاشرتی مساوات سے مراد معاشرے میں ہر طبقے کے لوگوں کو بغیر کسی امتیاز کے مساوی حقوق اور ترقی کے مناسب مواقع دستیاب ہو۔ خاص طور پر معاشرتی مساوات سے مراد

- کسی بھی طبقے یا ذات، مذہب یا نسلی گروہ کے لئے خصوصی مراعات کی عدم موجودگی،
- ذات پات، رنگ، مسلک، مذہب، جنس اور مقام پیدائش کی بنیاد پر کسی کے ساتھ امتیازی سلوک کی ممانعت،
- تمام لوگوں کے لئے عوامی مقامات پر مفت رسائی، یعنی کوئی معاشرتی علیحدگی نہیں اور
- تمام لوگوں کے لئے مواقع کی برابری۔ تاہم، معاشرے کے تمام کمزور طبقات کے حق میں حفاظتی امتیازی سلوک کے تصور کو قبول کیا جاتا ہے۔

معاشرتی مساوات کا جدید مرکزی موضوع صنفی عدم مساوات کا خاتمہ، خواتین کو مساوی حیثیت اور مواقع کو یقینی بنانا اور بچوں اور بچیوں کے جینے اور ترقی کے مساوی حقوق کو یقینی بنانا ہے۔

3۔ شہری مساوات (Civil Equality)

شہری مساوات کا مطلب تمام لوگوں اور معاشرتی گروہوں کو مساوی حقوق اور آزادیوں کا حصول ہے۔ شہریوں کو مساوی حقوق دینا، شہری مساوات کا مقصد ہے۔ معاشرے کے سب لوگ قانون کے تابع ہونا چاہیے۔ شہری مساوات کے حقوق کے معاملے میں انسانوں کے مابین کوئی فرق نہیں کرتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں، شہری مساوات اور سب کے لئے مساوی حقوق کے درمیان مماثلت ہے۔ اگر قانون انسانوں کے مابین کسی بھی درجہ یا دولت کے مطابق یا ان کی سیاسی آرائی اور وابستگی یا ان کے مذہبی عقائد کے مطابق کوئی فرق کرتا ہے تو مساوات موجود نہیں ہے۔

4۔ سیاسی مساوات (Political Equality)

سیاسی مساوات کا مطالبہ انیسویں صدی کے دوران کیا گیا اور اس کا ایک محدود معنی تھا، یعنی ووٹ کا مساوی حق یا بالغ حق رائے دہی۔ ہر فرد کو ووٹ ڈالنے، انتخابات لڑنے کا حق، عوامی خدمات کے مساوی حق اور ذات، رنگ، جنس، مذہب اور زبان کی بنیاد پر کوئی امتیاز نہیں برتنا چاہیے۔ اس سے مراد 'ایک آدمی، ایک ووٹ' ہے۔ عملی طور پر سیاسی مساوات کا آئینڈیل عام حق رائے دہندگی اور نمائندہ حکومت میں مرکوز ہے۔ مساوات کے تحت ہر بالغ شہری کو ووٹ ڈالنے، عوامی عہدہ نبھانے کے لئے منتخب ہونے، اپنی حکومت کے کسی عمل کی تعریف یا تنقید کرنے کا حق ہونا چاہیے۔ یہ انسان کو ایک انسان کی حیثیت سے پہچان دیتی ہے۔

5- معاشی مساوات (Economic Equality)

یہ بجا طور پر کہا گیا ہے کہ معاشی مساوات کے بغیر سیاسی، معاشرتی اور قانونی مساوات کا کوئی معنی نہیں ہے۔ تاہم، معاشی مساوات دولت کی مساوی تقسیم کا مطالبہ نہیں کرتی ہے۔ جو مطالبہ کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ زندگی کی بنیادی ضروریات کے بارے میں مساوات ہونی چاہیے اور معاشی عدم مساوات کو اس مقام سے آگے جانے کی اجازت نہیں دی جاسکتی ہے۔ معاشی مساوات اسی وقت موجود ہو سکتی ہے جب تمام لوگوں کو اپنی ترقی کے لئے مناسب معاشی مواقع میسر ہوں۔ ملازمت کے مناسب مواقع، مناسب اجرت، مناسب آرام اور دیگر معاشی حقوق، معاشی مساوات پیدا کرتے ہیں۔ معاشی مساوات نہ صرف غریب طبقوں کے لئے بلکہ معاشرتی استحکام اور امن وامان کے لئے بھی اہم ہے۔

6- قانونی مساوات (Legal Equality)

اٹھارویں صدی میں اشرافیہ نے قانونی مراعات اور جاگیر دارانہ پابندیوں کو ختم کرنے کے لئے قانونی مساوات کا مطالبہ کیا گیا۔ قانونی مساوات سے مراد قانون کی نظر میں مساوات اور قانون کا مساویانہ تحفظ تھا۔ قانون امیر اور غریب میں امتیاز نہیں کرتا اور قانون کی نظر میں دونوں برابر ہیں۔ قانون کی نظر میں مساوات کا مطلب ہر ایک کے لئے مساوی قانون نہیں ہے۔ قانون کو عقلی امتیاز برتنا ضروری ہے۔ قانونی مساوات سے مراد مساوی کے لئے مساوی قانون اور غیر مساوی کے لئے غیر مساوی قانون، لیکن امتیازی سلوک کی بنیاد معقول ہونی چاہیے۔ قانونی مساوات کا مطلب محض مساوی قوانین نہیں ہے، اس کا مطلب عدالتوں سے انصاف حاصل کرنے کے مساوی مواقع بھی ہیں۔ جس معاشرے میں عوام انصاف کی قیمت ادا نہیں کر سکتے ہوں، ایسے معاشرے میں قانونی مساوات کا وجود نہیں ہو سکتا۔ قانونی مساوات کا خیال اخلاقی غور و فکر سے پیدا ہوتا ہے اور انسانوں کے مساوی حقوق کی اساس کے طور پر کام کرتا ہے۔ یہ جدید قوانین کی رو سے حقوق اور فرائض کے کچھ بنیادی اصولوں کا انعقاد کرتا ہے جو تمام انسانوں پر یکساں طور پر قابل اطلاق ہے۔

12.9 ایجابی عمل (Affirmative Action)

ایجابی عمل یا مثبت امتیازی سلوک، کسی پسماندہ طبقے کے لوگوں کی ترقی کی پالیسی ہے جو معاشرے میں امتیازی سلوک کا شکار ہیں۔ ایجابی عمل اس نظریہ پر مبنی ہے کہ صرف قانون کے ذریعے باضابطہ مساوات کو قائم نہیں کیا جاسکتا۔ جب ہم معاشرے میں مستحکم ہو چکی عدم مساوات کا خاتمہ چاہتے ہیں تو ہمیں ان مستحکم سماجی عدم مساوات کو کم کرنے یا جڑ سے مٹانے کے لئے کچھ زیادہ مثبت اقدام کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔

ایجابی عمل کی زیادہ تر پالیسیاں کچھ اس طرح وضع کی جاتی ہیں کہ جس سے ماضی کی عدم مساوات کے مجموعی اثر کو صحیح کیا جاسکے۔ ایجابی عمل کی پالیسی کی کئی شکلیں ہیں۔ بعض ممالک مثلاً ہندوستان، ایک کوٹہ سسٹم استعمال کرتے ہیں، جس کے تحت کسی خاص طبقے کے لوگوں کو ملازمتوں اور تعلیمی اداروں میں ایک خاص حصہ مختص کیا جاتا ہے۔ بعض ممالک میں مخصوص کوٹہ استعمال نہیں ہوتا، اس کے بجائے اقلیتوں کے رکن کو انتخابی عمل میں ترجیح دی جاتی ہے۔

ابتداء (Origin)

اصطلاح 'ایجابی عمل' سب سے پہلے ریاستہائے متحدہ امریکہ میں ایگزیکٹیو آرڈر ۵۲۹۰۱ میں استعمال ہوئی اور صدر جان ایف کینیڈی کے ذریعے 6 مارچ 1691 کو اس پر دستخط کئے گئے۔ اس کا استعمال غیر امتیازی سلوک کو فروغ دینے کے لئے کیا گیا تھا۔ ۱۹۶۱ میں صدر جانسن نے ایگزیکٹیو آرڈر ۶۳۲۱۱ جاری کیا، جس کے تحت سرکاری ملازمت میں 'نسل، مذہب اور قومیت کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے ملازمت کے لئے' "ایجابی عمل ضروری کیا گیا۔ ۱۹۶۱ میں جنس کو امتیازی سلوک کی فہرست میں شامل کیا گیا۔

مقصد (Objective)

ایجابی عمل کا مقصد معاشرے میں متعین اقلیتی گروہوں کے مواقع کو فروغ دینا ہے تاکہ انھیں معاشرے میں اکثریتی آبادی کی طرح یکساں رسائی مل سکے۔ یہ اکثر حکومتی اور تعلیمی اداروں کے لئے قائم کیا جاتا ہے تاکہ یہ یقینی بنایا جاسکے کہ کسی معاشرے کے اندر نامزد 'اقلیتی گروہوں' کو بھی تمام پروگراموں میں شامل کیا جائے۔ ایجابی عمل کے حامیوں کی جانب سے اس کا جواز یہ دیا جاتا ہے کہ معاشرے کے بااثر طبقے کے ذریعے ماضی کی امتیازی سلوک، ظلم و ستم اور استحصال کی تلافی اور موجودہ امتیاز کو دور کرنے میں مدد ملتی ہے۔

فوائد (Advantages)

ایجابی عمل کے فوائد مندرجہ ذیل ہیں:

- پس ماندہ طبقے کو ترقی کے زیادہ مواقع ملتے ہیں
- نسلی رواداری اور کثیر ثقافت پسندی کو فروغ ملتا ہے۔
- موثر انداز میں مواقع کی مساوات فراہم کرتا ہے۔
- ان لوگوں کے لئے مواقع پیدا کرتا ہے جن کو پہلے کبھی نہیں ملا ہو۔

نقصانات (Disadvantages)

ایجابی عمل کے نقصانات مندرجہ ذیل ہیں:

- ایک گروہ کا فائدہ دوسرے گروہ کا نقصان کا سبب ہوگا۔
- یہ فرد کے بجائے مجموعی طور پر گروہوں پر توجہ مرکوز کرتا ہے۔
- اگر یہ سمجھا جاتا ہے کہ افراد صرف ایجابی عمل کے نتیجے میں کامیاب ہوئے ہیں تو کامیابی کو ہلکا جانا جاتا ہے۔
- ایجابی عمل سے ملنے والی اضافی مدد، ان لوگوں کو ملازمت کی اجازت دے سکتی ہے جو ملازمت کے اہل نہیں ہیں۔
- ایجابی عمل تعصب کی حوصلہ افزائی کر سکتا ہے۔

12.10 انصاف: تعریف و مفہوم (Justice: Meaning and Definition)

ریاست اور معاشرے کا سب سے اہم اور سب سے زیادہ زیر بحث مقصد 'انصاف' ہے۔ یہ منظم انسانی زندگی کی اساس ہے۔ انصاف کا تقاضا ہے کہ مساوی سلوک اور سب کے لئے متناسب اور منصفانہ انعامات کے تحفظ کے لئے لوگوں کی خود غرض اعمال پر معقول پابندی عائد کی جائیں۔ سیاسی نظریہ میں انصاف کی مرکزی اہمیت ہے۔ حکومت کے قوانین، پالیسیاں، فیصلوں اور اقدامات کا دفاع یا مخالفت کرنے میں انصاف کے نام پر اپیل کی جاتی ہے۔ اپنے مفادات کے حصول کے لئے ہر تحریک میں شامل افراد ہمیشہ یہ نعرہ لگاتے ہیں کہ 'ہم انصاف چاہتے ہیں'۔ شہری حقوق کی تمام تحریکیں بنیادی طور پر انصاف کے لئے تحریکیں ہیں۔

انصاف کا تصور ہر ثقافت میں مختلف ہوتا ہے۔ قدیم یونانی مفکر افلاطون نے 'ری پبلک' میں ابتدائی نظریہ پیش کیا تھا۔ خدائی حکم نظریہ کے حامی دلیل دیتے ہیں کہ انصاف کا معاملہ خدا کی طرف سے ہے۔ سولہویں صدی میں جان لاک جیسے مفکروں نے فطری قانون کے نظریہ پر روشنی ڈالی۔ معاشرتی معاہدے کی روایت کے مفکرین نے یہ استدلال لیا کہ انصاف ہر ایک کے باہمی معاہدے سے حاصل ہوتا ہے۔ اٹھارویں صدی میں جان اسٹورٹ مل جیسے افادیت پسند مفکرین کا استدلال تھا کہ انصاف وہی ہے جس کے بہترین نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔ توزیعی انصاف کا نظریہ اس بات پر اہمیت دیتا ہے کہ کیا تقسیم کرنا ہے، کن لوگوں میں تقسیم کرنا ہے اور مناسب تقسیم کیا ہے۔ جان رالز نے ایک معاشرتی معاہدے کی دلیل کو یہ ظاہر کرنے کے لئے استعمال کیا کہ انصاف، بالخصوص توزیعی انصاف، عدل کی ایک قسم ہے۔

انصاف کا مفہوم (Meaning of Justice)

انصاف کے معنی دو ٹکڑے کرنا، کسی چیز کا نصف کرنا اور حق دینا، کسی چیز کو اس کے صحیح پر رکھنا، حقدار کو اس کا پورا حق دینا اور انفرادی و اجتماعی معاملات میں اعتدال کو اپنا کر افراط و تفریط سے بچنا ہے۔ عدل و انصاف کی ضد 'ظلم و زیادتی' ہے۔ عدل و انصاف ہی وہ پیمانہ ہے جس کی بدولت انسانیت زندہ ہے۔ اگر معاشرہ عدل و انصاف سے عاری ہو وہ صالح معاشرہ نہیں ہو سکتا، بلکہ ظلم و جبر اور دہشت و درندگی کی آماجگاہ بن جاتا ہے۔ انصاف بنیادی طور پر اخلاقی فلسفے کا مسئلہ ہے۔ تاہم، چونکہ اس کو سیاسی حکم سے نافذ کیا جاتا ہے۔ لہذا یہ سیاسی فلسفے کا بھی مسئلہ بن جاتا ہے۔

انصاف کی تعریف (Definitions of Justice)

مختلف مفکرین نے انصاف کی تعریف درج ذیل بیان کی ہے:

1- بارکر کے مطابق، 'انصاف کا تعلق نہ صرف انسانوں کو جوڑنے سے ہے، بلکہ سیاسی اقدار کی مصالحت اور ترکیب بھی ہے۔ یہ ایک موافق اور مربوط دائرے میں ان کا اتحاد ہے'۔

2- جان رالز کہتا ہے، 'انصاف ان اصولوں کا مجموعہ ہے جس میں متعلقہ امور کی نشاندہی کرنے کے بعد معاشرتی تعاون کے فوائد اور بوجھ کی مناسبت سے تقسیم کی وضاحت کی جاتی ہے جو اس توازن کا تعین کرتے ہیں'۔

3- چارلس ایڈورڈ میریم کے مطابق، 'انصاف، مفاہمت کے نظام اور ایک طریقہ کار پر مشتمل ہوتا ہے جس کے ذریعے ہر ایک کو وہ دیا جاتا ہے جس پر اتفاق رائے ہوتا ہے'۔

انصاف کے بارے میں مفکرین کے خیالات

اصطلاح انصاف کو مختلف لوگوں نے مختلف ادوار میں اور مختلف مقامات پر مختلف معنی تفویض کئے ہیں۔

1- افلاطون کا نظریہ:

افلاطون انصاف کی خوبی کو عام نیکی کے حصول کے ساتھ ملانے کی کوشش کرتا ہے۔ ان کے مطابق معاشرے کے ہر فرد کو اپنے معاشرتی فرائض دوسروں کے کام میں مداخلت کئے بغیر سرانجام دینا چاہیے۔

2- ارسطو کا نظریہ:

ارسطو کا خیال تھا کہ انصاف انسان اور ان کے تفویض کردہ چیزوں کے درمیان متناسب مساوات کی نشاندہی کرتا ہے، یعنی سلوک میں ان اختلافات کو اس سطح کے متناسب ہونا چاہیے جہاں افراد متعلقہ معاملات میں مختلف ہیں۔

3- لبرل نظریہ:

لبرل نظریہ انصاف کے قانونی اور سیاسی جہتوں پر زور دیتا ہے۔ قانون کی حکمرانی، قانون کی نظر میں مساوات اور سیاسی عمل میں حصہ لینے کے لئے شہری اور سیاسی حقوق کی فراہمی کے ساتھ قوانین کا یکساں تحفظ جدید لبرل جمہوری مکتب فکر کی نمایاں خصوصیات ہیں۔

4- بارکر کا نظریہ:

بارکر نے یہ ظاہر کیا کہ انصاف آزادی، مساوات اور اخوت کے اصولوں کی ترکیب کی نمائندگی کرتا ہے۔ انسانی تعلقات انسانوں میں موجود عقل و منطق سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں، اسی نے انسانوں کو یہ باور کرایا کہ تمام انسان وقار میں مساوی ہیں اور اپنی صلاحیتوں کے مطابق فوقیت حاصل کرنے اور معاشرتی بھلائی کے لئے موزوں شراکت دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ان سب کو ذاتی ترقی کے لئے اپنے طور پر مساوی آزادی کی ضرورت ہے اور اس کے وہ مستحق ہے۔ کسی کو بے حد آزادی دوسروں کی آزادی کا انکار ہے۔ آزادی کی قدر مساوات کے ذریعہ مناسب توازن کا مطالبہ کرتی ہے۔ انسانوں کے مابین اخوت ایک مشترکہ رشتہ فراہم کرتا ہے جو انسانی تعلقات کو ہم آہنگ رکھتا ہے اور آزادی اور مساوات کے مابین منافع بخش رجحانات کو حل کرنے اور اس پر قابو پانے میں مدد کرتا ہے۔ لہذا انصاف کا تقاضا ہے کہ آزادی مساوات کے اصول سے مطابقت رکھیں اور مساوات اخوت کے۔

12.11 انصاف کی اقسام (Types of Justice)

انصاف کی مختلف اقسام مندرجہ ذیل ہیں۔

1۔ معاشرتی انصاف: (Social Justice)

عام استعمال میں، انصاف، عدالتی اداروں کے ذریعے تنازعات کے حل سے متعلق ہوتا ہے۔ لہذا، انصاف کی اصطلاح ایک مثبت خاصیت رکھتی ہے اور اس کی وجہ سے ریاست کا قانون اور عدالتوں کا انصاف بہت قریبی معاملات بن جاتے ہیں۔ اس طرح کے انصاف کی تین وسیع جہتیں ہیں، معاشرتی، معاشی اور سیاسی۔ معاشرتی اور معاشی میدانوں میں جمہوریت کے دخول کے ساتھ انصاف کے معنی نے انسانی زندگی کے ہر شعبے کو محیط کرنے کے لئے اپنے آپ کو وسعت دی۔ بہت سارے لوگوں کا خیال ہے کہ فرد کے حقوق کو اس کی برادری کے وسیع تر مفاد میں معقول حد تک محدود کیا جانا چاہیے تاکہ معاشرتی انصاف کو صحیح طور پر حاصل کیا جاسکے۔ اس طرح، یہ بڑے پیمانے پر تسلیم کیا جاتا ہے کہ معاشرے کی فلاح و بہبود کا انحصار برادری کے حقوق اور مفادات کے مابین رابطہ اور مفاہمت پر ہے۔ نیز، ان دونوں کے درمیان تنازعہ کی صورت میں مفادات پر حقوق غالب ہونا چاہیے۔ معاشرتی انصاف کا تصور ایک بہت وسیع نظریہ ہے جو اقلیتوں کے مفادات کے تحفظ سے لے کر غربت اور ناخواندگی کے خاتمے تک ہر طرح کے عام مفاد سے متعلق ہے۔ اس کا تعلق نہ صرف عدلیہ کی آزادی اور قانون کی نظر میں مساوات سے ہے، بلکہ اس کا تعلق معاشرتی برائیوں مثلاً بیماری، بے روزگاری اور فاقہ کشی کے خاتمے سے بھی ہے۔ دنیا کے پسماندہ ممالک میں معاشرتی انصاف کا تصور ریاست میں معاشرے کے دبے ہوئے اور کمزور طبقوں کی بہتری کے لئے ٹھوس کوششیں کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔ یہ مزدور اور سرمایہ دار طبقے کے درمیان ہم آہنگی اور تعاون، کم از کم اجرت اور دیگر فوائد کا بھی مطالبہ کرتا ہے، جو لوگوں کے معیار زندگی کو بہتر بناتے ہیں۔

2۔ معاشی انصاف: (Economic Justice)

جب معاشرتی انصاف معاشرتی برائیوں کے خاتمے کا مطالبہ کرتا ہے، ان میں سے بیشتر کو معاشی میدان میں اپنی جگہ مل جاتی ہے۔ کیونکہ سرمایہ داروں کے ذریعے مزدوروں کا استحصال یا قومی دولت کا بعض ہاتھوں میں جمع ہونا بنیادی وجوہات ہیں جو بہت سے غیر منصفانہ معاشرتی عادتوں اور مشکلات کو جنم دیتی ہیں۔ یہ درست کہا گیا ہے کہ آزادی بے معنی ہے اگر وہ معاشی انصاف کے حصول کو روکے۔ کسی بھوکے آدمی یا کسی ایسے انسان کے لئے جس کے وقار و عزت مجروح کی گئی ہو، کے لئے سیاسی آزادی فقط ایک لفظ ہے۔ آج کا مسئلہ یہ ہے کہ معاشی اور معاشرتی انصاف کیسے حاصل کیا جائے۔ معاشی انصاف کے نظریہ کا مطلب معاشی اقدار کی بنیاد پر انسانوں کے مابین عدم تفریق ہے۔ یہ بلا امتیاز کام کے لئے مناسب ادائیگی کی دلالت کرتا ہے۔ یہ عام فلاح کی شرط کے تحت سامانوں کی پیداوار اور تقسیم کے شعبوں میں بھی سب کے لئے آزادی کا مطالبہ کرتا ہے۔ اس میں یہ بھی مطالبہ کیا جاتا ہے کہ قومی معیشت کی حالت کو اس انداز میں تبدیل کیا جائے کہ عام لوگوں کو زیادہ سے زیادہ فوائد حاصل ہوں۔ اس طرح معاشی انصاف کا نظریہ معاشرے کے سوشلسٹ نظام کی دلالت کرتا ہے۔ معاشی انصاف جدید سائنسی اور صنعتی

دور میں ایک اہم تصور ہے۔ منصوبہ بندی عام فلاح و بہبود کی ریاست قائم کرنے کا اہم طریقہ بن چکا ہے۔ تاہم، اس کے ساتھ ساتھ یہ ضروری ہے کہ ریاست کے اختیار کو محدود رکھا جائے تاکہ عوام منصوبہ سازوں کی معاشی ظلم و بربریت سے بچ جائے۔

3۔ سیاسی انصاف: (Political Justice)

سیاسی انصاف مثبت انصاف کی ایک اہم جہت ہے۔ سیاسی انصاف کا تصور، اپنی سیاسی زندگی میں لوگوں کو آزادانہ اور منصفانہ شرکت کا مطالبہ کرتا ہے۔ لہذا اس میں عام حق رائے دہندگی کی ضمانت شامل ہے۔ ریاست کی پالیسی کیا ہونی چاہیے اور معاشرے کو سیاسی اور معاشی طور پر کس طرح منظم کرنا چاہیے، وہ معاملات ہیں جن کا فیصلہ عوام خود کریں۔ سیاسی انصاف کے تصور کا تقاضا ہے کہ ریاست کو فرد کے حقوق کا تحفظ کرنا چاہیے تاکہ وہ ایک شہری کی حیثیت سے اپنی شخصیت کو ترقی دے سکے اور اس طرح سیاسی جماعت کی فلاح و بہبود میں اپنا حصہ ادا کر سکیں۔

اس سلسلے میں امریکی سپریم کورٹ کے جج لوئیس برانڈیز کے نظریات کا حوالہ دیا جاسکتا ہے جس نے قانونی اعتراف کے ذریعے لوگوں کے انفرادی افکار، جذبات اور احساسات کے تحفظ اور تقدس کے لئے پر زور وکالت کی تھی۔ ظاہر ہے کہ سیاسی انصاف کا تصور آزاد خیال جمہوری نظام کا خواہاں ہے جس میں افراد کے حقوق، بشمول اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ کیا جاسکے۔

12.12 انصاف کے نظریات (Theories of Justice)

انصاف کا تصور ایک متحرک تصور ہے۔ لہذا اس کے مضمرات، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ تبدیل ہو جاتے ہیں۔ ماضی میں جو انصاف تھا وہ موجودہ دور میں نا انصافی ہو سکتی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ آج کا انصاف کل نا انصافی بن جائے۔

فلسفیانہ نظریہ:

انصاف کی اصطلاح مختلف سیاق و سباق میں اس کے مختلف مفہوم رکھتی ہے۔ لہذا متعدد نظریات نے انصاف کے معنی اور اہمیت کو اجاگر کرنے کی پیش کش کی ہے۔ ہندوستان میں انصاف کی شناخت 'دھرم' کے ساتھ کی جاتی تھی، جس کے معنی 'صداقت' ہے۔ مغربی سیاسی افکار میں انصاف کی اصطلاح کی فلسفیانہ تعبیر افلاطون کے نظریہ انصاف میں موجود ہے۔ جیسا کہ ان کی مشہور کتاب 'ریپبلک' میں مذکور ہے۔ یہاں فلسفیانہ مفہوم کے لحاظ سے انصاف کا مطلب لوگوں کی زندگی کو عملی مہارت کی حکمرانی کے مطابق ہے۔

انصاف آپ کا اپنا کام کرنے اور دوسروں کے کاموں میں دخل اندازی نہ کرنے کی علامت ہے۔ انصاف کی فلسفیانہ تشریح ارسطو کے ہاتھوں میں ایک تجرباتی سمت اختیار کرتی ہے، جو کہتا ہے کہ جب غیر مساوی لوگوں کے ساتھ مساوی سلوک کیا جاتا ہے اور اس وقت بھی جب مساوی لوگوں کے ساتھ غیر مساوی سلوک کیا جاتا ہے تو نا انصافی ہوتی ہے۔ ارسطو کا خیال اس کی بنیاد بنا جو موجودہ دور میں انصاف کی تقسیم کا عقیدہ کہلاتا ہے۔

فطری نظریہ انصاف:

انصاف کا فطری نظریہ پہلے اسٹکس نے پیش کیا اور پھر رومن وکلائے سے ان سے اخذ کیا۔ اس نظریہ نے انصاف کو مطلق قدر کے مثل سمجھا جس کے تحت صحیح حکم قائم کیا جاسکے۔ ریاست کے مثبت قانون کے ساتھ ’فطری انصاف‘ کے خیال کا انضمام رومی وکلائے کا خصوصی کارنامہ ہے۔ اس کے نتیجے میں زور دیا گیا کہ ’شہری قانون‘ اور ’قومی قانون‘ کو ’فطرت کے قانون‘ کے مطابق ہونا چاہیے۔ عیسائیت کی آمد کے ساتھ ہی فطری انصاف کے نظریہ کو الہی منظوری کے افسانے میں ملا دیا گیا۔ اسٹوکس اور رومیوں کے لئے جو ’فطرت‘ تھا، وہ گر جاگھر کے پادریوں کے لئے ’خدا‘ بن گیا۔ اس کے نتیجے میں مذہبی کلیسا انصاف پسندوں اور ظالموں میں فرق کرنے کا آلہ کار بن گئے۔ سینٹ اگسٹین نے انصاف کے نظریہ کو عیسائی مذہب کے اصولوں سے جوڑ دیا۔ سینٹ تھامس نے فرمان جاری کیا کہ اگر شہری قانون فطری قانون کے منافی ہے تو یہ لوگوں کے ضمیر پر پابند نہیں ہوگا۔ اٹھارویں صدی میں امریکہ اور فرانس کے عظیم انقلابات سے پتہ چلتا ہے کہ قدرتی انصاف کے اصولوں پر مبنی قدرتی حقوق کی بنیاد سمجھا جاتا تھا۔

قانونی نظریہ انصاف:

قانونی نظریہ انصاف کے مطابق، انصاف مثبت قانون میں مضمر ہے۔ اس لحاظ سے انصاف کا تصور قانون کی دنیا کے بالکل قریب آتا ہے۔ جان اسٹن کا اصرار ہے کہ قانون ایک طرف انصاف کے آلہ کار کے طور پر کام کرے گا اور دوسری طرف ظلم و فساد کو دبانے کا۔ اس لحاظ سے انصاف، قانون کا فوری مقصد بن جاتا ہے اور انصاف کے بغیر قانون ظلم کا ایک ذریعہ بن جائے گا۔ انصاف کے تصور کے لئے فطری انصاف کے اصولوں اور مثبت قانون کی خوشگوار ترکیب کی ضرورت ہوتی ہے۔ انصاف کا تقاضا ہے کہ ملزم کو اپنے اوپر لگائے گئے الزامات کی نوعیت کا پتہ ہونا چاہیے، اسے اپنے آپ یا اپنے وکیل کے ذریعے اپنا مقدمہ بیان کرنے کا مناسب موقع فراہم کیا جانا چاہیے، ٹریبونل یا عدالت کو منصفانہ اور غیر جانبدارانہ ہونا چاہیے اور مقدمے کی سماعت و کاروائی آزادانہ اور منصفانہ انداز میں کی جانی چاہیے۔

مارکسی نظریہ:

نظریاتی موقف سے دیکھا جائے تو انصاف کے نظریہ کو دو قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے، لبرل اور مارکسسٹ۔ قانونی نظریہ انصاف جو پہلے ذکر ہوا، سابقہ زمرے سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ انصاف کو ریاست میں حکومت کے ذریعے منظور کردہ قانون کے طور پر لیتا ہے۔ ڈین روسکو پاؤنڈ زور دیتا ہے کہ انصاف اور ان کی انتظامیہ کو ہمیشہ ریاست کے قانون کے مطابق رہنا چاہیے۔ ریاستہائے متحدہ امریکہ کے جسٹس ہومز کا موقف ہے کہ انصاف فقط تکنیکی طور پر قانون کے تحت محدود نہیں ہوتا ہے بلکہ اس میں معاشرے کے غیر اعلان شدہ رواج اور ضمیر کی بھی عکاسی ہونی چاہیے جس میں انصاف ہوتا ہے۔ لہذا اخلاقیات، مذہب اور رسم و رواج لبرل نظریہ کے طاقتور معاون ہیں۔ مزید یہ کہ لبرل نقطہ نظر فطری انصاف کے اصولوں اور مثبت قانون کے ٹھوس احاطے کے درمیان ہم آہنگی کی ترکیب لانے کی کوشش کرتا ہے۔ تنازعہ کی صورت میں معاملے کا فیصلہ اس طرح سے طے کرنا چاہیے کہ معاشرے کا مفاد برقرار رہے۔ اسی طرح، مہذب معاشرتی زندگی کی بدلتی ہوئی ضروریات کو

پورا کرنے کے لئے انصاف کے معنی میں معقول ترمیم کی جانی چاہیے۔ برطانیہ کے لارڈ ہیل شم نے بجا طور پر مشاہدہ کیا ہے 'انصاف کے اصول تبدیل نہیں ہوتے ہیں، لیکن حالات کے پیش نظر ان کے اطلاق میں تبدیلی ہونی چاہیے۔ قانون ایک آلہ کار ہے، اپنے آپ میں مقصد نہیں۔ قانون انصاف کے حصول کا ذریعہ ہے۔ لبرل نقطہ نظر سے بنیادی طور پر الگ مارکسٹ نظریہ انصاف کے نظریے کہ طبقاتی جنگ کے نظریے کے ساتھ مربوط کرتا ہے۔ اس نظریہ کے مطابق سرمایہ دار طبقہ خود کو اقتدار میں رکھنے کے لئے قانون کا استعمال کرتا ہے۔ کامیاب انقلاب کے بعد، جبکہ پورا نظام بدلا ہوا ہے، مزدوروں کی آمریت کے دوران سرمایہ دار معاشرے کو سوشلسٹ معاشرے میں تبدیل کرنے کے لئے قوانین کی ضرورت ہے۔ چونکہ تمام اختیارات کمیونسٹ پارٹی کے ساتھ ہیں، لہذا عدالتوں کو اقتدار کی حمایت کرنی ہوگی۔ چنانچہ ایک کمیونسٹ ملک میں عدلیہ سائنسی سوشلزم کے نظریہ کو نافذ کرنے کے لئے پر عزم ہونا چاہیے جیسے مارکس اور لینن نے بیان کیا۔

جان رالز کا نظریہ انصاف:

جان رالز کا نظریہ انصاف تقسیم کے ایک عمومی اصول کا تصور کرتا ہے جو زندگی میں طبقاتی فرق کو جواز بنا سکتا ہے، جسے کوئی معاشرہ، سرمایہ دار یا غیر سرمایہ دار، پیدا کرنے کا پابند ہے۔ جان رالز اپنے اخلاقی اصول کے ذریعے اجازت دی گئی آمدنی کی تقسیم کی رقم کی ایک سخت حد نافذ کرتا ہے۔ اس حد کو مارکیٹ معیشت متعین کرتی ہے۔ رالز مسابقتی سرمایہ دارانہ مارکیٹ معیشت کے کلاسیکی ماڈل کے تحت اپنے تقسیم انصاف پر عمل درآمد کرنے کی تجویز کرتے ہیں، جس میں غیر شخصی مارکیٹ قوتیں پیداواری اور سرمایہ کاری کی سطح کا تعین کرتی ہیں۔ رالز کے نزدیک انصاف معاشرتی اداروں کی پہلی خوبی ہے۔ انہوں نے ان اداروں اور قوانین کو رد کرنے کی تجویز پیش کی جو نا انصافی پر مبنی ہو۔

ایک انصاف پسند معاشرے میں تمام مساوی شہریوں کی آزادیاں فراہم کی گئی ہیں، انصاف کے ذریعے فراہم کردہ حقوق معاشرتی مفادات یا سیاسی سودے بازی کے حساب سے مشروط نہیں ہیں۔ انہوں نے اس بات کی تصدیق کی کہ کسی بھی اچھی طرح مرتب معاشرے کو انصاف کے عوامی تصور سے پوری طرح منظم کیا جاتا ہے، اس معاشرے میں ہر ایک قبول کرتا ہے اور ظاہر کرتا ہے کہ دوسرے لوگ انصاف کے ان ہی اصولوں کو تسلیم کرتے ہیں اور سماجی ادارے ان اصولوں کی تکمیل کرتے ہیں۔ اس طرح رالز انصاف کا نظریہ تیار کرتا ہے جو ایک ایسا معیار فراہم کر سکتا ہے جس کے ذریعے کسی مخصوص معاشرے کی تقسیم کے انتظامات کو جانچا جاسکتا ہے۔ جان رالز نے لبرل جمہوری معاشرے کا طریقہ وضع کیا ہے، جس میں ان کے بیان کردہ انصاف کے تصور کو پورا کیا جاسکتا ہے۔ ان کا نظریہ انصاف، لبرل جمہوری انصاف کا نظریہ ہے۔

12.13 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

عزیز طلبا، اس اکائی میں آپ نے:

- آزادی کے سیاسی نظریہ کا مطالعہ کیا۔
- مساوات کے سیاسی نظریہ سے واقفیت حاصل کی۔

- انصاف کے سیاسی نظریہ کو جاننا۔

12.14 کلیدی الفاظ (Keywords)

قانون کی حکمرانی: تمام لوگوں کو ایک ہی قوانین کے تحت ہونا چاہیے اور اسی طرح کی ذمہ داریوں کا پابند ہونا چاہیے، مزید کوئی بھی قانون سے بالاتر نہیں ہونا چاہیے۔

مساوات: سے مراد تمام غیر فطری اور غیر منصفانہ عدم مساوات کی عدم موجودگی ہے۔ ایجابی عمل یا مثبت امتیازی سلوک کسی پسماندہ طبقے کے لوگوں

انصاف: کسی ملک یا سماج میں موجود مختلف گروہ کے ساتھ مساوی سلوک

اخلاقی آزادی: کا مطلب ہے یہ ہے کہ فرد کو تمام مخلوقات اور انسانوں کے ساتھ اپنے جیسا سلوک کرنا چاہئے

12.15 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

12.15.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1۔ نظریہ انصاف تقسیم کی تصورات کس سے مطلق ہے؟

(a) جان رالس (b) بنتھم

(c) افلاطون (d) مارکس

2۔ ان میں سے کون جمہوریت کے دو بنیادی ستون مانے جاتے ہیں

(a) انصاف اور آزادی (b) آزادی اور حقوق

(c) مساوات اور قانون (d) ان میں سے کوئی نہیں

3۔ انصاف کی خوبی کو عام نیکی کے حصول کے ساتھ ملانے کی کوشش کس نے کیا؟

(a) جان رالس (b) افلاطون

(c) ارسطو (d) مارکس

4- فطری انصاف کا نظریہ سب سے پہلے کس نے پیش کیا تھا؟

- (a) جان رالس
(b) بنتھم
(c) مارکس
(d) اسکٹس

5- اصطلاح 'ایجابی عمل' سب سے پہلے کس ملک میں عمل میں آیا؟

- (a) امریکہ
(b) بھارت
(c) انگلینڈ
(d) ان میں سے کوئی نہیں

6- کتاب ریپبلک (Republic) کے مصنف کون ہیں؟

- (a) روسو
(b) ارسطو
(c) مارکس
(d) افلاطون

7- سیاسی مساوت کا مطالبہ کس صدی میں کیا گیا تھا؟

- (a) آٹھارویں
(b) بیسویں
(c) انیسویں
(d) ان میں سے کوئی نہیں

8- کس مفکرین نے ان اداروں اور قوانین کو رد کرنے کی تجویز پیش کی جو نا انصافی پر مبنی ہو

- (a) جان رالس
(b) ارسطو
(c) مارکس
(d) افلاطون

9- کس انقلاب نے آزادی اور اخوت کے ساتھ ساتھ مساوات کا مطالبہ کیا تھا

- (a) انگلینڈ کا انقلاب
(b) فرانس کا انقلاب
(c) روسی انقلاب
(d) ان میں سے کوئی نہیں

10- کس مفکرین نے انصاف کے نظریہ کو عیسائی مذہب کے اصولوں سے جوڑ دیا؟

- (a) سینٹ اگسٹین
(b) بنتھم
(c) جے ایس مل
(d) افلاطون

12.15.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. انصاف کا تعریف اور مفہوم بیان کیجئے
2. جان رالس کے نظریہ انصاف پر روشنی ڈالیئے
3. منفی آزادی پر ایک مضمون لکھیئے
4. مساوات کے معنی اور مفہوم کیا ہے؟
5. ایجابی عمل یا مثبت امتیازی سلوک، کسی پسماندہ طبقے کے لوگوں کی ترقی کا سبب کیسے ہے وضاحت کریں؟

12.15.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. انصاف کی تعریف بیان کرتے ہوئے مختلف مفکرین کے نظریہ انصاف پر روشنی ڈالیئے
2. آزادی سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟ منفی اور مثبت آزادی میں کیا فرق ہے؟
3. قانونی مساوات سے کیا مراد ہے۔ آزادی کسی فرد کے لیے کیوں ضروری ہے؟

معروضی سوالات کے جوابات:

(a)	-5	(d)	-4	(a)	-3	(a)	-2	(a)	-1
(a)	-10	(b)	-9	(a)	-8	(c)	-7	(d)	-6

تجویز کردہ اکتسابی مواد (Suggested Learning Resources)

1. A. Chhabra (1984), *Foundation of Political Science*, Malhotra Book Depot, Jalandhar
2. A.C. Kapur: *Principles of Political Science*, S. Chand, New Delhi, latest edition
3. Adam Smith (1954), *An Enquiry into the Nature and Causes of the Wealth of Nations*, Everyman's Library Edition, (J. M. Dent & Sons), London
4. Agarwal, R. C. (2007). *Political Theory-Principles of Political Science*. New Delhi, S. Chand & Company Ltd.
5. Almond, G. A. & Bingham, G. Powell Jr. (1966). *Comparative Politics: System, Process, and Policy*. Boston: Little, Brown.
6. Andrew Heywood: *Political Theory*, Palgrave Macmillan, latest edition
7. Angels (1967), *Socialism Utopian and Scientific*, Progress Publishers, Moscow
8. Anup Chand Kapur, *Principles of Political Science*, S.Chand New Delhi, 2010.
9. Asirvatham and Mishra K. K *Political Theory*, S.Chand New Delhi, 2010.
10. Barrow, C. W. (1993). *Critical Theories of the State*, Madison: University of Wisconsin Press
11. Bernard, C. (1972). *In defense of politics*. University of Chicago Press
12. Easten, D. (1953). *The Political System: An Inquiry into the State of Political Science*. New York: Alfred A. Knopf.
13. Gauba, O. P. (1981). *An Introduction to Political Theory*. Macmillan.
14. Gunnell, J. G. (1993). *The Descent of Political Theory*. Chicago: University of Chicago Press.
15. Heywood, A. (2005). *Political Theory*. Palgrave Macmillan.
16. J. S. Mill (1929), 'Principles of Political Economy ', Ashley Ed. Longmans, Green and Co.; London
17. J.C. Johari (2019), *Principles of Modern Political Science*, Sterling Publishing House
18. Jain, M. P. (1985). *Political Theory: Liberal and Marxian*. Authors Guild.
19. John Hoffman, (2010), *Introduction to Political Ideologies*, Pearson Education in India
20. Kapur, A. C. (2006). *Principles of Political Science*. New Delhi, S. Chand & Company Ltd.
21. Leftwich, A. (2004). *What is politics? The Activity and its Study*. Polity.
22. O.P. Gauba (2017), *An Introduction to Political Theory*, Mayur Paperback
23. Pravin Kumar Jha, *Political Science*, Pearson Education, New Delhi, 2012.
24. Rajeev Bhargava & Ashok Acharya (2008), *Political Theory: An Introduction*, Pearson Education in India
25. Raymond G. Gettel: *Political Science*, the World Press, Kolkata, 1950
26. Robest E. Goodin (2011), *Oxford Handbook of Political Science*, OUP, Oxford
27. S.P. Verma, *Modern Political Theory*, Vikas Publisher, New Delhi, 2013.
28. S.R. Myneni, *Political Science*, Allahabad Law Agency, 2018.

نمونہ امتحانی پرچہ سیاسیات کا تعارف

Time: 3 Hours

Marks: 70

ہدایات:

یہ پرچہ تین حصوں پر مشتمل ہے، حصہ اول، حصہ دوم، حصہ سوم۔ ہر جواب کے لیے لفظوں کی تعداد اشارہ ہے۔ تمام حصوں سے سوالوں کا جواب دینا لازمی ہے۔

۱۔ حصہ اول میں 10 لازمی سوالات ہیں جو کہ معروضی سوالات ہیں / خالی جگہ پُر کرنا / مختصر جواب والے سوالات ہیں۔ ہر سوال کا جواب لازمی ہے۔
(10 Marks = 10 x 1)

۲۔ حصہ دوم میں 8 سوالات ہیں۔ اس میں سے طالب علم کو کوئی 5 سوالوں کے جواب دینے ہیں۔ ہر سوال کا جواب تقریباً دو سو (200) لفظوں پر مشتمل ہونا چاہیے۔ ہر سوال کے لیے 06 نمبرات مختص ہیں۔
(30 Marks = 5 x 6)

۳۔ حصہ سوم میں 5 سوالات ہیں۔ اس میں سے طالب علم کو کوئی 3 سوال کے جواب دینے ہیں۔ ہر سوال کا جواب تقریباً پانچ سو (500) لفظوں پر مشتمل ہونا چاہیے۔ ہر سوال کے لیے 10 نمبرات مختص ہیں۔
(30 Marks = 3 x 10)

حصہ اول

سوال: 1

(i) سیاسیات کا بانی کس کو تسلیم کیا جاتا ہے۔

(a) افلاطون (b) ارسطو (c) سقراط (d) ان میں سے کوئی نہیں

(ii) جدید علم سیاسیات کا بانی کس کو کہا جاتا ہے؟

(a) میکاولی (b) جان لاک (c) تھامس ہابز (d) روسو

(iii) A Grammar of politics کے مصنف کون ہے؟

(a) ارسطو (b) افلاطون (c) لاسکی (d) گارنر

(iv) اقوام عالم کے مابین مذاکرات کرنے کا فن اور سائنس کہا جاتا ہے۔

(a) خارجی معاملات (b) سفارت کاری (c) بین الاقوامی امور (d) بیوروکریسی

(v) سماج (سوشل) سائنس ریسرچ کو نسل کا تشکیل کس ملک میں دی گئی ہے؟

(a) امریکہ (b) ہندوستان (c) روس (d) جاپان

(vi) فلسفہ مارکسیزم کی بنیاد	(a) مشیت	(b) سیاسیات	(c) فلسفہ	(d) a اور b
(vii) اس میں سے ریاست کا جز کون نہیں ہے؟	(a) حکومت	(b) اقتدار اعلیٰ	(c) علاقہ	(d) زبان
(viii) اخلاقی اور روحانی طاقت کو ہی اصلی اور حقیقی طاقت کس نے کہا ہے؟	(a) مہاتما گاندھی	(b) مارشل	(c) کوٹلیہ	(d) گینٹل
(ix) جمہوریت عوام کی، عوام سے اور عوام کے لئے حکومت کا نام ہے۔ یہ کس نے کہا؟	(a) اے وی ڈالسی	(b) ارسطو	(c) ابراہیم لنکن	(d) لاسکی
(x) بنیادی حقوق کا گار جن کے مانا جاتا ہے؟	(a) عدلیہ	(b) حکومت	(c) مملکت	(d) پولیس

حصہ دوم

- 2- علم سیاسیات کی تعریف بیان کرتے ہوئے اس کی اہمیت کو بتائے۔
- 3- شہریت کے نظریہ پر مختصر نوٹ لکھیے۔
- 4- قانونی اقتدار اعلیٰ سے کیا مراد ہے وضاحت کیجئے۔
- 5- نظریہ تکثیریت کی اہم خصوصیات پر روشنی ڈالئے۔
- 6- حقوق کیا ہے اس کے خصوصیات بیان کیجئے؟
- 7- سیاسی ذمہ داری کے نظریہ سماجی معاہدہ کا تنقیدی جائزہ پیش کریں۔
- 8- ایجابی عمل کیا ہے کیسے یہ سماج کے پسماندہ طبقے کے لئے ترقی کا سبب ہے؟
- 9- سیاسی شراکت سے آپ کیا سمجھتے ہیں روشنی ڈالئے؟

حصہ سوم

- 10- سیاسیات کیا ہے سیاسیات کے مختلف اجزاء پر ایک تفصیلی نوٹ لکھیے؟
- 11- شہریت حاصل کرنے کے طریقے پر روشنی ڈالئے۔
- 12- علم سیاسیات کا دیگر سماجی علوم کے ساتھ تعلقات مختصر طور پر تبادلہ خیال کریں؟
- 13- ترقی سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟ پائیدار ترقی پر ایک مضمون لکھیے۔
- 14- ریاست کے بارے میں مارکس کے خیالات کیا ہیں؟

This image shows a single sheet of white paper with horizontal ruling lines. The lines are evenly spaced and run across the width of the page. There are no margins, text, or other markings on the paper.

This image shows a full page of blank, lined paper. It features approximately 20 evenly spaced horizontal grey lines across its entire width, providing a guide for handwriting or typing. The background is a clean, solid white color.

This image shows a single sheet of white paper with horizontal ruling lines. The lines are evenly spaced and run across the width of the page. There are no margins, text, or other markings on the paper.

This image shows a single sheet of white paper with horizontal ruling lines. The lines are evenly spaced and run across the width of the page. There are no margins, text, or other markings on the paper.